ریاست کا ساٹھ سالہ سیاسی دور

کشمیر کا سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پبلشرز: کشمیر بک ڈپو [illegible]

کشمیر کا سیاسی انقلاب

جلد دوم

از ابتدائے جولائی ۱۹۳۹ء تا اکتوبر ۱۹۴۷ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

شبنمؔ قیوّم

کشمیر بُک ڈپو پبلشرز، سرینگر، کشمیر

بار اوّل : ۱۹۸۹ء

طباعت : .... جے، کے آفسٹ پرنٹرز، جامع مسجد، دہلی ۶

قیمت : .... پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

انتساب

مرحوم چوہدری غلام عباس خان و غلام نبی گلکار جیسے نیک اور پُرخلوص لیڈرانِ قوم کے نام احترام کے ساتھ جنہیں راستے سے ہٹا کر کشمیر کی ناؤ کو کنارے لگانے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ جنہیں کشمیری عوام نے سمجھنے اور پہچاننے میں ایسی غلطی کی جس کا کبھی ازالہ نہیں ہو سکے گا۔

شبنم قیوم

مئے کرٔی پیشِ وٲر کمہ کمہ فندٕ گوشن لولہ کین پوشن
خبر اُسیم دلس یلہ دروٹ دمہ سٕگ واتہ اردانن
بہ چھُس بیر چھُس نہ بیر ناوک تترِر زالیم دٔشر گالیم
مئے دِژ ییمہ نزٕ ن دلس منز جاے گگراین تہ طوفانن
(احمد شمیم)

حرفِ اوّل

جیسا کہ آپ جان گئے ہیں میں نے "کشمیر کا سیاسی انقلاب" جلد ۲ کو برصغیر کی تقسیم سے قبل کے اُن دو اہم محبِ وطن لیڈرانِ قوم کے نام منسوب کیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق علاقہ جموں اور دوسرے کا تعلق وادی کشمیر سے رہا ہے۔ یہ دونوں حضرات آج ہم میں موجود نہیں۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ ریاست کے قضاوقدر کے مالک بن گئے تو انہوں نے دونوں جیالے جانبازوں ان بے لوث اور بے غرض لیڈروں کو دیش بدر کر دیا۔ غلام نبی گلکار جنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سیاست میں لایا اور سیاست کا سبق سکھایا۔ اُن کو پولیس کے ہاتھوں زدوکوب کرا کر یہاں سے بھگا دیا گیا۔ چوہدری غلام عباس خاں کو بھی زبردستی وادی چھوڑنے کے لیے پولیس کا سہارا لیا گیا لیکن بعد میں ارادہ بدل کر اُن سے چالبازی کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چوہدری صاحب نظربند تھے۔ شیخ عبداللہ نے پہلے بخشی غلام محمد کو ان کے پاس بھیجدیا اور پھر خود جیل میں اُن سے ملاقات کر کے اُنہیں یہ جھکمہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر قائداعظم محمد علی جناح سے ہماری صلح کرا دیں تاکہ ہم نئے سرے سے مسئلہ کشمیر پر اُن کے ساتھ گفت وشنید کر سکیں۔ شیخ صاحب ہندوستان سے چھٹکارا پانے اور پاکستان کے ساتھ صلح کرنے کی آڑ میں چوہدری صاحب کو پاکستان

بھیجدینا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب بخوبی جانتے تھے نہ ہندوستان کشمیر پہ قبضہ چھوڑ دے گا اور نہ ہی پاکستان ان کا ناپائیدار فارمولہ قبول کرے گا۔ اس بارے میں ان کی بس یہ غرض تھی کہ چوہدری غلام عباس خان جیسے لیڈر سے چھٹکارا پا یہ جائے تاکہ وہ بلاشرکت غیرے حکومت کر سکیں۔

چوہدری غلام عباس خاں مسلم کانفرنس کے صدر تھے تو انہوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے نیشنل کانفرنس کو ڈوگرہ شاہی کے دور میں دوبارہ عام انتخابات میں ایسی زبردست شکست دلادی کہ نیشنل کانفرنس کے ساتھ آل انڈیا کانگریس بھونچکا رہ گئی۔ چوہدری غلام عباس خاں مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ اسی لیے انہوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی سخت مخالفت کی۔ بالآخر شیخ صاحب کی بعض یقین دہانیوں پر وہ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لیے مجبور ہو گئے۔

بقول چوہدری صاحب جب مجھے پتہ چلا نیشنل کانفرنس کی آڑ میں اس کی لیڈر شپ مسلمانوں کے کاز کے ساتھ غداری کر رہی ہے تو میں نے نیشنل کانفرنس کو خیرباد کہہ دیا اور دوبارہ مسلم کانفرنس زندہ کر کے اس تنظیم کی اپنے خون جگر سے آبیاری کرنی شروع کی۔

چوہدری عباس خاں نظریاتی طور پر مسلم لیگ اور پاکستان کے طرفدار تھے۔ وہ ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی تحریک کا بس یہی ایک محور تھا۔ اس بارے میں وہ صحیح تھے یا غلط لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم کانفرنس میں رہ کر وہ پاکستان کا نظریہ اپنائے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں محمد علی جناح سے ان کا رابطہ تھا۔ چوہدری صاحب جہاں پاکستان کی طرفداری میں جناح صاحب کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھے وہاں شیخ عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو کا پیرو کار بن کر بھارت کی حمایت کر رہے تھے۔ دو پارٹیوں کے ان دو سربراہوں کے درمیان کا یہ تضاد آخر کار کھل کر سامنے آ گیا۔

چوہدری غلام عباس خان کے مقابلے میں خواجہ غلام نبی گلکار ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ چوہدری عباس خان کی طرح انہوں نے بھی دولت جائیداد جاہ وحشمت اور حکومت سب کچھ ٹھکرا کر صرف ریاست کے درد کو سینے سے لگایا۔ چوہدری عباس کی طرح گلکار نے بھی ریاست کی عزت و آبرو کو وظیفوں، نذرانوں اور کلیموں کی نذر چڑھانے سے انکار کر دیا۔

غلام نبی گلکار اور چوہدری عباس خان پر کوئی دشمن بھی یہ الزام نہ لگا سکا کہ انہوں نے کبھی لالچ غرض یا دباؤ میں آکر اپنے موقف سے انحراف کیا ہو، ان کا موقف صحیح تھا یا غلط وہ الگ بات ہے۔ لیکن وہ مرتے دم تک ایک ہی موقف پر قائم رہے انہوں نے اپنے ہم عصر ساتھی کی طرح لباس جیسے موقف نہیں بدلے، چوہدری غلام عباس خان جہاں شروع سے لے کر آخیر تک پاکستان کی حمایت کرتے رہے وہاں غلام نبی گلکار آخری گھڑی تک آزاد اور خود مختار کشمیر کے حامی رہے گلکار صاحب ہندوستان کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بھی برسرپیکار رہے ان کے اس عزم کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں بھی پامال نہ کر سکیں حتی کہ دیار غیر ملکی جیل کی آہنی سلاخوں سے بھی انہوں نے آزاد اور خود مختار کشمیر کا نعرہ لگایا۔

گلکار صاحب نے اپنی زندگی میں پاکستانی اخبارات میں ایک طویل سلسلہ مضامین شائع کرا کے "خود مختار کشمیر" کی سیاسی اقتصادی اور جغرافیائی اہمیت کو واضح کیا اور خود مختار کشمیر کے مخالفین کے ہر اعتراض کا مسکت جواب دے دیا۔ انہیں اپنے وطن سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ ان کا کہنا تھا ریاست جموں وکشمیر کی عزت و آبرو اسی میں ہے کہ یہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے آزاد اور خود مختار رہے اپنے اس موقف کی صحت اور سلامتی کا انہیں یقین کامل تھا۔ وہ اس کے خلاف کوئی بھی دلیل سننے کے لیے

تیار نہیں تھے۔ کشمیر کے مستقبل پر ان کا غیر متزلزل اعتماد ایک ایسے عاشق کی یاد دلاتا ہے جو اپنے محبوب کی بے وفائی کے بعد اُسی کے نام کی مالا جپتا ہے۔ اور یہی مالا جپتے جپتے انہوں نے موت کا جام نوش فرمایا۔

غلام نبی گلکار کی موت پر شیخ عبداللہ نے مجاہد منزل کے تعزیتی اجلاس میں وصیت فرمائی تھی۔

"جب میری موت واقعہ ہو گی تو مجھے یہاں دفنانے کے بجائے بحرۂ عرب میں غرق کر دینا، میں اس غلام سرزمین میں دفن نہیں ہونا چاہتا ہوں، میں مر کر بھی ایسے لوگوں میں رہنا نہیں چاہتا جو غلام نبی گلکار جیسی شخصیت کو بھول گئے ہیں۔"

موت کا جام چوہدری غلام عباس خان نے بھی پیا۔ گلکار کے ساتھ وہ بھی یہ ارمان لے کر گئے کہ تحریک نے اُن کے ساتھ وفا کیوں نہ کی اور ریاست کی مسلم اکثریت اپنے مقصد میں ناکام کیوں رہی، چوہدری غلام عباس خان اور غلام نبی گلکار دونوں کو اس بات کا قلق تھا کہ انہوں نے کشمیر سے نکلنا کیوں قبول کیا وہ شیخ محمد عبداللہ کے لیے ایک چیلنج بن کر کشمیر میں کیوں نہ رہے اور کشمیر میں اپنی جان کیوں نہ دے دی۔ دونوں لیڈر جانتے تھے جن غیر مسلموں کے لیے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ ان غیر مسلموں نے کبھی بھی نیشنل کانفرنس کو قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کی اکثریت تو نیشنل کانفرنس کے بالکل خلاف تھی اس کا ثبوت اُن عام انتخابات سے ملتا ہے جن میں مسلم کانفرنس نے نیشنل کانفرنس کو دو بار کراری شکست دی۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل جس نیشنل کانفرنس کی عوام میں کوئی بنیاد ہی نہ تھی وہ مسلم کانفرنس پر حاوی کیسے ہو گئی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آپ کو اس کتاب میں ضرور ملے گا۔ جب تک مسلم کانفرنس کے لیڈر یہاں موجود تھے نیشنل کانفرنس یہاں پنپ نہ سکی، لہٰذا ان کو یہاں سے چلتا کیا گیا۔ حالانکہ نیشنل کانفرنس کا نظریہ وسیع تر بنیاد کا حامل تھا۔ یہ تنظیم وسعت قلب اور وسعت

نظر رکھ کر دو قومی نظریئے کو مسترد کر رہی تھی۔ یہاں پر میں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کے پاس مانسیمہ رجمنٹ (اس میں لاری اڈے کے ڈرائیور، ٹانگہ بان اور قصائی شامل تھے) نہ ہوتی تو کشمیر کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی، بعض لوگوں کا خیال ہے اگر شیخ محمد عبداللہ سیاست میں نہ ہوتے تو کشمیر یا تو پاکستان کے ساتھ مل گیا ہوتا نہیں تو آزاد اور خود مختار ہوتا، اس بارے میں میرا یہ دعویٰ ہے اگر شیخ صاحب سیاست میں ہوتے بھی مگر سرینگر کے ڈرائیور، ٹانگہ بان اور قصائی ان کے حمایتی نہ ہوتے تو کشمیر ہندوستان کے ساتھ شامل نہ ہوتا، یہ بات کشمیر کے مفاد میں ہوتی یا نہیں لیکن صورت حال ضرور مختلف ہوتی۔

شبنم قیوم



تحریک حریت کے صف اول کے مجاہد
چوہدری غلام عباس خان۔



تحریک حریت کے بانی مجاہد غلام نبی گلکار انور



مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح بمبئی کے مالابار ہل میں
ہندو مسلم اتحاد پر بات چیت کے بعد اس اتحاد کو
قائم رکھنے کے دوران کی یادگار تصویر۔

باب ـ ۱

نیشنل کانفرنس کے نو سال

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک

یہ کس نے شاخ گل لاکر قریب آشیاں رکھدی
کہ ہم نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھدی

جزو

نہ جانے کونسی منزل پہ آپہنچا ہے پیار اپنا
نہ ہم کو اعتبار اُن کا، نہ اُن کو اعتبار اپنا

نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ مشکلات سے دوچار

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے سے قبل شیخ محمد عبداللہ کو پنڈت برادری کو اعتماد میں لینا پڑا "ذمہ دار نظام حکومت" کا مطالبہ کرنے سے پہلے ایک ایک کرکے انھیں غیر مسلم رہنماؤں کو مطالبے کا یہ مسودہ دکھانا پڑا، کوئی درجن بھر ترمیموں کے بعد ایک دستاویز تیار کی گئی۔ سینئر مسلم لیڈروں میں سے ایک نے بھی اس پر دستخط نہیں کیے۔ ان کے ہمراز خواجہ غلام احمد عشائی نے بھی دستخط کرنے سے انکار کیا تو انھیں جاکر احمد یار خاں، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور مرزا افضل بیگ کے دستخط حاصل کرنے پڑے۔

غیر مسلم لیڈروں کی طرف سے پریم ناتھ بزاز، سردار بدھ سنگھ، کیشپ بندھو، پنڈت جیالال کلم، شیام لال صراف اور ڈاکٹر ایس۔ این پشن نے دستاویز پر دستخط کیے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے دیرینہ ساتھیوں کی پرواہ کیے بغیر مسلم کانفرنس کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ابتدا میں انھیں مسلم رہنماؤں کی طرف سے زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن شیخ صاحب کا فیصلہ پتھر کی لکیر ثابت ہوا اور وہ کئی احباب کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوئے، جب ان کے حامیوں کا دائرہ دوبارہ وسیع ہونے لگا تو جموں کے مسلم رہنماؤں میں سے بیشتر نے مسلم کانفرنس کی تجہیز و تدفین میں حصہ لیا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے ساتھ جب اس تنظیم کے پرچم کو بھی بدل دیا گیا تو غیر مسلموں نے اسے اپنی فتح سے تعبیر کرکے جشن منایا، اس کے مقابلے میں ناراض مسلم

لیڈروں اور ان کے حامیوں نے مسلم کانفرنس کی موت پر ماتم منایا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لیے ابتدا میں شیخ صاحب کے ساتھ ان کے ہم خیال صرف غلام احمد عشائی تھے۔ لیکن بعد میں عشائی صاحب بھی اس مسئلے پر ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ چوں کہ وہ اس تبدیلی کی کاروائی میں ایک راز دار تھے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ پر کانگریس کے ہاتھوں بکنے کا الزام لگایا۔ اور انھیں تحریک کے ساتھ غداری کا مرتکب ٹھہرایا۔

عشائی صاحب کے چلے جانے سے شیخ عبداللہ اکیلے اس فیصلے پر ڈٹے رہے۔ انھوں نے ثابت کر کے دیا۔ ایک طرف اگر ایک جماعت ہے تو دوسری طرف وہ اکیلے اس جماعت کے برابر ہیں۔

شیخ صاحب کو لوگوں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور یہ لوگ تھے جو سمجھتے تھے شیخ صاحب کوئی غلط کام نہیں کریں گے۔ لوگوں کے اس اعتماد نے شیخ عبداللہ سے کئی ایسے فیصلے کرائے جن سے ہماری قوم کو سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنا ایک مثبت قدم تھا۔ اور یہ سیکولرازم اور سوشلزم کا اعادہ بھی تھا۔ یہ آن کی وسعت قلبی کا مظاہرہ بھی تھا لیکن اس کام کے لیے نہ صرف کٹر مسلم پرستوں کی مخالفت کا انھیں سامنا کرنا پڑا بلکہ پنڈت برادری کے سخت ترین اقدامات سے پریشان ہونا پڑا۔

مسلم کانفرنس جیسی تنظیم کا نام اور اس کا پرچم تبدیل کرتے کا پنڈت برادری کا مطالبہ شیخ صاحب تسلیم کر چکے تھے اور اس پر عملی جامہ بھی پہنائے گئے تھے لیکن اب ان کی طرف سے دوسرے مطالبے ہونے لگے۔

شیخ عبداللہ ابتدا سے ہی تقریر سے قبل اپنی مدھر اور سُریلی آواز میں قرآنی آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے اور کلام اقبال میں سے چند موزوں شعر سامعین کی نذر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے اسٹیج پر اکثر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی آوازیں گونجتی تھیں۔

پنڈت لیڈروں نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا، اس پر سخت لے دے ہوئی، شیخ صاحب نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کیا اور پنڈت رہنماؤں نے ان کو تعاون دینے سے صاف انکار کیا۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے مرکزی کانگریس کمیٹی تک جا پہنچا، کشمیری پنڈتوں کا ایک وفد شکایت لے کر دہلی گیا تو پنڈت نہرو نے اس وفد سے صاف صاف کہہ دیا علامہ اقبال

میرا بھی عزیز شاعر ہے۔ میں بھی ان کا کلام پڑھتا ہوں اور قرآن پڑھنا تو اچھی بات ہے۔ لیکن وفد اس دلیل سے مطمئن نہیں ہوا انھوں نے نیشنل کانفرنس کے اسٹیج پر قرآن کے ساتھ گیتا کا پاٹھ اور نعرۂ تکبیر کے ساتھ ہر ہر مہادیو کا ورد کرنے کا سجھاؤ دیا۔ پنڈت نہرو نے بتایا اگر شیخ صاحب ایسا کرنا مناسب سمجھیں تو کرا سکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ہم اُن پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔

پنڈت رہنماؤں کے اس مطالبہ سے شیخ عبداللہ سخت پریشان اور رنجیدہ ہو گئے۔ پنڈت لیڈروں کی طرف سے قرآنی آیات کی تلاوت پر معترض ہونے سے شیخ صاحب اس حد تک رنجیدہ اور سنجیدہ ہو گئے کہ انھوں نے دوبارہ مسلم کانفرنس میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

چونکہ مسلم کانفرنس کے لیڈران سے اس سلسلے میں دھوکہ کھا چکے تھے لہٰذا انھوں نے ان کے اس فیصلے کو قابل اعتنا نہ سمجھا، ویسے بھی شیخ صاحب کی غلطی نہ ماننے کی ان کی کمزوری نے انھیں دوبارہ مسلم کانفرنس میں جانے نہیں دیا اور وہ صبر و برداشت کے کڑوے گھونٹ پیتے رہے۔

پنڈت لیڈروں کے اس اعتراض کو بعض مسلم رہنماؤں نے جو نیشنل کانفرنس میں آچکے تھے ان کا یہ مطالبہ نامناسب سمجھ کر شیخ صاحب سے شکایت کی لیکن آن کی طرف سے معقول جواب نہ ملنے کی وجہ سے وہ اس جماعت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کاروائی سے شیخ صاحب کو زبردست دھچکہ لگا۔ لیکن وہ اندر کے الاؤ کو باہر ظاہر نہ دینے کی پالیسی پر قایم رہے۔

اسی دوران عید میلادالنبی صلعم کی تقریب سعید پر حضرت بل میں شیخ صاحب نے نماز سے قبل صورۃ الرحمٰن کی تلاوت کی، چونکہ یہ تلاوت معمول سے کچھ زیادہ تھی اس پر پنڈت رہنماوں نے اعتراض کیا۔

پنڈت کیشپ بندھو، پریم ناتھ بزاز، جیا لال کلم اور سری کنٹھ توشخانی نے اسے نیشنل کانفرنس کی پالیسی اور پروگرام کے خلاف قدم قرار دیا۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

شیخ صاحب نے پنڈت برادری سے کہہ دیا میں اوّل اور آخر مسلمان ہوں تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئے انھوں نے شیخ صاحب سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اول اور آخر مسلمان کہنے کے بجائے اول اور آخر ہندوستانی کہیے۔

شیخ صاحب نے جواب دیا میں ہندوستانی بھی ہوں اور مسلمان بھی لیکن پنڈت رہنما مطمئن نہ ہو سکے۔

اسی دوران نیشنل کانفرنس کے ایک لیڈر گردھاری لال آنند صراف جموں نے نیشنل کانفرنس کے دستور اساسی کی اشاعت پر اس لیے اعتراض کیا کیونکہ اس پر نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے شروع میں "۷۸۶" لکھ دیا تھا۔ چنانچہ شیخ صاحب سے "۷۸۶" لکھنے پر جواب طلبی کی گئی تاکہ وہ اسے کاتب کی غلطی ٹھہرا کر اس اعتراض سے گلو خلاصی کر سکیں لیکن شیخ صاحب نے اس کے جواب میں لکھ دیا یہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ میرے ارادے سے لکھا گیا ہے اور یہ خدا کا نام ہے۔

یہ ہنگامہ اتنا بڑھ گیا کہ ان سبھی پنڈت لیڈروں نے ایک ایک کرکے نیشنل کانفرنس سے استعفے دے دیا۔

ان پنڈت لیڈروں کے نیشنل کانفرنس چھوڑنے سے کئی مسلم لیڈر بھی اس تنظیم کو چھوڑ گئے۔ نیشنل کانفرنس سے مستعفی ہو کر یہ پنڈت رہنما پنڈت نہرو سے ملنے دہلی چلے گئے۔ لیکن نہرو جی نے ان کا اعتراض مسترد کیا۔

پنڈت نہرو نے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ "شیخ صاحب نے تمہارے لیے اپنی برادری کو ناراض کیا اور تم روز بروز ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ میں نے ایک بار کہا ہے میں اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔"

پنڈت نہرو کا جواب سن کر یہ لوگ مایوس ہو کر دہلی سے واپس لوٹ آئے۔

پنڈت برادری کے اس طور طریقے سے پریشان ہو کر شیخ صاحب خود بھی دہلی فریاد کرنے گئے۔ دہلی سے واپسی پر جامع مسجد سرینگر میں تقریر کے دوران انھوں نے اپنے دورے کی تفصیلات بتائیں، انھوں نے کانگریس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے مسلم لیگ کے رول کی شدید الفاظ میں مذمت کی، انھوں نے لوگوں کو بتایا۔

"میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو کشمیر آنے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی، یہ کانگریس کے ساتھ ہمارے اصولوں کی ہم آہنگی ہے۔ کانگریس کے لیڈروں نے ہماری امداد بھی کی ہے۔"

اس موقعہ پر مولوی محمد سعید مسعودی نے شیخ صاحب کو ان کی غیر حاضری میں پیش

آئے واقعات کی تفصیل بتا دی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ "نیشنل کانفرنس ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت نے قبول نہیں کی تھی۔ اور شیخ عبداللہ اس کی زیادہ پرواہ بھی نہیں کر رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی گرتی ہوئی ساکھ کو دیکھ کر بعض مسلم رہنماؤں نے مسلم کانفرنس میں جان ڈالنے کا ارادہ کیا جونہی ان کا یہ ارادہ منظر عام پر آیا تو کشمیری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس کی حمایت میں جمع ہو گئی البتہ بعض سیاسی رہنماؤں نے اس کام میں ضرور رکاوٹ ڈال دی

اسلام آباد میں نیشنل کانفرنس کے اجلاس سے یہاں کے لوگوں نے جب بائیکاٹ کیا اور مسلم کانفرنس کے حق میں پرچار کیا تو مرزا محمد افضل بیگ کو کرایہ کے غنڈوں سے دنگا فساد کرانا پڑا۔

سرینگر کے کئی جوان کارکنوں نے قریشی محمد یوسف کی رہنمائی میں مسلم کانفرنس کی بنیاد



قریشی محمد یوسف مسلم کانفرنس کے ارکان کے ساتھ

از سر نو ڈالنے کا اعلان کیا اس کے لیے ۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک بڑے اجتماع میں مجاہد منزل پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بخشی غلام محمد لاری اڈہ میں گئے اور وہاں سے ڈرائیوروں اور کلینروں کو کئی لاریوں میں مجاہد منزل لے آئے۔ ان ڈرائیوروں اور کلینروں نے بینڈل اور دوسرا سامان ہاتھ میں لے کر مسلم کانفرنس کے حامیوں پر ایسا وار کیا کہ بے شمار کارکن شدید طور پر زخمی ہو گئے اس طرح مجاہد منزل پر قبضے کی کاروائی ناکام بنا دی گئی۔ زخمی ہونے والوں میں قریشی محمد یوسف کے ساتھ غلام رسول چھتہ بل صبورہ واگنو، حسن محمد سالار، مبارک خان مائسمہ نور محمد ڈار رعناواری، نور محمد کپتان بٹہ مالنہ، نورالدین دلال فتح کدل، محمد اسماعیل کاؤڈارہ،

میر غلام محی الدین اندرابی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک ماہ بعد مسلم رہنما پھر منظم ہو گئے چنانچہ مسلمانوں کی علیحدہ شناخت قائم کرنے کے لیے غلام محی الدین رہبیر، اے۔ یو رعنا، ایم۔ پی حلیم، ایم۔ اے ساغر، عبدالسلام دلال اور سعید مبارک شاہین نے "مسلم لیگ" کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کرنے کا آغاز کیا اور اس کے پہلے صدر غلام رسول آزاد چن لیے گئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اس تنظیم کا ایک بڑا اجلاس بادام واری میں منعقد ہوا اس اجتماع میں مسلمانان کشمیر سے اپیل کی گئی کہ وہ نیشنل کانفرنس سے علیحدہ ہو کر مسلم کانفرنس کو دوبارہ منظم کریں۔

اس اپیل پر بہت سے کارکن نیشنل کانفرنس سے نکل کر مسلم کانفرنس میں واپس آ گئے اور وہ لوگ جو نیشنل کانفرنس بن جانے کے بعد ناراض ہو کر بالکل الگ تھلگ ہو گئے تھے وہ بھی اس تنظیم میں نئی جان ڈالنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ یہ سرگرمی نہ صرف وادی میں دکھائی دی بلکہ راجوری پونچھ اور میرپور وغیرہ علاقوں میں بھی دکھائی دینے لگی۔

مسلم کانفرنس کو دوبارہ جنم دینے والے رہنمایانِ قوم کے ساتھ جن لوگوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ان میں قریشی محمد یوسف حکیم علیم اللہ، عبدالغفار چاپری، سید محمد مقبول بیہقی، غلام حسن گیلانی، محمد اسحٰق، مولانا عبدالعزیز حل، مولانا محمد یاسین سوپوری، محمد رجب بخش چنگال، غلام نبی وٹالی، عبدالغفار وانزہ، محمد یوسف کونشل، صوفی محمد خادم قمرالدین بدرو، مختار احمد، غلام محی الدین فاضلی، اسداللہ امام لسہ شیخ فاقلو، مولوی محمد یعقوب ناسور، رحمان ڈار ناسور، عبدالمجید بانڈے شوپیان، نصیرالدین خان یاری پورہ، شیخ غلام رسول شوپیان، عزیز شاہ شوپیان غلام حسن پنجورہ، عبدالرزاق ٹینگ شوپیان، مولانا عبداللہ شاہ میرواعظ، ماسٹر ولی محمد پلواہ، ماسٹر ثناء اللہ راموہ، غلام رسول ارہ کولگام، منشی غلام محمد، علی محمد ملک پنجورہ، غلام حسن لامبر، غلام محمد خان رام پورہ، غلام محمد ناز، نذیر احمد خان، محمد خلیل بانڈے، عبدالرحمٰن راحت، سید ضیاء الدین وترہل، اسد وانی اکن گام، غلام حسن گڈو، منشی امیرالدین، عبدالرحمٰن، محمد سبحان ریشی، عبداللہ جوگازہ، غلام حسن ملک، عبدالرحمان وانی، غلام مصطفےٰ ٹاک، محمد عبداللہ درزی، غلام محمد کوچک، غلام نبی، نورالدین صوفی، شمس الدین کیرہ۔ غلام محمد کنگن، میاں نظام الدین لاری، غلام قادر بابا، محمد یاسین خان بڈگام، عبدالرزاق کینگ، اسداللہ دلال،

غلام قادر خان، اسماعیل بوٹ فروش اور صوفی نذیر احمد وغیرہ کے نام دستیاب ہو سکے ہیں۔

وادی سے باہر جن لوگوں نے مسلم کانفرنس کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لیے جی جان سے کام کیا ان میں وہاب الدین، مولوی عبدالکریم کوٹ، کندو خان، مولوی عبداللہ سیاکھوی مولوی عبدالعزیز لیڈر، فضل الدین بھٹی، عبدالکریم زرگر، چوہدری عباس علی، ماسٹر عبدالعزیز عیدی، مرزا محمد حسین جرال، چوہدری محمد تقی تھنہ، عبدالعزیز زرگر، محمد اسماعیل، فقیر محمد، عبدالغنی ڈنڈے والا، راجہ فتح محمد خان، خان محمد خان، غلام قادر بانڈے اور کامریڈ محمد شفیع قابلِ ذکر ہیں۔

مسلم کانفرنس کو نیا جنم ملنے کے بعد اس کا ایک وفد لاہور روانہ ہوا اس میں سرینگر کے غلام رسول آزاد اور جموں سے پروفیسر اسحٰق نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کر کے ریاست کی نمائندگی کی۔

اس تاریخی اجلاس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہوا۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو باقاعدہ طور پر کئی سیاسی رہنماؤں نے مل کر مسلم کانفرنس کو زندہ کرنے کا اعلان کیا۔ انھوں نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں نیشنل کانفرنس کے وجود کی سخت ترین الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی۔ اس ریزولیوشن پر جن اصحاب نے دستخط کیے ان کے نام ہیں۔

(۱) سردار گوہر رحمان
(۲) سردار فتح محمد خان کریلوی پونچھ
(۳) مرزا عطا اللہ خان راجوری
(۴) قاضی عبدالغنی دلنہ
(۵) پیر ضیاء الدین بڈگام
(۶) بابو عطا محمد جموں
(۷) چوہدری عبدالکریم میرپور
(۸) چوہدری حمید اللہ خان جموں
(۹) منشی محمد دین فوق
(۱۰) سید حسین شاہ جلالی سرینگر
(۱۱) قریشی محمد یوسف سرینگر
(۱۲) محمد اسماعیل ساغر جموں
(۱۳) غلام حیدر غوری جموں
(۱۴) سید میرک شاہ اندرابی سرینگر

نیشنل کانفرنس سے بعض رہنماؤں کے چلے جانے اور مسلم کانفرنس میں شامل ہونے سے اس کی قوت میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے انھوں نے ۲۳ اپریل کو گول باغ میں ایک اجتماع کا انعقاد کیا۔ اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے دن کو

ایک عظیم الشان جلوس شہر میں گھمایا گیا۔جس کے آگے بینڈ باجہ تھا۔اس جلوس میں ہزاروں لوگوں کی شرکت سے جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔مسلم اسکول کے طلباء نے علیحدہ طور ایک جلوس نکالا۔ یہ طلباء جو سبز ہلالی پرچم لیے ہوئے جلسہ گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے ان پر گھات لگا کر حملہ کیا، ان کے پرچم چھین کر انہیں زد کوب کر کے مار بھگایا۔ اس بھاگ دوڑ میں بعض والدین کے ہاتھوں اپنے بچے زدکوب کے شکار ہو گئے۔ دوسرے روز ۲۴ر اپریل کو نیشنل کانفرنس نے مجاہد منزل میں جلسہ کرنے کی منادی کرائی اور اس کے لیے بھی شہر میں جلوس گھمایا گیا۔اس جلوس کے لیے جگہ جگہ محرابیں لگائی گئی تھیں۔

مسلم کانفرنس کا نیا جنم اور پنڈت لیڈروں کی نیشنل کانفرنس سے عدم دلچسپی سے کانگریس خاصی پریشان ہو گئی، شیخ عبداللہ کی دعوت پر مئی کے اختتام پر پنڈت نہرو سرینگر تشریف لائے تو انھوں نے شیتل ناتھ مندر میں کشمیری پنڈتوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ شیخ صاحب کے لیے ایسے مسائل پیدا نہ کریں جن سے اُن کے لیے مشکلات کھڑے ہو جائیں۔ بلکہ آپ ان کا ہاتھ بٹائیں تاکہ مسلم رہنماؤں کے سامنے انہیں کسی قسم کی خفت نہ اُٹھانی پڑے۔ پنڈت نہرو کے سامنے انھوں نے ایسا ہی کرنے کا اقرار تو کر لیا لیکن ۱۳ر جولائی کے روز یوم شہداُ منانے پر اُنھوں نے زبردست اعتراض کیا۔ پنڈت رہنماؤں کا کہنا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے کاز کے لیے مر گئے ہیں۔ لیکن اب ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ کاز ہے لہٰذا یہ دن منانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس قسم کی تقریب سیکولرازم کے نظریات کی منافی ہے۔ شیخ صاحب ایک طرف اگر سیکولرازم کی دہائی دے رہے ہیں تو دوسری طرف سیکولرازم کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

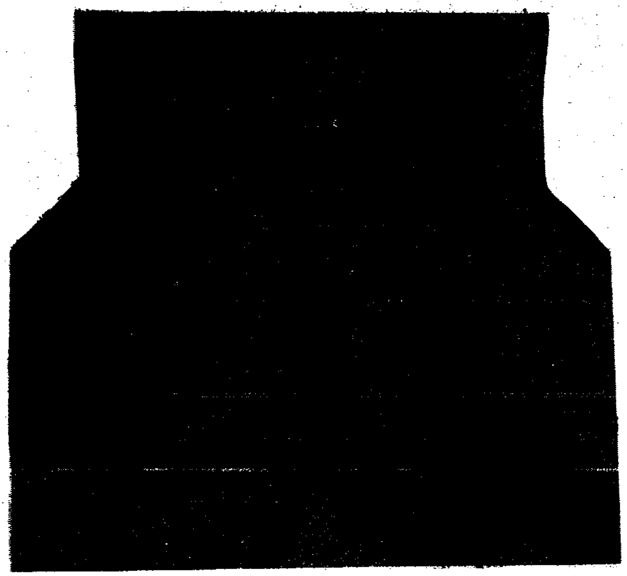
پنڈت رہنماؤں کی اس دلیل سے شیخ عبداللہ سخت الجھن میں پڑ گئے انہوں نے اپنی طرف سے پنڈت رہنماؤں کو منانے کی بہت کوشش کی اور ایسے دن منانے کی بیرونِ ممالک کئی مثالیں دیں لیکن پنڈت رہنما اِن کی دلیل سے قائل نہ ہو سکے، پنڈت رہنماؤں کو منانے کے لیے شیخ صاحب جس حد تک جا سکتے تھے گئے لیکن اس کے باوجود بھی جب وہ اپنی ہٹ پر قایم رہے تو بعض مسلم رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کا رویہ نامناسب سمجھا اور وہ ان سے روٹھ کر چلے گئے۔

ان مسلم رہنماؤں میں غلام نبی گلکار، چوہدری غلام عباس خاں، مستری یعقوب علی منشی شہاب الدین اور خواجہ غلام احمد عشائی شامل تھے۔

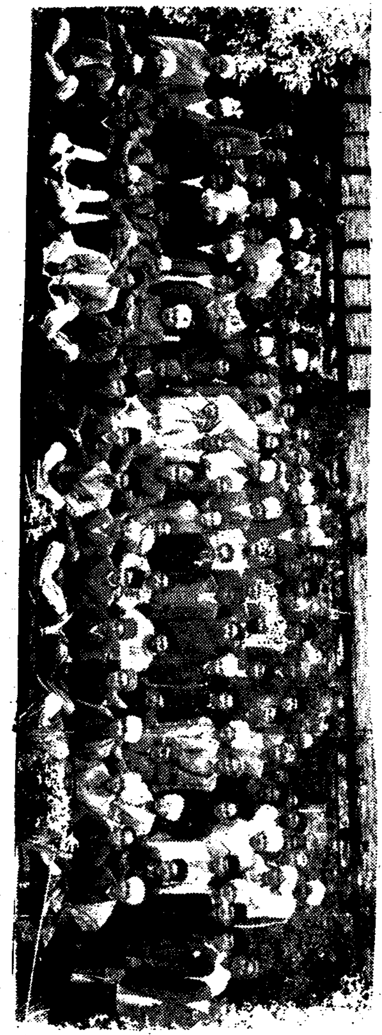
ان احباب کے چلے جانے سے نیشنل کانفرنس کی ایک دیوار منہدم ہو کر گر گئی شیخ عبداللہ اس صدمہ سے دوچار ہو گئے۔

بقول شاعر وہ پنڈت رہنماؤں سے کہنے لگے۔ ص

تری محفل کی خاطر رابطہ ہر محفل سے توڑا تھا
یہاں سے اٹھ کے اب جائیں تو ہم جائیں کدھر جائیں



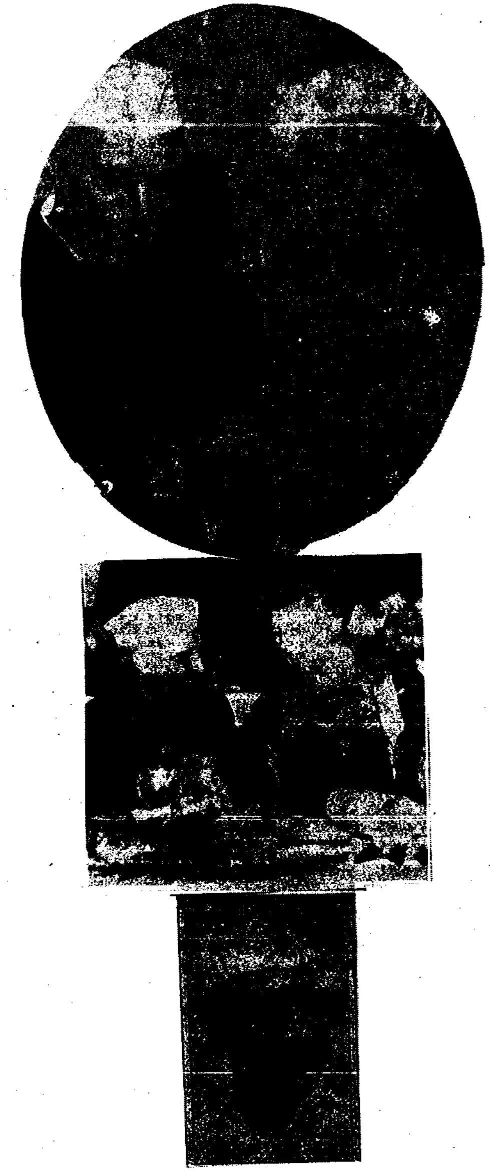
دائیں سے بائیں:۔ (۱) مستری یعقوب علی (۲) غلام احمد عشائی (۳) غلام نبی گلکار (۴) چوہدری غلام عباس خان۔



نیشنل کانفرنس اور اس جماعت کی لیڈرشپ



پنڈت جواہر لال نہرو جنہوں نے کشمیر حاصل کرنے کے لیے شیر کشمیر کو حاصل کر لیا۔



پنڈت نہرو کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ نسوانیت کے بڑے شوقین تھے۔

تو نے جس ملبوس سے ڈھانپے امارت کے جذام
حادثوں کا ہاتھ اس ملبوس کو اُلٹا گیا

فخرِ ہند پنڈت جواہر لال نہرو اور کشمیر کے ساتھ اُنکی وابستگی

کشمیری پنڈتوں کی شکایات لے کر شیخ صاحب پنڈت نہرو سے ملے تو انھوں نے پنڈت نہرو سے درخواست کی کہ وہ خود سرینگر آکر کشمیری پنڈتوں کو سمجھا دیں، کیوں کہ وہ آئے دن نت نئے فتنے کھڑا کر کے میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو نے سرینگر آنے کی شیخ صاحب کی درخواست قبول کی چنانچہ ۳۰ رمئی کو پنڈت جواہر لال نہرو خان عبدالغفار خاں اور دوسرے چند کانگریسی لیڈروں کے ہمراہ سرینگر کے لیے روانہ ہو گئے۔



خان عبدالغفار خاں - جواہر لال نہرو

۲۸ رمئی کو پنڈت نہرو کے لیے استقبالیہ کمیٹی تشکیل دینے کے دوران پنڈت کیشپ بندھو اور سری کنٹھ توشخانی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کس کی اجازت سے پنڈت نہرو کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے؟ اس خلاف توقع استفسار سے ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ شیخ صاحب سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ ہنگامہ آرائی کے دوران استقبالیہ کمیٹی کے صدر پنڈت جیالال کلم چن لیے گئے۔ کمیٹی

میں صدر کے مشورے سے ۱۲ ممبران لیے گئے۔ شیخ عبداللہ من مانی کاروائی کی پاداش میں استقبالیہ کمیٹی سے علیٰحدہ رکھے گئے۔

پنڈت جواہرلال نہرو کے عین استقبال کے روز انتظامیہ کمیٹی سے جیالال کلم اور کیشپ بندھو کی علیٰحدگی نے نیشنل کانفرنس کے لیے عجیب صورت حال پیدا کر دی۔

۲۹ مئی کو پنڈت جواہرلال نہرو خان عبدالغفار خاں اور دوسرے کانگریسیوں کے ساتھ مظفرآباد میں وارد ہوئے تو یہاں میاں احمد یار خاں کی میت میں نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے ان کا خیر مقدم کیا؛ اوڑی پہنچنے پر شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے اعزاز میں یہاں ایک جلسہ بھی ہوا، مہورہ میں انھوں نے رات بسر کی، اگلے روز شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں لطیف قریشی، نصراللہ خان، غلام حسن انقلابی سیف اللہ شاہ، شیخ محمد اکبر اور کئی دوسرے عہدیداروں اور کارکنوں نے بارہمولہ میں معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ بارہمولہ سے پنڈت نہرو کو کاروان کی صورت میں سرینگر لایا گیا۔ سنگرامہ میں صوفی محمد اکبر عبدالغنی ملک، غلام رسول کار اور دوسرے نیشنل کانفرنسیوں نے ان کا استقبال کیا، پٹن میں غلام محمد جالب کی سرکردگی میں مقامی کارکنوں نے کاروان کا خیر مقدم کیا۔

چھتربل پہنچنے پر نیشنل سکول کے طلبا نے مہمانوں کو گارڈ آف آنر دیا۔ یہاں ایک شامیانے کے نیچے پنڈت نہرو کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ارکان، ممبران اسمبلی اور مجلس استقبالیہ کے ممبران سے متعارف کرایا گیا۔

چھتربل ویر سے پنڈت نہرو کا شاندار دریائی جلوس ترتیب دیا گیا۔ جلوس کو عالی کدل پہنچنے پر مسلم کانفرنس کے حامیوں کے شدید مخالفانہ مظاہروں کا شکار ہونا پڑا۔ اہل جلوس پر مہاراج گنج سے زینہ کدل تک دریائی سفر میں کئی جگہوں پر نہ صرف زبردست سنگباری کی گئی بلکہ مظاہرین نے عریانیت کا بدترین مظاہرہ کیا۔

مسلم کانفرنس کے حمایتیوں کے ساتھ دریائی جلوس کے دوران نیشنل کانفرنس سے کنارہ کش پنڈت لیڈروں کے ایما پر کئی من چلے لڑکوں نے نیشنل کانفرنس کے ماٹوز، محرابیں اور جھنڈے پھاڑ ڈالے۔ اس طرح انتشار، افراتفری اور طوفان بدتمیزی کے بعد جلوس گھاٹ امیراکدل پر اختتام پزیر ہوا۔

ہری سنگھ ہائی سٹریٹ سے ریذیڈنسی روڈ تک نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے ان کا

والہانہ استقبال کیا۔

۳۱ مئی کو حضوری باغ میں کانگریس کے رہنماؤں کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ امیراکدل سے حضوری باغ تک سڑک کو محرابوں سے سجایا گیا

حضوری باغ کے اسٹیج پر شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہرلال نہرو کو سپاسنامہ پیش کر کے انہیں قابل فخر "فرزند کشمیر" کے نام سے خطاب کیا۔ اور آن کی بین الاقوامی حیثیت و شہرت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اہل کشمیر کے لیے آپ کی ذات و وجود قابل صد افتخار ہے۔

نیشنل کانفرنس کی طرف سے اِن کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

"ہماری تحریک کو غرض مندوں اور مخالف طبقوں کی طرف سے بدترین قسم کی غلط بیانیوں کا شکار ہونا پڑا حتیٰ کہ بیرونِ ریاست کے قوم پرست اخبارات میں بھی یہ زہریلا پروپگنڈا جاری رکھا گیا تھا اور ہمارا راستہ روکنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے گئے۔ اگرچہ بڑی حد تک یہ پروپگنڈا مدہم پڑ گیا لیکن ابھی اس کا کلّی خاتمہ نہیں ہوا، ایسے حلقے اب بھی موجود ہیں جہاں دیدہ و دانستہ یہ غلط بیانیاں جاری ہیں مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ کو جو ہندوستان کی آزادی اور ترقی کے مشعل بردار ہیں اپنے درمیان پاتے ہیں آج آپ بچشم خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ کشمیر میں ہماری تحریک کیا ہے اور ہم کن لوگوں کی ترجمانی کر رہے ہیں اگر آنجناب ہم کو صحیح راستہ پر پائیں تو ہماری امداد فرمائیں اور اگر دیکھیں کہ ہم کسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں تو آپ کا حق ہے کہ آپ ہمیں درست اور نیک مشورہ دیں۔ آپ کا مشورہ ہمارے لیے مشعل راہ ہوگا۔ آپ کا مشورہ ہمارے لیے شامل رہا تو ہم کٹھن راستہ طے کرنے میں راحت محسوس کریں گے۔ آپ کا دست شفقت ہم پر رہا تو ہم اپنی منزل کی طرف عزم و ہمت کے ساتھ گامزن ہوں گے ...."

پنڈت نہرو نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے اُن دِنوں کی یاد تازہ کی جب وہ پہلی بار ۱۹۱۶ء میں کشمیر آئے تھے۔ انھوں نے کشمیری رہنماؤں کو متنبہ کیا کہ موجودہ زمانے میں جذباتی نعروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ جو لوگ جذباتی نعروں کی بھول بھلیوں میں پھنس کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ کسی قسم کا تغیر و تبدل لا سکتے ہیں، احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔

(دریائی جلوس کے دوران مظاہرین کی طرف اشارہ) آج کی انقلابی دنیا میں خالی اور کھوکھلے نعروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

انھوں نے کشمیری لیڈروں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"میں جب بھی یہاں آیا اور مجھے آپ کی تقریریں سننے کا موقع ملا تو آپ نے اپنی قربانیوں کا تذکرہ کچھ زیادہ ہی کیا۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں آپ قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں۔ دراصل جدوجہد اور قربانی ہی زندگی ہے۔ اگر ہم قربانی نہ دیں۔ جدوجہد نہ کریں تو کیا ہم چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گزاریں۔؟

طاقت کا اصل منبع عوام ہیں اور یہی طاقت جب انقلاب بپا کرنے آتی ہے تو قومیں نئی زندگی پاتی ہیں۔ میں آپ کی نگاہوں اور تابناک چہروں کو دیکھ کر یہ اخذ کرتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ہم سفر ہیں .... ہندوستان کی ریاستیں ہندوستان سے علیحدہ نہیں رہ سکتیں، یہ ہندوستان میں ناممکن بات ہے کہ مسلم راج یا ہندو راج ہو، اس میں جو کوئی راج ہوگا وہ ہندوستانی عوام کا راج ہوگا ہندوستان سے ایک ایک انگریز آفیسر کو نکالا جائے گا اور اُن کی جگہ ہندوستان کے آفیسر لگا دیے جائیں گے مگر اس کا نام آزادی نہیں آزادی یہ ہے کہ ۳۶ کروڑ انسان اپنے اختیارات سے حکومت چلائیں، اس طرح کا قائم شدہ نظام تمام ہندوستانیوں کا وہ جمہوری طرز نظام ہوگا جو جملہ رائے دہی کے تحت عمل میں لایا جائے گا۔"

پنڈت نہرو کے بعد خان عبدالغفار خاں نے تالیوں کی گونج میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"میں دو دن سے کشمیر میں قیام پذیر ہوں، میں نے تمام طبقہ کے لوگوں کو دیکھا، حالات کو دیکھ کر خوش بھی ہوا اور رنج بھی محسوس کیا، رنج اور دکھ اس وجہ سے کہ کشمیر جیسے دلفریب ملک میں مرد، عورتیں اور بچے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے یا عریانی کی حالت میں ننگے سر ہیں۔ وہ غربت اور آلام کے شکار ہیں۔ اور خوشی مجھے آپ کی جدید بیداری سے ہوئی ہے۔ یہ احساس پہلے میں نے

نہیں دیکھا تھا۔ اگر پنڈت جی آپ کے ساتھ ہم وطنی کا رشتہ رکھتے ہیں تو میں آپ کا قریب ترین پڑوسی ہوں۔ مجھے ہندوستان کا مستقبل آپ کا جوش و خروش دیکھ کر روشن نظر آرہا ہے۔ انقلاب آرہا ہے۔ آئے گا اور یہ انقلاب قوموں سے اپنی قیمت وصول کرتا ہے۔ یہ قیمت قربانی ہے۔ جو قوم قیمت دینے کے لیے تیار ہو وہی انقلاب سے مستفید ہوسکتی ہے۔ اگر آپ فائدہ اٹھانے کے خواہاں ہیں تو آپ کو نااتفاقی اور خانہ جنگی بند کرنی چاہیے۔ اگر آپ میں بے غرض، بے لوث اور خدا کی مخلوق کی خدمت کرنے والے نوجوان پیدا ہوگئے تو آپ منزل اور نصب العین تک پہنچ سکتے ہیں۔"

خان عبدالغفار خاں کے بعد مولانا مسعودی کھڑے ہوئے قبل اس کے کہ وہ کچھ کہہ دیتے مسلم سوشل پارٹی کے رضاکار دھڑا دھڑ اسٹیج پر چڑھ کر مائک سنبھالنے لگے۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں نے ان سے مائک چھین لی، اسٹیج پر ایک افراتفری سی پھیل گئی۔ چند جوانوں نے میمورنڈم کی کاپیاں جو ہاتھ سے لکھی گئی تھیں اٹھا کر پھینک دیں۔ میمورنڈم کے ذریعے پنڈت نہرو کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اسٹیج پر ایک ہڑبھونگ مچادی۔

سات نکات پر مشتمل یہ میمورنڈم جوڈوگرہ حکومت کے لیے تھا۔ مسلم سوشلسٹ پارٹی کے جوان اس کی تائید کی آڑ میں پنڈت نہرو کی قوم پرستی کا امتحان لینا چاہتے تھے۔

سات نکاتی پروگرام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) قانون گاؤکشی میں ترمیم کی حمایت۔

(۲) گلینسی کمیشن رپورٹ کی سفارشات پر مکمل عمل درآمد۔

(۳) ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت۔

(۴) سودخوری اور چک داری کا خاتمہ۔

(۵) سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی نمائندگی۔

(۶) انڈر میٹرک مسلم امیدوار کو غیر مسلم میٹرک پاس پر ترجیح۔

(۷) تبدیلی مذہب پر نو مسلم کی جائداد کی ضبطی کا سد باب۔

پنڈت نہرو، خان عبدالغفار خاں اور دوسرے رہنماؤں نے میمورنڈم کی کاپیاں لے لیں

لیکن اس کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا، جلسہ بخیر و خوبی انجام پایا۔

اگلے روز نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے گونی کھن امیراکدل میں مسلم سوشلسٹ پارٹی کے دفتر پر حملہ کرکے اس کا سارا سامان باہر نکال کر اسے دریائے جہلم میں پھینک دیا۔ اس واقعہ کے بعد مسلم سوشلسٹ پارٹی مسلم کانفرنس میں مدغم ہوگئی۔

۲رجون کو پنڈتوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے نہرو نے اختلافات چھوڑ کر شیخ صاحب کے ہاتھ مضبوط کرنے پر زور دیا۔ یہاں ناراض پنڈتوں کے ساتھ مسلم لیگ کے حمائیتوں نے جلسہ گاہ پر ہلہ بول دیا اور پنڈت نہرو کے خلاف نعرے لگائے۔

پنڈت نہرو اور دوسرے رفقاء کو بحفاظت جلسہ گاہ سے نکالا گیا۔ اگلے روز پنڈت جواہر لال نہرو اسلام آباد روانہ ہوگئے۔ مرزا محمد افضل بیگ نے شیر باغ اسلام آباد میں ان کے اعزاز میں پبلک جلسہ کیا، نیشنل کانفرنس کی طرف سے شیر باغ کے اطراف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ مسلم کانفرنس کے حمائیتوں کے ساتھ ساتھ کسان مزدور اور دوسرے لوگ اسلام آباد کی سڑکوں پر مخالفانہ مظاہرہ کر رہے تھے۔

اسلام آباد کے جلسہ اختتام پر پنڈت نہرو مٹن کے لیے روانہ ہوگئے۔ ایک قافلہ کے ساتھ مٹن پہنچے پران کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ مٹن کے جلسے میں انھوں نے فرقہ وارانہ یک جہتی کا درس دیا۔

مٹن میں کافی وقت گزارنے کے بعد آپ پہلگام کے لیے روانہ ہوگئے۔

پنڈت نہرو، خان عبدالغفار خاں، دوسرے کانگریس لیڈروں نے وادی کا دس روز تک دورہ کیا۔

شہریوں کی طرف سے ۵رجون کو معزز مہمانوں کے استقبالیہ جلسہ کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے ان کی بے حد تعریفیں کیں تو انھوں نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

" شیخ محمد عبداللہ نے ذاتی طور پر میری جتنی تعریفیں کیں میں اپنے آپ کو اتنا قابل نہیں سمجھتا ہوں، میں تو ایک انسان ہوں میرا ذکر یہاں مہمان کے طور پر ہوا ہے. حالانکہ مجھے کشمیری ہونے کا فخر حاصل ہے مجھے ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ کے بدلے کشمیر کے لیے قیدی بننا زیادہ پسند ہوگا کشمیر کے ساتھ میری وابستگی ایک حسین عورت کے ساتھ اس کے عشق کی والہانہ کیفیت ہے۔ کشمیر بھارت کا

سر ہے اور سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ جمہور کی رہنمائی کرنے اور کامل تدبر کے ساتھ عوام کو نصب العین کی طرف لے جانے کے تمام اوصاف شیخ صاحب میں موجود ہیں. شیخ صاحب نے مخالفت کے باوجود تحریک کو فرقہ وارانہ راستہ سے نکال کر قوم پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ کشمیر کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ انہیں شیخ عبداللہ جیسا بہادر اور دوراندیش رہنما ملا ہے۔ میں کشمیری پنڈتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے تحفظ کے لیے محدود ذرائع کا سہارا لینا چھوڑ دیں وہ شیخ صاحب کا ہاتھ بٹانے میں پیش پیش رہیں۔"

اس موقعہ پر شیخ صاحب پھر کھڑے ہوئے اور ہاتھ کھڑا کرکے فرمایا۔

"مجھے ذاتی طور پر پنڈت جواہر لال نہرو کی کشمیر کے ساتھ وابستگی نے بہت متاثر کیا اور ہماری گہری دوستی کی بنیاد اسی مشترکہ عشق پر پڑی ہے۔ وقت کی کسوٹی پر ہماری یہ دوستی کھری اترے گی، مسلم لیگ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔"

شیخ صاحب بیٹھ گئے تو خان عبدالغفار خاں نے عوام سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

"...... شیخ عبداللہ کشمیریوں کے لیے ایک خدائی تحفہ ہے اگر آپ اس کی پیروی نہیں کریں گے تو خسارے میں رہیں گے......"

پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ کہنا شیخ صاحب نے مخالفت کے باوجود تحریک کو فرقہ وارانہ راستہ سے نکال کر قوم پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ کشمیر بھارت کا سر ہے اور سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے برصغیر کی تقسیم سے قبل ان دونوں لیڈروں کے کشمیر کے بارے میں کیا خیالات تھے۔

وادی میں پنڈت نہرو اور دیگر کانگریسی رہنماؤں کے دورے کے دوران مختلف تنظیموں کی طرف سے مختلف افواہیں پھیلائی گئیں۔

پنڈت نہرو کے دورے کو نیشنل کانفرنس کی پالیسی اور پروگرام سے تعبیر کرکے یہ نکتہ ابھارا کہ پنڈت نہرو نے قوم پرست لیڈروں کے مطالبہ ذمہ دار نظام حکومت کے حق میں حرف علت تک زبان پر نہ لایا، پروپگنڈے کی اس رَو نے کچھ اس انداز میں پنڈت نہرو کے احساسات و انا کو جھنجھوڑا کہ انہیں بیان دئے اور مطالبہ ذمہ دار نظام حکومت کا مبہم

تذکرہ کیے بنا کوئی چارہ نہ لگا۔

انھوں نے اپنے بیان میں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت اہل ریاست کے لیے نیک فال قرار دی، کشمیری پنڈتوں کو انھوں نے مشورہ دیا کہ وہ تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے بندھنوں کو توڑ کر ملک کے وسیع مفادات کی خاطر نیشنل کانفرنس میں شامل ہو جائیں۔

پنڈت نہرو نے اپنے بیان میں مزید فرمایا۔

"میں کشمیر میں ایک سیاح یا اجنبی کی طرح نہیں بلکہ اس سرزمین کے بیٹے کی حیثیت سے آیا ہوں اور اسی حیثیت سے کشمیر کے مردوں، عورتوں اور بچوں نے میرا پرتپاک اور محبت بھرا خیر مقدم کیا، مدتیں گزریں کہ میں ہندوستان کے کسی مخصوص حصے کو اپنا وطن کہنے کی عادت ترک کر چکا ہوں، میں نے کوشش کی ہے کہ میں تمام ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنا وطن سمجھوں اور اپنی سرگرمیوں کے دائرے کو اس عظیم الشان ملک کے کناروں تک وسعت دوں۔ اس لیے میرا تصور سارے ہندوستان کے گھیرے میں رہتا ہے۔ مگر کشمیر مجھے محبوب ہے کیونکہ اس کے پہاڑوں اور وادیوں کا خون میری رگوں میں جوش مار رہا ہے۔ اور جو شخص بھی اس مسحور کن سرزمین کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے اس کو حق ہے کہ وہ اس تعلق پر جتنا چاہے فخر کرے۔

یہ چند دن جو میں نے کشمیر میں بسر کیے میں نے وادی سے لے کر پہاڑوں اور گلیشیروں کی چوٹیوں تک سیر کی، میری آنکھوں نے کشمیر کی اس محبوبیت کو دیکھا جس سے انسان کے احساسات میں کھلبلی پیدا ہو جاتی ہے اور اس ہوا میں سانس لینے سے جو خون میں جوش اور جسم میں حیات دشبہات کے ولولے زندہ ہوتے ہیں۔ میں یہاں ہر درجہ اور رتبہ کے مردوں اور خواتین سے ملا اور غریبوں سے بھی ملاقات ہوئی، میں نے شہر کے تعلیم یافتہ فلاسفروں سے لے کر گلیشیروں کے آس پاس پہاڑوں کی چوٹیوں پر ریوڑ چرانے والے نیم وحشی گوجروں تک ذاتی رسائی پیدا کی، میں نے یہ بھی دیکھا یہاں کے عوام میں بیداری پیدا ہو گئی ہے اور جہاں حکومت پر جمود اور بے حسی طاری ہے وہاں لوگ جوش اور حرکت میں ہیں۔ یہ حالات پیش خیمہ اور آثار ہیں۔ اس بہتر وقت کے جب کشمیر میں

ذمہ دار نظام حکومت قائم ہوگا اور کشمیر کے قدرتی وسائل اور ممکنات اس کے فرزند کی بہتری کے لیے استعمال میں لائے جا سکیں گے۔ میں ان تمام انجمنوں اور افراد کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کا بدوران قیام کشمیر جن کا مہمان رہنے کا مجھے شرف حاصل رہا۔ شیخ صاحب میں جمہور کی رہنمائی کرنے اور کامل تدبر کے ساتھ عوام کے نصب العین کی طرف لے جانے کے تمام اوصاف جمع ہیں۔ موصوف نے تحریک عامہ کو باوجود مخالفتوں اور دقتوں کے فرقہ وارانہ راستے سے ہٹا کر قوم پرستانہ شاہراہ پر کامیابی سے ڈال دیا ہے اور کشمیر کو آپ نے ہندوستان کی قومی تحریک کا میدان بنا لیا ہے۔ کشمیر کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اس کو شیخ محمد عبداللہ ایسا بہادر، دوراندیش اور مدبر رہنما نصیب ہوا ہے۔

کشمیری پنڈتوں سے میں خصوصی اپیل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ مجھے اُن پر کچھ حق حاصل ہے جیسا کہ اُن کو مجھ پر حاصل ہے۔ کشمیری پنڈتوں کو چاہیے کہ وہ وقت کے اہم واقعات میں بہادرانہ حصہ لیں جو ہماری پرانی دُنیا کو تبدیل کرنے کا موجب بن رہی ہے پرانے طور طریقے بدلتے جا رہے ہیں اور مستقبل میں شان ان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی قابلیت رکھتے ہوں، پرانے سوالات پرانے دلائل اور پرانے اعتراضات آج مر چکے ہیں اور اُن کی کوئی اہمیت حاصل نہیں رہی۔ آیئے ہم سب ان سوالات کو حل کرنے کے لیے ایک متحدہ اور آزاد ہندوستان قائم کرنے کے لیے اور ہندوستان سے دکھ درد اور افلاس کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے دل سے مخاطب ہو جائیں۔"

پنڈت جواہرلال نہرو کا دورہ اختتام پذیر ہوا تو ۱۰ رجون کو انھیں الوداع کہنے کے لیے شیخ عبداللہ، شیام لال صراف اور ڈی۔ پی۔ در جموں تک اُن کے ساتھ گئے۔ جموں میں کانگریس کی جانب سے مہمانوں کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس نکالا گیا۔ پنڈت نہرو اور خان عبدالغفار خاں کو گھوڑوں پر سوار کر کے جموں شہر کی سڑکوں پر گھمایا گیا۔



(بائیں سے دائیں) قاضی عبدالغنی دیلنہ۔ بخشی غلام محمد چودھری غلام عباس۔ شیخ محمد عبداللہ۔ شیخ محمد اکبر۔
مسلم اتحاد کے لیے کام کرنے والے یہ لیڈر اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے آپس میں ٹکرائے۔

نئی دنیا بنانے کو نئے عنصر نہیں آتے
یہی مٹی بدلتی ہے یہی ذرے اُبھرتے ہیں

مسلم کانفرنس کا احیأ نو
نیشنل کانفرنس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ

مسلمانوں کا ایک باشعور طبقہ جو اسلامی تنظیم پاش پاش ہو جانے کی وجہ سے تصویر یاس و اضطراب بنا ہوا تھا اور عوام کی اکثریت بھی بددِل ہو چکی تھی شیخ عبداللہ کی طرف سے غیر مسلموں کی حرکات پر ناراض ہونے سے وہ نئے سرے سے اپنے مستقبل پر غور کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے مسلم کانفرنس کو دوبارہ زندہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو منشی محمد دین فوق کی صدارت میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ارکان کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے احیاء نو کا فیصلہ کیا گیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

کمیٹی نے اتفاق رائے سے نیشنل کانفرنس کو مسترد کر کے مسلم کانفرنس کو زندہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس فیصلے سے چوہدری غلام عباس خان جو نیشنل کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر کے جموں چلا گیا تھا کو مطلع کیا گیا۔

چند روز کے اندر اندر جن اصحاب نے اس تنظیم میں دوبارہ شمولیت کی ان میں ثناء اللہ شمیم، غلام نبی زندہ دل، محمد یوسف صراف، غلام حسن ڈار، محمد علی عبدالرحیم درانی، میر عبدالعزیز، غلام مصطفٰے، پروفیسر اقبال، خورشید حسن، آغا شوکت علی ایم۔ اے صابر، حاجی جلال الدین، سیف الدّین، غلام محمد ابرار شاہ، سرور خان، عبدالغفار گجری، اقبال چاپری، ثناء اللہ ذیلدار، عزیز خان، محمد سلطان تانترے، عبدالغنی بیتھو،

غلام نبی رینٹھو، عبدالعزیز مسگر، غلام قادر زرگر، غلام قادر کار، عبدالسلام یتو، مصطفےٰ اعلیٰ وغیرہ ہیں۔

بقول چوہدری غلام عباس خان اُدھر میں اور میرے ساتھی شرمسار اور پریشان تھے کہ جس قوم کے لیے اتنی جدوجہد کی اس کا کیا انجام ہوگا لیکن قوم کے معاملہ فہم بالغ نظر اور دور اندیش لوگوں نے قومی خطرے کا نشان بلند کر دیا۔ اور عوام نے بھی اپنے مستقبل کی بھیانک تصویر دیکھ کر انگڑائیاں لینی شروع کیں نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ریاست کے طول و عرض میں ایک حرکت پیدا ہوگئی اور مسلم کانفرنس کو ایک نیا جنم دینے کے لیے مسلم کانفرنس کے رہنما سامنے آگئے۔

مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے سرینگر، اسلام آباد، پلوامہ، شوپیان، بجبہارہ، کلگام کے ساتھ بارہمولہ، سوپور، ہندوارہ کپواڑہ، بانڈی پورہ، گاندربل، بڈگام وغیرہ علاقہ کا دورہ کیا، جموں کے ساتھ نوشہرہ، راجوری، پونچھ میرپور، مظفرآباد اور دوسرے علاقہ جات کا دورہ کیا اور مسلم کانفرنس کو نئی زندگی دینے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ مسلم کانفرنس کے رہنما جہاں جہاں جاتے نیشنل کانفرنس کے لیڈران کا پیچھا کرتے اور مسلم کانفرنس کی ساکھ جو دوبارہ اُبھر رہی تھی اسے توڑنے کے لیے اپنے ترکش کے تیر استعمال میں لائے۔

شیخ عبداللہ نے ضلع راجوری کا دورہ کر کے مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری غلام عباس خاں کو چیلنج دیا کہ اگر وہ راجوری کے کسی علاقے میں جا کر اجتماع کر سکتے ہیں تو میں انھیں ایک ہزار روپے انعام دوں گا۔ چوہدری عباس خاں نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور راجوری میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کر کے نیشنل ازم کی تازہ کھڑی دیوار منہدم کر دی۔ راجوری کے لوگوں کی اس حرکت سے نالاں ہو کر جب شیخ صاحب نے دوبارہ وہاں کا دورہ کیا تو انھیں وہاں اسقدر پیٹا گیا کہ انہیں لہولہان ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ شیخ صاحب بھاگتے بھاگتے پونچھ پہنچ گئے تو وہاں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ پونچھ میں ان کی ایسی ذلت ہوئی کہ انہیں اجتماع سے بھاگنا پڑا۔

بقول عباس خاں، شیخ عبداللہ پرائیویٹ اور ذاتی مجبوریوں سے آگاہ تھے اُن کو غالباً یہ یقین تھا کہ میں مسلم کانفرنس کی تنظیم نو کے بارگراں کا متحمل نہ ہو سکوں گا لیکن

مسلم کانفرنس کی احیاء کی وجہ سے ان کو اب جان کے لالے پڑ گئے اور وہ زخم خوردہ چیتے کی طرح جھنجھلا گئے۔

مسلم کانفرنس نئے سرے سے شہر اور دیہات میں سرگرم ہوگئی تو مولوی یوسف شاہ کو تنظیم میں واپس لانے کا فیصلہ کیا گیا۔

قریشی محمد یوسف کی سربراہی میں ایک وفد مولوی محمد یوسف شاہ سے اس سلسلے میں ملاقی ہوا، عبدالسلام دلال کی کوششوں سے نہ صرف مولوی صاحب واپس تنظیم میں آگئے بلکہ انھوں نے مہاراجہ سے وظیفہ کے چھ سو روپے واپس کرنے کا اعلان کیا۔ لوگوں نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔

۱۶ اپریل ۱۹۴۱ء کو بخشی غلام محمد، مولانا محمد سعید مسعودی اور خواجہ غلام محمد صادق کی سربراہی میں "دماگ دیو" کا جلوس نکالا گیا "دراگ دیو" سرخ لباس میں ایک کٹھ پتلی کو پہلے شہر میں گھمایا گیا پھر اسے لال چوک میں نذر آتش کیا گیا۔ دراگ دیو کو جلانے کے دوران نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے انتہا درجے کی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا انھوں نے قابل اعتراض نعرے لگا کر غیر مسلموں کو ناراض کیا۔ نتیجہ کے طور پر ہندو مسلم فساد بپا ہوگیا۔ اس فساد کی آڑ میں بعض مسلمانوں نے علاقہ زینہ کدل اور مہاراج گنج میں چُن چُن کر ان ہندو دوکانداروں کا مال و اسباب کے ساتھ حساب و کتاب کے کھاتے لوٹ لیے جن کے یہ مقروض تھے اور جن سے کشمیری شالوں اور قالینوں کا خام مال اُدھار لیا جاتا تھا۔ ایسے دوکانداروں کا حساب و کتاب لوٹنے میں مسلمانوں کے بعض صاحبِ رسوخ اشخاص اور چند ایک لیڈروں کی شہہ تھی۔

غیر مسلموں نے اس لوٹ کھسوٹ کے خلاف احتجاج کیا تو شیخ عبداللہ نے دو قومی نظریئے کا خول اپنے جسم سے اُتار کر گاؤکدل میں دوران تقریر فرمایا۔

"...... کشمیر جیسے ملک میں جہاں ہندوؤں کو یہ بھی برداشت نہیں کہ مسلمان دریا کے کنارے ایک غسل خانہ تعمیر کریں وہاں نیشنلزم کس کام کا، جو لوگ دریائے جہلم کے کنارے ہمارا ہاتھ منہ دھونا برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے نیشنلزم کا پرچار کس کام کا، یہ لوگ ہمارے ساتھ کیسے مل پائیں گے۔ ہم ان کو اپنے ساتھ کیونکر رکھ سکتے ہیں ان کے بارے میں ہمیں دوسرے طریقے

اختیار کرنے پڑیں گے۔"

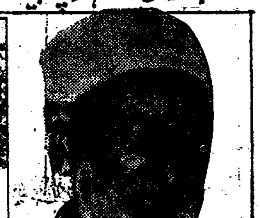
اس طرح کی تقریر کر کے شیخ عبداللہ نے جہاں غیر مسلموں کے لوٹ مار کو اشارتاً حق بجانب قرار دیا۔ وہاں انھوں نے اپنے خیالات اور نظریات کی نفی کر کے سیکولرزم اور سوشلزم کو مسترد کیا، غیر مسلموں کے لیے دوسرے طریقے استعمال کرنے کی دھمکی سے انھوں نے یک طرفہ فیصلہ صادر کر دیا۔

کئی دوکاندار ایک تو لوٹ مار کا شکار ہوئے تھے۔ دوسرا اُن کے کاروبار کے بہی کھاتے ضائع کر دئے گئے تھے۔ بجائے اس کے کہ ان کی دلجوئی کی جاتی انہیں دھمکیاں دے کر چپ کرایا گیا۔ اس طرح نیشنلزم کا خول خود بخود اتر گیا اور وہ کٹر فرقہ پرست بن گئے۔

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی اور اُن کے طرزِ عمل پر پنڈت رہنما ان سے ناراض ہو گئے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کی خوب خبر لی اور اپنے اخبار ہمدرد کے ذریعے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کو ہدف ملامت بنایا۔

یہ وہی پریم ناتھ بزاز تھے جنہوں نے شیخ عبداللہ کو مسلم کانفرنس سے نکال کر نیشنل کانفرنس بنوائی۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کی قصیدہ خوانی میں ان کے لیے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام انہوں نے "کشمیر کا گاندھی" رکھا۔ کشمیر کے گاندھی کا دور دور تک چرچا ہوا تو مہاتما گاندھی کو پوچھنا پڑا یہ تیسرا گاندھی کون ہے؟ اب تک صرف دو گاندھی تھے۔ مہاتما گاندھی اور غفار گاندھی، چنانچہ جب انہیں بتایا گیا یہ کشمیر کا عبداللہ گاندھی ہے تو اُن کو انہیں دیکھنے کا شوق ہوا۔

چنانچہ انہیں لاہور بلایا گیا۔ سرحد سے غفار گاندھی نے آکر انھیں اپنے ساتھ واردھا لیا جہاں مہاتما گاندھی سے کشمیر کے گاندھی کی ملاقات کرائی گئی۔ واردھا کے آشرم میں غفار گاندھی۔ عبداللہ گاندھی نے مہاتما گاندھی کے ساتھ دھارمک تقریب میں مقدس آگ کو ساکشک بنا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اِن کا وفادار رہنے کا وعدہ کیا تھا۔


غفار گاندھی


عبداللہ گاندھی


مہاتما گاندھی

اب جبکہ کشمیر کا گاندھی اپنے اصل روپ میں آگیا تو پریم ناتھ بزاز نے اخبار "ہمدرد" کے ذریعے ان کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا۔

چوہدری غلام عباس خان نے صوبہ جموں اور اس کے ملحقہ علاقوں میں مسلم کانفرنس کو نئے سرے سے منظم کرنا شروع کیا اس مشن پر وہ صوبہ کشمیر کے ساتھیوں سے کئی گنا زیادہ



کامیاب رہا۔ چوہدری صاحب نے ذمہ دار نظامِ حکومت سے زیادہ نظریہ پاکستان کی حمایت کی، اس بارے میں انھوں نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے۔

"ہم نے حکومت کی دکھتی رگ کو پکڑ لیا تھا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئنگر اور اُن کے بعد مہاراجہ کے دوسرے ایجنٹوں نے مسلم کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہا اور شرط پیش کی گئی کہ ہم ریاست میں پاکستان کا نعرہ ترک کر دیں اس کے معاوضہ میں حکومت ہماری ہر بات ماننے کو تیار تھی۔

نیشنل کانفرنس کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء پر اسلامیان ریاست کی جانب سے یہ الزام عاید کیا گیا کہ اُن کی قوم پرست تحریک نے گلینسی کمیشن کی نام نہاد رعایت سے بھی مسلمانوں کو محروم کرا دیا۔

رائے عامہ کے اس جائز دباؤ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی چاہ میں نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے رسم خط، کا ہیجرائی قانون اسلحہ اور سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں میں غیر منصفانہ تقسیم کی پالیسی کے خلاف فیصلہ لینے پر اسمبلی پارٹی کے دس ممبروں کو ہدایت کہ وہ اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔ چنانچہ اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے سے قبل ۱۵ر اپریل ۱۹۴۱ء کو نیشنل کانفرنس سے وابستہ ممبران اسمبلی نے ہائی کمانڈ کی ہدایت پر اپنا اپنا استعفیٰ پارٹی لیڈر میاں احمد یار خاں کے پاس بھیج دیا استعفوں پر غور خوض کے بعد ۲۳ر جون ۱۹۴۱ء کو نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر احمد یار خاں کی وساطت سے وزیر اعظم کے پاس بھیج دئے گئے۔

اس دوران نیشنل کانفرنس کے ایک ممبر محمد خلیل کچلو نے اپنی رائے بدل دی اور


میاں احمد یار خاں

میاں احمد یار خاں سے اپنے استعفےٰ کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس نے ان کا استعفےٰ واپس کرنے کے بجائے وزیر اعظم کے پاس دوسرے استعفوں کے ساتھ یہ نوٹ لکھ کر بھیجا کہ اُسے کانفرنس کے بنیادی ممبرشپ سے بھی الگ کیا گیا ہے۔ اس طرح اسمبلی میں ممبران کے عدم شرکت کے اعلان کے باوجود مولوی مصطفےٰ مسعودی (مولانا محمد سعید مسعودی کے بھائی) نے اس ہدایت کو نظر انداز کر کے اسمبلی سیشن میں شرکت کی، جب ان سے سرکاری حلقوں سے استعفےٰ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اپنے ارادے کی تبدیلی اور نیشنل کانفرنس کی ڈکٹیٹرانہ رویہ کی مذمت کی، انہوں نے انکشاف کیا کسی بھی ممبر نے اپنی ذاتی خواہش سے استعفےٰ نہیں دیا بلکہ ان سے جبراً لیا گیا ہے۔

مولوی مصطفےٰ مسعودی کے بیان پر پارلیمانی کمیٹی کے صدر مرزا افضل بیگ نے کانفرنس کے فیصلے کی خلاف ورزی اور اسمبلی سیشن میں شمولیت کی بنا پر انہیں پارٹی سے برطرف کیا۔

اِن واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے حکومت کے حوصلے بلند ہوئے اور انہوں نے نیشنل کانفرنس کے ممبران پر جوابی وار کر کے انہیں انتشار میں مبتلا کر دیا۔

۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو چیف سیکرٹری کے آفس سے میاں احمد یار خاں کے نام ایک چٹھی جاری کی گئی جس میں انہیں مطلع کیا گیا کہ آپ کا استعفےٰ منظور کر کے اسمبلی کی رکنیت سے دستبردار کیا گیا۔ البتہ باقی سات ارکانِ اسمبلی کا استعفیٰ اس بناء پر رد کیے جاتے ہیں کیونکہ ان پر دستخط دیرینہ ہیں۔

چونکہ حلقہ انتخاب حبہ کدل کی نشست آپ کے مستعفی ہونے سے خالی ہوئی ہے فی الحال جنگ عظیم کے تباہ کن حالات کے پیش نظر اس نشست کا ضمنی انتخاب نہیں ہو سکے گا۔

حکومت کی طرف سے ایک مفصل بیان اس سلسلے میں جاری کیا گیا۔ جس میں ممبران کے بارے میں حکومت کا نقطہ نظر واضح کیا گیا۔

”۲۳ جون ۱۹۴۱ء کو میاں احمد یار خاں کا دستخطی بیان بمعہ ایک استعفےٰ کے جو آنریبل وزیر اعظم کی خدمت میں حسب ذیل ممبران پرجا سبھا نے بھیجا تھا۔ (۱) میاں احمد یار خاں (۲) ملک غلام حسن (۳) سید محمد شاہ جلالی (۴) خواجہ اکبر ڈار (۵) غلام حسن خاں (۶) مولوی مصطفےٰ شاہ مسعودی (۷) محمد خلیل کچلو (۸) غلام نبی وکیل (۹) احمد شاہ شہداد (۱۰) سیف الدین شاہ۔

اگر یہ استعفےٰ ازروئے قانون درست ہوتے تو دستخط کنندگان کی نشست پرجا سبھا میں زیر دفعہ ۲۷ ضمن (۱) ب آئین اساسی خود بخود خالی ہو جاتی اور ایسے حالات میں اگر ضمنی انتخاب عمل میں لایا جائے تو وہ عملاً تقریباً تمام صوبہ کشمیر کا انتخاب ہوتا ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے جن کی بنا پر حضور مہاراجہ بہادر سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ آنجناب اس وسیع پیمانے پر ضمنی انتخابات کے احکام صادر فرماتے .... قواعد کی دفعہ ۲۸ جو اس مقصد کے لیے باوجود مذکورہ نوٹیفکیشن کے ازسر نو قایم کی گئی ہے محض اِن خالی نشستوں پر حاوی ہوتی ہے جو قاعدۃً منظور شدہ استعفوں سے خالی ہو جائیں اور ایسے مواقع پر حاوی نہیں ہوتے جہاں معاملہ زیر بحث کی طرح کوئی نشست محض درست استعفےٰ پیش کرنے سے خود بخود خالی ہو جائے لہٰذا جب تک آئین اساسی کی دفعہ ۸، کے تحت غیر معمولی اختیارات ازسر نو اِس قانونی مشکل کو دور کرنے کے لیے استعمال نہ کیے جائیں تب تک کوئی قانون یا قاعدہ ایسا رائج العمل نہیں جس کے ماتحت موجودہ معاملے میں ضمنی انتخاب کا حکم دیا جا سکے۔ ...... حکومت نے موجودہ صورت میں ان استعفوں کی درستی و باقاعدگی کے سوال کو انتہائی احتیاط سے جانچا، میاں احمد یار خاں نے جو بیان پیش کیا اس کا پہلا فقرہ حسب ذیل ہے۔

اس پارٹی کے ممبروں کے استعفےٰ اسمبلی سے واک اوٹ کے فوراً بعد ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو تیار تھے اور نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری کمیٹی کی خدمت میں مزید ہدایات کے لیے رپورٹ پیش کر دی گئی تھی نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل اور ورکنگ کمیٹی نے کانفرنس پارٹی کے اقدام کی تصدیق کر دی اور تجویز کیا ہے کہ استعفےٰ پیش کر دئے جائیں“۔

یہ عبارت بتاتی ہے کہ جن ممبروں نے ۱۵ اپریل کو استعفوں پر دستخط کیے تھے انھوں نے اس تاریخ کو یا اس کے قریب ترین تاریخ کو یہ استعفے دانستہ پیش کرنے سے اجتناب کیا تھا اور اپنا فیصلہ تین مختلف اداروں یعنی نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری سب کمیٹی ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کے فیصلے پر منحصر رکھا تھا۔ ان اداروں کے اجلاس واضح طور پر پے در پے مختلف اوقات پر منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں نے جب یہ فیصلہ کیا کہ استعفے پیش کر دئے جائیں تو اس آخری فیصلہ کے بعد باستثنائے میاں احمد یار خاں باقی تمام استعفے دہندگان کی نسبت یہ کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے استعفے پیش کرنے سے قبل کوئی ایسی بات کی ہو یا ان سے معلوم کیا گیا ہو، برخلاف اس کے ۲۳ جون کے استعفوں کے ساتھ ایک نوٹ ہے جس میں احمد یار خاں بیان کرتے ہیں کہ ایک ممبر محمد خلیل کچلو کو پارٹی سے علیحدہ کیا گیا ہے باقی احمد یار خاں نے اتنا بھی نہیں لکھا کہ دوسرے دستخط کنندگان نے اس کو استعفے پیش کرنے کا اختیار دیدیا ہے یا نہیں حالانکہ اگر ایسے اختیار دئے بھی ہوتے تو نہ جانے وہ قانوناً قابل تسلیم ہوتے بھی کہ نہیں۔ ان حالات میں مہاراجہ بہادر کی حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ جو استعفے آنریبل وزیر اعظم کے پاس پہنچے ہیں وہ بجز میاں احمد یار خاں کے باقی دستخط کنندگان کے استعفے مستعفی ہونے کا ایک آزمائشی معاہدہ تھا اور مزید ہدایت کے تابع تھے۔ اس لیے ان کی نشستیں خالی ہوگئیں، بنا بریں میاں صاحب کے علاوہ باقی استعفٰی شدہ اصحاب بدستور کشمیر اسمبلی کے ممبر ہیں۔ صوبہ کشمیر کے نو حلقہ ہائے انتخاب میں سے آٹھ کے لیے یہ امر موجب اطمینان ہوگا کہ استعفوں کی جو قانونی جانچ پڑتال کی گئی اس نے اتفاقاً اس حلقہ انتخاب کو اسمبلی کے آئین اجلاس میں نمائندگی سے محروم ہونے سے بچا لیا۔

عبارت بالا کے فقرہ ۲ میں بیان کردہ دلائل کے پیش نظر اس نشست کے لیے بھی ضمنی انتخاب نہیں ہوگا جو میاں احمد یار خاں کے استعفے سے خالی ہوگئی ہے۔

دستخط آر۔ سی۔ کاک

چیف سیکرٹری حکومت۔ جموں وکشمیر

اس سرکلر کے اجراء سے حکومت نے نیشنل کانفرنس کی استعفے کی کاروائی پر جو وار کیا اس سے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ ششدر ہو کر رہ گئی۔ نیشنل کانفرنس کے اسمبلی میں پارٹی لیڈر کو ایک طرح سے شنٹ روٹ کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کے لیے استعفے کی یہ کاروائی بڑی مہنگی ثابت ہوئی جبکہ بعض ممبران جبری طور استعفے حاصل کرنے پر نالاں تھے۔ حکومت نے نیشنل کانفرنس کی جو درگت بنا دی اس سے عام اور خاص لوگوں میں یہ جماعت نکتہ چینی اور ہدف ملامت بن گئی۔

ریاست اور بیرون ریاست میں حکومت کے سرکلر نے آئینی اور قانونی بحث و مباحثہ کی صورت اختیار کر لی۔ قواعد انتخاب کے دفعہ ۲۸ زیر نوٹیفکیشن سی الیف ۱۵ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۳۴ء کے حسب ذیل الفاظ کو خصوصی طور پر زیر بحث لایا گیا۔

"جب کبھی کسی ممبر کی نشست انتخاب کو خلاف قانون قرار دیا جائے یا کسی دوسرے طریقے سے خالی ہو جائے تو حضور مہاراجہ بہادر گورنمنٹ گزٹ میں اعلان شائع فرما کر متعلقہ حلقہ انتخاب کے ووٹروں کو خالی شدہ نشست کے لیے ایسی مدت کے اندر اندر پُر کرنے کی دعوت دیں گے جو نوٹیفکیشن میں مقرر کی گئی ہوگی۔"

نیشنل کانفرنس کی مجلس شوریٰ نے ۹ اور ۱۰ اگست ۱۹۴۱ء کو ایک خصوصی میٹنگ میں یہ قرارداد اتفاق رائے سے پاس کی کہ مستعفی شدہ ممبران سے دوبارہ ایک ہی تاریخ کے دستخط شدہ استعفے حاصل کیے جائیں۔

چنانچہ جب ان ممبران سے استعفے طلب کیے گئے تو کسی نے بھی اس ہدایت پر عمل نہیں کیا اس کے برعکس غلام حسن خان اور ملک غلام حسن نے اس ہدایت کے خلاف سخت احتجاج کیا اور اس قسم کی کاروائی کو ڈکٹیٹرانہ کہا۔

اس طرح تنظیم میں کھلم کھلا بغاوت کا عنصر اُجاگر ہوا۔ نیشنل کانفرنس کی اس اندرونی بغاوت کے اخباروں کے ذریعے چرچے ہوئے تو کانگریس سامنے آگئی اور انہوں نے تنظیم میں انتشار دور کرنے کے لیے مشورے دینے شروع کیے۔

کانگریس کی ہدایت پر شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کی خدمت میں ایک معافی نامہ[1]

[1] یہ معافی نامہ رام چند کاک کی انگریز نژاد بیوی مارگریٹ کے پاس ہے جو رام چند کاک سے بیاہ کرنے سے پہلے یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ کی گورنس تھی۔

پیش کیا جس کے تحت مستعفی شدہ ممبران اپنے اپنے حلقہ انتخاب کی اسمبلی میں باقاعدہ نمائندگی کریں گے۔ حلقہ اسلام آباد اور حلقہ امیرا کدل سے غلام حسن خاں اور ملک غلام حسن کے بجائے مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق نامزد کیے گئے جو مولانا مسعودی کے ساتھ قومی مطالبہ کے دوران اسمبلی کی رُکنیت سے چھ ماہ قید کی پاداش میں خارج ہو گئے تھے۔ اور ان پر پانچ سال تک بحیثیت اُمیدوار کھڑا ہونے کی پابندی لگ گئی تھی۔

ہر دو اصحاب پر پابندی اُٹھائی گئی اس طرح حکومت کی مہربانی سے پارٹی سے باغی عناصر کو نکالنے کا موقع فراہم ہوا۔

نیشنل کانفرنس کی طرف سے حکومت کے ساتھ ساز باز کرنے کا چرچا ہوا تو اخبارات نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

”نیشنل کانفرنس نے اسمبلی کی بقیہ میعاد کے لیے اپنے ممبروں کو خالی نشستوں پر خدمات انجام دینے کا جو فرض سونپا ہے وہ ان مطالبات سے دستبرداری کے مترادف ہے جن کی بناء پر اسمبلی سے استعفے دیئے گئے تھے۔“

ان دلائل سے نیشنل کانفرنس کی گرتی ساکھ بحال نہ ہوئی، البتہ وقت نے خود بخود اس کا مرہم کر دیا۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کو ان کی پالیسی اور پروگرام پر نکتہ چینی کا طومار باندھا اور پیش بندی کے طور پر بزاز نے ”کسان مزدور“ کانفرنس میں شمولیت اختیار کر لی۔

”کسان مزدور“ کانفرنس دیالگام اسلام آباد میں عبدالسلام یتو کی صدارت میں بنائی گئی ایک الگ سیاسی جماعت تھی جو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے ناراض گروپ نے مل کر بنائی تھی۔ یہ کانفرنس برابر ۱۹۴۷ء تک قایم رہی۔

فروری ۱۹۴۱ء کے آخری ہفتہ میں اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا اور اجلاس کے بعد ”کسان مزدور کانفرنس“ کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا اس کی قیادت صدر عبدالسلام یتو اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کر رہے تھے۔ اسلام آباد چوک میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے نیشنل کانفرنس کے رہنما شیخ محمد عبداللہ کے خلاف تقریر کے دوران فرمایا۔

”میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کو اس لیے خراج تحسین ادا کرتا ہوں کیوں کہ ان کی حکومت میں ہم والیٔ ملک پر بھی حرف گیری کر سکتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر کبھی

شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں اقتدار آئے گا تو وہ ان تمام لوگوں کو جو اُن سے اختلاف رائے رکھتے ہیں سانس لینا بھی دو بھر بنائے گا۔ شیخ عبداللہ فرعون مزاج ہے اور اس کی جماعت فاشسٹ ہے۔“

شیخ عبداللہ کے تئیں ایسے ریمارکس پر عوام پریم ناتھ بزاز سے ناراض ہو گئے اور ان کی ایسی درگت بنائی کہ وہ جلسہ گاہ سے بھاگ گئے لیکن شیخ عبداللہ کے بارے میں جو وہ پیش گوئی کر گئے وقت نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔



جناب عبدالسلام یتو — پریم ناتھ بزاز

پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کی تاناشاہی اور ان کے ڈکٹیٹرانہ طرز عمل کے خلاف اخبار ”ہمدرد“ میں ایک مہم چلائی جس کے بدلے میں شیخ صاحب نے انہیں جان سے ختم کرنے کی ٹھان لی۔ ”کسان مزدور کانفرنس“ کی طرز پر چوہدری حمیداللہ جو مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہونے کے بعد الگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے صوبہ جموں کے تمام ناراض مسلم کانفرنس کے ممبران اور صوبہ کشمیر کے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر ”زمیندار گروپ“ کے نام سے ایک الگ پارٹی تشکیل دی۔ اس پارٹی نے کئی اجلاسوں میں نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ پر سنگین نوعیت کے الزامات عائد کیے۔ ایک سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا کہ شیخ عبداللہ نے مسلم کانفرنس جیسی تنظیم کو پاش پاش کرنے کے لیے کانگریس سے معقول معاوضہ وصول کر لیا جموں کا ”زمیندار گروپ“ چند اجلاسوں کے بعد اگست ۱۹۴۱ء میں چوہدری غلام عباس خان کی ہدایت پر مسلم کانفرنس میں مدغم ہو گیا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو مہاراجہ ہری سنگھ مشرق وسطیٰ کے ممالک کا دورہ کر کے واپس سرینگر پہنچے ہوائی اڈے سے شاہی محل تک جگہ جگہ لوگوں نے ان کے اعزاز میں استقبالی محرابیں بنائیں، عوام کی طرف سے ان کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ

نے رائے بہادر رام چند کاک کو چیف سیکرٹری کے عہدے سے ترقی دے کر وزیر حضوری (منسٹر ان ویٹنگ) مقرر کیا جس کا نیشنل کانفرنس نے سواگت کیا اور ایک بیان جاری کیا۔

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر ریاستی اور بوڑھے منسٹروں کے بجائے ریاست جموں و کشمیر کے کسی نوجوان فرزند کا اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا ریاستوں کی حق تلفی کے انسداد کے مترادف ہے اور اس لحاظ سے رام چند کاک جو بہر صورت کشمیر



رام چند کاک

کے فرزندوں میں سے ہے اس عہدے پر فائز ہونے میں ہماری مبارک بادی کے مستحق ہیں۔"

رام چند کاک وزیر بے قلمدان بننے پر مسلم کانفرنس نے جو بیان جاری کیا اس میں اس حقیقت کو دہرایا کہ ہماری ریاست نوے فیصد مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ مسٹر کاک اپنی ملازمت انسپکٹر اور پھر انسپکٹر جنرل کسٹم وایکسائز سے شروع کر کے چیف سیکرٹری جیسے عہدے پر فائز ہونے کے دوران مسلمانوں کے اعتماد کو حاصل کرتے میں ناکام رہا ہے اور اب جبکہ وہ قلمدان وزارت سنبھال رہا ہے۔ اُسے اپنے افعال و اخلاق، حرکات و سکنات سے اسلامیانِ ریاست کو نہ صرف اپنی انصاف پسندی اور غیر متعصب ذہن کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ بلکہ یہ ثبوت بھی پہنچانا ہے کہ وہ بحیثیت کشمیری، کشمیری عوام کے پسماندہ طبقوں کے مسائل کا حل ڈھونڈ کر انسان دوستی کا ثبوت دے گا۔

رام چند کاک کی تقرری پر نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے متضاد بیانات کا کئی دن تک چرچا رہا۔ دونوں پارٹیوں کے بیانات کے مبصرین نے اپنے اپنے رنگ میں تبصرے کیے۔ نیشنل کانفرنس کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی جانے لگی کہ یہ جماعت حکومت اور حکمرانوں کی نکتہ چینی میں بڑی احتیاط برت رہی ہے۔

جن جھروکوں سے تمنا تھی کہ گُل برسیں گے
اُن سے برسے تو چمکتے ہوئے خنجر برسے

نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان ٹکراؤ کا دوسرا دور

مارچ ۱۹۴۲ء کے تیسرے ہفتے میں سر اسٹیفورڈ کرپس (ممبر لارڈ پریوی کونسل) برطانوی جنگی کابینہ کا مرتب کردہ مسودہ لے کر ہندوستان آیا۔ یہاں انہوں نے وائسرائے ہند کی وساطت سے آل انڈیا ہندو مہاسبھا، اکالی پارٹی، لبرل فیڈریشن، نان پارٹی کانفرنس، چیمبر آف پرنسس مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ کرپس کے مرتب کردہ مسودہ پر قائد اعظم محمد علی جناح نے اختلاف کیا۔ ۳۰ مارچ کو یہ مسودہ معلومات عامہ کے لیے مشتہر کیا گیا۔

کرپس کا مشن اپریل ۱۹۴۲ء تک ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کا منبع بنا رہا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈروں سے کئی طویل ملاقاتوں اور بحث و تمحیص کے بعد کرپس نے جو نیا فارمولہ پیش کیا۔ وہ تقسیم ہند سے بالکل مختلف تھا جس کے تحت ہندوستان کی وفاقی حیثیت برقرار رہتی تھی۔ یہ مطالبہ قائد اعظم نے منظور کیا تاکہ برصغیر دو ٹکڑے ہونے سے بچ جائے لیکن بھارتی لیڈروں نے مسٹر کرپس کا یہ فارمولہ نامنظور کیا۔ انہوں نے ہندوستان چھوڑ دو پر زور دیا۔ آزاد ہند میں ریاستوں کے شامل ہونے کے تجدید عہد کے طور پر یہ دن کشمیر میں جشن کے طور پر منایا گیا۔



محمد علی جناح — پنڈت جواہر لال نہرو

اس روز سرینگر کے تمام وارڈوں سے جلوس نکل کر شاہی مسجد میں جمع ہو گئے۔ یہاں سے ایک عظیم الشان جلوس کی صورت میں روانہ ہو کر حضوری باغ میں جلسہ اختتام پذیر ہو گیا۔ یہ جلسہ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق پر مہر تصدیق ثبت کر گیا اس طرح الحاق کے بارے میں جو پہلے ہی خفیہ عہد و پیماں کیا گیا تھا۔ یا اس بارے میں سودا بازی کی گئی تھی۔ منظرِ عام پر آ گئی، حضوری باغ میں دوران تقریر شیخ عبداللہ نے کانگریس کے ساتھ اپنی دائمی وابستگی کا برملا اظہار کیا۔

نیشنل کانفرنس کے اس جشن اور کانگریس کے ساتھ اپنی وابستگی کے اعلان سے مسلم کانفرنس کے رہنما سیخ پا ہو گئے۔ انہوں نے نیشنل کانفرنس کے لیڈروں پر تحریک کے ساتھ غداری کرنے قوم کو بیچنے اور کانگریس کا کٹھ پتلی بننے کا الزام لگایا۔ اس الزام کے جواب میں شیخ صاحب نے مجاہد منزل میں تقریر کے دوران لوگوں سے کہا۔ مولوی یوسف شاہ اور چوہدری عباس کو وعظ کے سوا سیاسی گفتگو سے روکنا چاہیے اگر وہ نہ رکیں تو انہیں میری اجازت سے دریا میں پھینکنا چاہیے۔ عباس خاں کو میری طرف سے کہنا کہ وہ جموں واپس چلے جائیں ورنہ ان کی خیر نہیں۔ شیخ عبداللہ کی اس دھمکی نے مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کو سخت مشتعل کر دیا۔ مولوی یوسف شاہ نے اپنے حامیوں کو کہہ دیا اگر نیشنل والے ہمارے ساتھ زبردستی کریں تو تمہارے بھی ہاتھ ہیں۔ تم ان سے لوہا لے سکتے ہو۔

چوہدری عباس خاں نے لوگوں کو شیخ عبداللہ کی ریشہ دوانیوں سے خبردار کیا۔ انہوں نے اس سازش کی تفصیل بتائی جو سازش کانگریس اور مقامی غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے سلسلے میں کی اور اس کے لیے شیخ عبداللہ کو قیمت دے کر خرید لیا۔



مولوی غلام نبی — مولوی یوسف شاہ

مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی اس لڑائی کا فائدہ اٹھانے کے لیے کانگریس پیش پیش رہی۔

اپریل ۱۹۴۲ء کے اختتام پر

شیخ عبداللہ، مولانا مسعودی اور بخشی غلام محمد کو دہلی طلب کیا گیا۔ یہاں انہیں نیشنل کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کرنے کے لیے کہا گیا۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ صاحب اثر اشخاص کو نیشنل کانفرنس میں شامل کرنے کے لیے اگر رقومات کی بھی ضرورت ہو تو یہ رقومات پارٹی مہیا کر سکتی ہے۔ کچھ بھی ہو مسلم کانفرنس کو پھر پنپنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیے۔

کانگریس کو اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا تھا کشمیر میں مسلم کانفرنس کو بڑے پیمانے پر وسعت دی جا رہی ہے۔ اور اس کے علاوہ شیخ عبداللہ اور ان کے قریبی ساتھیوں کو الگ تھلگ کیا جا رہا ہے۔ کانگریس کے رہنماؤں نے اس بات پر تشویش ظاہر کر کے نہ صرف اس بارے میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو خبردار رہنے کو کہا بلکہ نیشنل کانفرنس کو وسعت دینے کے اقدام اٹھانے پر زور دیا گیا تاکہ بوقتِ ضرورت یہ کانگریس کے کام آ سکیں۔

دہلی سے ان لیڈروں کی واپسی کے بعد شعلہ بیان تقریروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے ساتھ وابستہ مسلمانوں کے دو طبقے آپس میں پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ جگہ جگہ لڑائیاں ہوئیں۔ مکانوں پر پتھراؤ ہوا، دوکانیں لوٹی گئیں، نصف شہر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ مسلم کانفرنس کے پر واقعی کاٹے جانے لگے۔

۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو عید کے موقعہ پر شیخ عبداللہ نے مولوی غلام نبی ہمدانی کو اپنے ساتھ عیدگاہ لیا ان کے ساتھ اور لوگوں کے علاوہ ڈرائیوروں، قصائیوں اور ٹانگہ بانوں کی کئی گاڑیاں بھی تھیں۔ جب انہوں نے عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہ کو عید نماز پڑھانے سے روکا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ شیخ عبداللہ نے بلوائیوں سے کہا۔ آج ہم یوسف شاہی مسلمانوں کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس موقعہ پر نواب خسرو جنگ اور عبدالرحمان آفندی نے دونوں مسلم رہنماؤں کو عیدگاہ میں اسلامی فرائض انجام دینے کے بجائے دنگا فساد کرانے پر سخت ملامت کی لیکن لڑنے والے لڑ ہی پڑے البتہ جس پیمانے پر لڑائی ہونی تھی۔ اس پیمانے پر نہیں ہو سکی پتھراؤ سے دونوں طرف کے لوگ کافی تعداد میں زخمی ہو گئے۔ عید کی تقریب کے بعد نیشنل کانفرنس والوں نے ڈرائیوروں، قصائیوں اور ٹانگہ بانوں کے بل بوتے پر مسلم کانفرنس کے ساتھ مسلم لیگیوں پر دھاوا بول دیا۔ ان ڈرائیوروں اور قصائیوں نے مسلم کانفرنس کے حامیوں کو زدوکوب کیا۔

عیدگاہ کے معرکہ میں مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر اور ان کا خون بہا کر شیخ عبداللہ

نے اپنے سورماؤں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے مولوی یوسف شاہ کو خود غرض فتنہ پرور اور کینہ پرور کہا۔ جس نے کبھی مزائیت کی آڑ میں کبھی داڑھی کا فسانہ چھیڑ کر اور کبھی رفیع الدین کا فتنہ کھڑا کر کے اپنی جماعت کو فساد پر آمادہ کیا اور اُنہیں اکسایا۔ انہوں نے مزید کہا۔

مولوی یوسف شاہ نے چھ سو روپے واپس کر کے اس سے زائد رقم کسی دوسری طاقت سے حاصل کر کے حکومت کشمیر کو چیلنج کیا ہے اور اپنے مجنونانہ بیانات سے وزیر اعظم کو دعوت جنگ دی ہے۔

مولوی یوسف شاہ نے ان تمام مسلمانوں پر کُفر کا الزام لگایا ہے جو اس کے پیرو نہیں نیشنل کانفرنس کا ساتھ دینے والوں کو کافر کہہ کر ان مٹھی بھر جاہلوں کی ٹولی کو رگڑا کہ یہ کافروں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ یہ ہل والے جھنڈے کی آڑ میں بیل کی پوجا کرتے ہیں۔ یوسف شاہ نے نیشنل کو فارسی اور کشمیری کے دو لفظوں "نیش" یعنی بچھو "نل" یعنی ٹانگ کی ہڈی سے تعبیر کر کے کہنا شروع کیا کہ جس طرح بچھو کی خاصیت ڈنک مار کر جاندار کو ہلاک کرنا ہے اسی طرح نیشنل کانفرنس مسلمانوں کی قوت ایمانی کو سلب کر کے انہیں لادین بنانے پر تُلی ہوئی ہے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے حامیوں کو ہدایت دی کہ اِن اشتعال انگریز سرگرمیوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی حفاظت خود کریں، یوسف شاہ جس طرح شریف لوگوں کی پگڑیاں اچھلوا رہا ہے اور پُرامن شہریوں پر سنگباری کروا رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔ قبل اس کے کہ ہم کوئی کاروائی کریں ہم انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں حکومت اپنے فرائض کو کیسے نبھاتی ہے اور مولوی یوسف شاہ کی طرف سے ہمارے خلاف جہاد کی تلقین پر کیا اقدام کرتی ہے۔

کہنے کو تو شیخ صاحب نے انتظار کا درس دے دیا۔ لیکن نیشنل کانفرنسی پہلے ہی لاٹھیاں وغیرہ سنبھالے مورچوں پر لڑ رہے تھے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے جھنڈے، ماٹوز، سائن بورڈ اور پوسٹر وغیرہ اکھاڑ پھینک رہے تھے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے دفاتر پر ہلہ بول کر اینٹ سے اینٹ بجاتے جا رہے تھے۔

مسلم کانفرنس کا نام و نشان مٹانے کی کاروائی میں نیشنل فوج نے جوش جنون میں خواجہ بازار چوک کے ایک مکان سے سبز رنگ کا جھنڈا اتارا جس پر خوبصورت خط میں کلمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ طلا سے منقش کیا ہوا یہ کلمہ شہادت کا پرچم اتار کر نہ صرف ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا بلکہ اس کی دھجیاں گندی نالی میں پھینک کر ایسا شرمناک اخلاق سوز مظاہرہ کیا جس سے مسلمانانِ شہر کی گردن شرم و ندامت سے جھک گئی۔ کئی اطراف سے جب اس قسم کی بدحرکت کی بازپرس کی گئی تو ایسا بھونڈا اور بے ہودہ جواب دیا گیا کہ ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ کہا یہ گیا کہ یہ مسلم کانفرنسی کلمہ شہادت تھا ہمارا نہیں اسی لیے اسے توڑ پھوڑ دیا گیا۔

یوسف شاہی مسلمان کے بعد مسلم کانفرنسی مسلمان نیشنل کانفرنسیوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس لیے ان دونوں کی درگت بنائی گئی۔

فتنہ فساد میں مولوی یوسف شاہ کچھ کم نہ تھے۔ البتہ ان کی پارٹی نیشنل پارٹی کے سامنے ہیچ تھی اس کی وجہ سے وہی زیادہ مار کھاتی رہی۔

مار کھانے کے بعد وہ چوری چھپے اور گھات لگا کر حملہ کرتے تھے۔ ۳۱ اکتوبر کو جامع مسجد کے پاس غلام قادر وانی ایک نیشنل کانفرنسی مُسلم کانفرنسیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا انہیں چارپائی پر لٹا کر ایک جلوس کی صورت میں مجاہد منزل پہنچایا گیا۔ ایک چشم دید گواہ نے جب بتایا قادر وانی کی مارپیٹ میں علی داریل کا ہاتھ ہے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک پلٹن علی داریل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

ٹڈی دل آ کر نیشنل فوج نے ان کا گھر محاصرہ میں لے لیا۔ اس گھر پر پتھراؤ کر کے مسلم اسٹوڈنٹس یونین کا سائن بورڈ اتارنے کو کہا گیا۔ جب ڈرائیوروں اور قصائیوں کے للکارنے پر بھی بورڈ نہیں اتارا گیا اور پتھراؤ کے جواب میں گھر والوں نے کھڑکی سے مٹی کے برتن بلوائیوں پر پھینکنے شروع کیے تو نیشنل فوج نے دروازہ توڑ کر ان پر ایسا دھاوا بول دیا کہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجنے لگی، علی داریل کی جوان بہن سارہ کھڑکی سے کودنے کے لیے مجبور ہو گئی جب مسلم اسٹوڈنٹس یونین کا سائن بورڈ اتار کر سڑک پر توڑ پھوڑ دیا گیا تو نیشنل فوج نے اچھلتے کودتے فتح کا جشن منایا۔ علی داریل کو مارتے پیٹتے گھسیٹتے اپنے ساتھ لے گئے اور تب تک اسے چھوڑا نہیں گیا جب تک اس نے مسلم اسٹوڈنٹس لیگ جس کے وہ سربراہ تھے کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت نیشنل کانفرنس میں شامل نہ ہوئے۔

قادودانی کی آڑ میں لڑائی دُور دُور تک پھیل گئی۔ غنڈہ گردی کا شرمناک اور بدترین مظاہرہ کیا گیا، عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ کئی کنواریوں کی عزت لوٹی گئی۔ ملک آنگن، مہاراج گنج، زینہ کدل، بدھ گیر۔ نوا کدل، راجوری کدل، گرکڑی محلہ، وازہ پورہ، نوہٹہ، خانیار، گندر پورہ اور دوسرے کئی محلے جب اس فساد کی زد میں آ گئے۔ تو حکومت نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے دونوں پارٹیوں کے کئی افراد گرفتار کر لیے۔ طرفین کے زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا گیا۔

اِن فسادات میں نیشنل فوج مسلم کانفرنسیوں پر حاوی ہو گئی تو اس کمزوری کی آڑ میں مولوی یوسف شاہ پر حضرت بل کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت بل کا دروازہ بند کرنے سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل شیخ محمد عبداللہ نے غلام محمد بانڈے اور نورالدین بانڈے کے لیے مرزائیوں سے معاوضہ جس کا نام وظیفہ رکھ دیا گیا۔ اِن کے نام ندوۃ العلمائے لکھنو سے بذریعہ مولوی عبدالقدوس جاری کروایا تھا تاکہ بوقت ضرورت بانڈے حضرات ان کے کام آ سکیں۔

چوہدری غلام عباس خاں کے بیان کے مطابق۔

"مولوی یوسف شاہ کو حضرت بل سے دُور رکھنے کے لیے کانگریس کے اشارے پر گوپالا سوامی آئینگر نے شیخ عبداللہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھائے اور متعصب وزیراعظم کی حیثیت سے مسلمانوں کی حیات ملی اور شیرازہ بندی پر شب خون مارے، مسلم کانفرنسیوں کے رہنماؤں پر ایسے ستم توڑ ڈالے گئے جن کا کوئی حساب نہیں۔

حضرت بل جو کشمیر کے مسلمانوں کے اجتماعات کا سب سے بڑا مرکز ہے صدیوں سے میر واعظ کے خاندان کی تحویل میں تھا اور میر واعظ خاندان سے اس مرکز کو چھڑانے کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے آئینگر کی خدمات حاصل کر لیں۔ چنانچہ ایک وعظ کے دوران نیشنل کانفرنس کے ورکروں اور حمائیتیوں نے میر واعظ اور ان کی جماعت پر ایسا حملہ کیا کہ آئینگر نے مداخلت کر کے قانون اور آئین کے تمام قیود توڑ کر میر واعظ پر دوبارہ یہاں آنے کی ممانعت کرا دی۔

آئینگر کے دور حکمرانی میں نیشنل کانفرنس کے بغیر اور کوئی پارٹی آسانی سے نہ جلسہ کر سکتی اور نہ کہیں تقریر کر سکتی، حکومت کی جانب سے نیشنل کانفرنس کا خوب ڈنڈورا

پیٹا جا رہا تھا۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے ساتھ برتاؤ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ ہری سنگھ زیادہ مسلم کش انسان تھا یا آئینگر یا ان دونوں سے بڑھ کر شیخ عبداللہ......، بہت مشکل بات تھی۔"

۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو عرس چار یارؓ کے سلسلے میں مولوی یوسف شاہ کو حضرت بل آنے سے روکنے اور وہاں آنے پر انھیں بے رنگ واپس کر دینے کے لیے نیشنل کانفرنس کے حامی لاریوں، ٹانگوں اور کشتیوں میں سوار ہو کر آثار شریف حضرت بل آئے نیشنل فوج کو دیکھ کر عبدالرحیم بانڈے نے فساد کے پیش نظر مولوی یوسف شاہ کے لیے حضرت بل آنا ممنوع قرار دیا۔ حضرت بل آستانہ پر قبضہ کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنے حامیوں کے ہمراہ آستانہ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ واقع خانیار کا رخ کیا۔ آستانہ عالیہ پر قبضہ کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کا جلوس جو مجاہد منزل سے نکل کر خانیار کی طرف جا رہا تھا اس کے آگے آگے واتھور کے بھانڈ تھے۔ جو ڈھولک اور سُرنائی بجا کر لوگوں کو گرما رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں کی ٹولی بندروں جیسی حرکات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں کی اس حرکتِ نازیبا کی سنجیدہ لوگوں نے سخت نوٹس لی۔

نیشنل کانفرنس کی اس حرکتِ نازیبا کا توڑ کرنے کے لیے مسلم کانفرنس نے عیدمیلادالنبیؐ کے موقع پر ایک عظیم الشان جلوس کا انعقاد کیا۔ جلوس جامع مسجد سے نکلا اس کی قیادت سید میرک شاہ، مولوی نورالدین اور مولوی محمد امین کر رہے تھے۔ اس جلوس میں کافی تعداد میں شیعوں نے بھی شرکت کی، کلاشپورہ میں اگرچہ اس جلوس پر پتھراؤ ہوا لیکن جلوس منتشر نہ ہو سکا۔

مسلم کانفرنس کے اس جلوس کے جواب میں ۲۴ مارچ کو نیشنل کانفرنس نے جلوس نکالنے کا فیصلہ کر لیا، تمام اطراف سے لوگ خانقاہ معلی آ کر جمع ہو گئے۔ یہاں گھوڑ سواروں اور سائیکل سواروں کے پیچھے پیچھے بینڈ باجہ اور پھر پیدل چلنے والوں کا ایک جم غفیر تھا جو نعرے لگاتے ہوئے اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔

جلوس شہر کے کئی بازاروں میں گھوم پھر کر واپس خانقاہ معلی آ گیا۔

شیخ عبداللہ نے لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

"جلوس جو آج نکالا گیا یہ عیدمیلادالنبیؐ کے سلسلے میں نہ تھا جیسا کہ تمھیں کہا گیا تھا۔

دراصل یہ مولوی یوسف شاہ کے مکر و فریب کا جواب تھا۔ یہ مسلم کانفرنس کی کمر توڑنے کے لیے تھا۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں یہ کنجروں اور سرمایہ داروں کی جائے پناہ ہے۔"

۸ر اپریل ۱۹۴۳ء کو مسلم کانفرنس نے مسجد خیر الزماں کے احاطہ میں جلسہ رکھا، اسی روز پاس ہی نیشنل کانفرنس نے تقریر کرنے کا اسٹیج بنایا، مسلم کانفرنس کی طرف سے مولوی غلام نبی مسجد کے احاطے میں مسلم کانفرنس کا جھنڈا لہرانے کی تقریب منانے کا اعلان کر رہا تھا، اُدھر نیشنل کانفرنس کی طرف سے جلسہ میں شریک ہونے کے لیے مسلہ غلہ دار منادی کر رہا تھا۔ دونوں پارٹیوں کے پروپیگنڈا ایجنٹ ٹانگوں پر بیٹھ کر شہر میں گھوم رہے تھے۔ مسلم کانفرس کے ایجنٹ اعلان کر رہے تھے۔ آج شاہی مسجد میں مسلم کانفرنس کا پرچم لہرایا جائے گا۔ لہٰذا تمام مسلمان اس تقریب میں شرکت کرنے تشریف لے آئیں۔ اس کے جواب میں نیشنل کانفرنس کے ڈنڈورچی اسی ٹانگے کے پیچھے پیچھے اپنا ٹانگہ دوڑا کر پکارتے جا رہے تھے۔

"یہاں مسلم کانفرنس کا کوئی پرچم گاڑا نہیں جائے گا۔ اگر اسے گاڑا گیا تو اسے توڑا جائے گا۔ مسلمان اس کار خیر میں شریک ہو جائیں۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جونہی مسجد کے احاطہ میں مسلم کانفرنس کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کی گئی اسی وقت لاری اڈے کے ڈرائیوروں اور قصائیوں کا ایک ہجوم جلسہ گاہ پر ٹوٹ پڑا، ایک زبردست کھلبلی مچ گئی، کئی لوگ زخمی ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے شہر میں تناؤ پیدا ہو گیا۔

۱۳ر اگست کو مسلم کانفرنس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا چوہدری غلام عباس خان کو مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کی طرز پر مسلم کانفرنس نے اس جلسے کو منانے کی پوری تیاریاں کی تھیں۔ باہر سے سرکردہ اشخاص کی خاصی تعداد آئی ہوئی تھی نواب بہادر جنگ اُن کی بیگم مہمان خصوصی کے طور پر اس جلسے میں شرکت کے لیے آئی تھی لیکن گوپالا سوامی آئینگر نے دیگر مہمانوں کے ساتھ دونوں کو شامل جلسہ ہونے کی اجازت نہیں دی۔ وزیر اعظم نے جلسہ تین دنوں تک کرنے کے بجائے صرف ایک دن کی اجازت دی تھی لیکن پہلے ہی دن ان

کی بھرپور حمایت سے نیشنل کانفرنس کی فوج نے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ مسلم کانفرسیوں کو مار بھگایا اور تمام خیمے اکھاڑ دیئے۔

اس بیہمانہ حرکت پر چوہدری غلام عباس خاں نے وزیر اعظم آئینگر کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجدیا اور محمد علی جناح کو بھی ڈوگرہ حکومت کی اس حرکت سے مطلع کیا مسلم کانفرسیوں کے خیمے اکھڑنے پر نیشنل کانفرنس نے جشن فتح منایا اور سڑکوں پر آکر وزیر اعظم آئینگر زندہ باد کے نعرے لگائے۔

اتفاق کی بات ہے گوپالاسوامی آئینگر نے جب سے وزیر اعظمی کا عہدہ سنبھالا تھا تب سے عوام کی طرف سے ان کے نام کے ساتھ صرف مردہ باد جڑا ہوا تھا پہلی بار جب انہیں زندہ باد سننے کو ملا تو وہ واقعی حیران ہو گئے اور شاید ان لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے لگے جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ایسی ذلیل حرکت کر رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے تہیہ کر لیا کہ مولوی یوسف شاہ کی قیادت کو کمزور کرنے کے لیے لازم ہے کہ اس کے حامیوں کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا جائے کہ وہ مجبوراً اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں میر واعظ پارٹی کے ہراول دستہ یعنی آشپازوں کی ہمدردیاں منقطع کرنے انھیں احساس کمتری کا شکار بنانے، ہراساں کرنے اور اقتصادی بحران سے انہیں دوچار کرانے کے لیے انہوں نے اپنے حمائتیوں کے نام ہدایت جاری کی جس میں یہ واضح کیا گیا کہ شادی، غمی یا دوسری تقریبات میں کسی بھی آشپاز کو اُس وقت تک اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے ہاں کام کرنے نہ دیا جائے جب تک کہ وہ نیشنل کانفرنس کے صدر دفتر سے جاری کردہ وفاداری کی تصدیق شدہ سند حاصل نہ کرے۔ اور اُس جگہ جہاں وہ وازہ وان پکا رہا ہو نمایاں جگہ پر بطور سند لٹکا کر اس کی نمائش نہ کرے، حکم عدولی کے خلاف حفاظت خودی کے نام پر کارروائی کی جائے۔ جن میں ان کا سارا اثاثہ دتا نبے کے وہ برتن جن میں وازہ وان پکایا جاتا ہے۔) چھینے اور مار کٹائی وغیرہ شامل ہے۔ اس عمل نے آشپازوں کو کئی تشدد آمیز واقعات سے دوچار کیا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوئے ان کی اقتصادی حالت کمزور ہو گئی ان واقعات کی روک تھام کے لیے انہوں نے حکومت سے رجوع کیا لیکن وہاں آئینگر نیشنل کانفرنس کا طرفدار تھا۔ اس لیے انہیں مایوسی کے

سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا، آخر لاچار ہو کر وہ مجاہد منزل سے عطیہ دے کر وفاداری کی سند حاصل کرنے لگے۔ ان سند ناموں پر سائل کا فوٹو مولانا محمد سعید مسعودی کے تصدیقی دستخطوں سے چسپاں ہوتا تھا اور نیچے حسب ذیل عبارت درج ہوتی تھی۔

معززین محلہ کے یقین دلانے پر اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ
مسمی ولد کا چال چلن اچھا ہے
اور اس نے لوٹ مار اور دنگہ فساد میں حصہ نہیں لیا ہے اس لیے
خدمات لینے میں کوئی خطرہ نہیں۔

بقلم خود محمد سعید مسعودی



سیکرٹری مجلس انتظامیہ اوقاف اسلامیہ

نیشنل کانفرنسی اخبارات میں آتش بازوں کے علاوہ اُن لوگوں کے ناموں کی بھی خوب تشہیر کی جانے لگی جنہوں نے دہشت گردی، غنڈہ گردی اور مار کٹائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے جان و مال کی امان کی خاطر مسلم کانفرنس سے قطع تعلق کا اعلان کیا۔

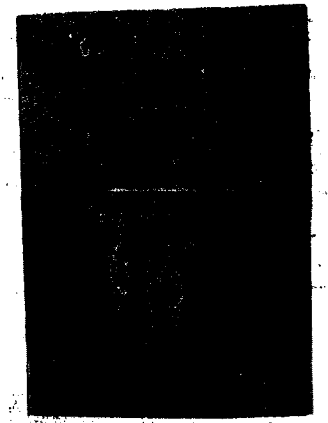
مسلم کانفرنس کے جنم سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جب ہم سیاسی عینک لگا کر گردو پیش کو دیکھتے ہیں تو صاف طور پر دکھائی دیتا ہے شیخ عبداللہ نے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس پر کانگریس کو ترجیح دی، کانگریس کی دوستی کے لیے انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ دشمنی کی، نیشنل کانفرنس کی فوج جس میں ڈرائیور، قصائی ٹانگہ بان اور پھیری والے شامل تھے ان کے ہاتھوں مسلم کانفرنس کی جو دُرگت بنائی گئی اور بار بار اُن کے اجتماع منتشر کر کے اس تنظیم کے پرچم کے ساتھ خدا واسطے کا بیر رکھا گیا۔ اس پر غور کر کے دیکھا جائے تو بھارت کے اندر کٹر ہندو فرقہ پرستوں نے بھی مسلم لیگیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا۔ ریاست کے اندر نیشنل کانفرنس کے والنٹیر مسلم کانفرنسیوں کے ساتھ جو برتاؤ کر رہے

تھے اس کی مثال صرف چنگیزی دور میں ملتی ہے۔

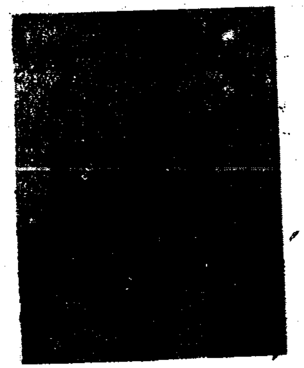
ٹھیک ہے شیخ صاحب کے لیے کانگریس نجات کا واحد راستہ تھا۔ کانگریس میں اُن کے خوابوں کی تعبیر مضمر تھی، کانگریس کی تحویل میں انہیں اپنا اور اپنی قوم کا مستقبل روشن دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے اس اعتقاد پر وہ ایمان کی حد تک بھروسہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن اپنے خیالات اور نظریات کو وہ دوسروں پر جس طرح ٹھونس رہا تھا ان کا یہ طریقہ کسی بھی صورت میں مناسب نہ تھا۔ وادی بھر میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کو دبانے اور اُن کے اُڑنے کے پر کترنے میں قصائیوں اور ڈرائیوروں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔



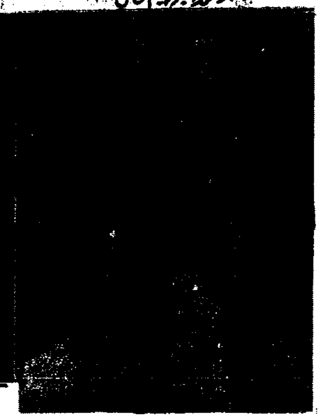
شیخ صاحب، پنڈت نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد



سردار محمد ابراہیم خان



کے ایچ خورشید



سردار محمد عبدالقیوم خان

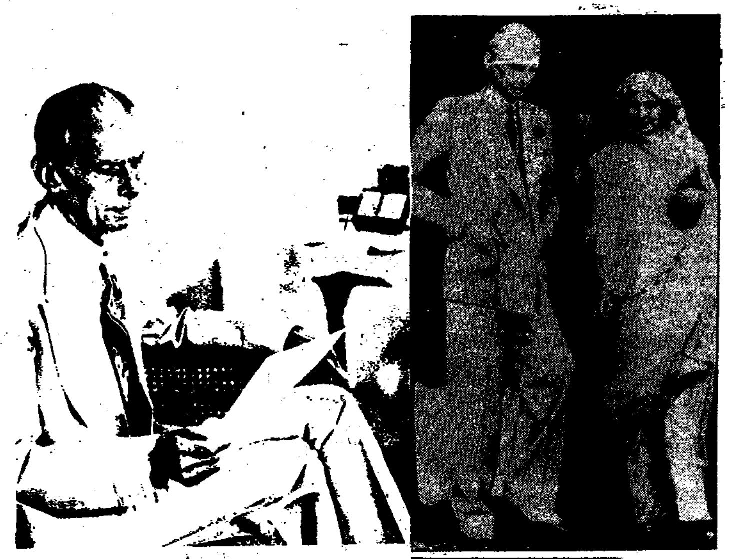


سردار سکندر حیات خان

تحریک حریت کے جانباز سپاہی
ریاست جموں وکشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانے کے دعویدار



قائداعظم قائداعظم محمد علی جناح



(۱) قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی بہن فاطمہ جناح (۲) محمد علی جناح پاکستان کا لائحہ عمل مرتب کر کے اسے بغور دیکھ رہے ہیں۔

قسمت کی گردش نے مجھ سے چھین لی میری زندہ دلی
ورنہ میرے قریب آتے تھے اپنا دل بہلاتے لوگ

قائداعظم محمد علی جناح کا کشمیر میں استقبال اور مظاہرہ

کشمیر میں پورے دس سال کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ۱۹۳۶ء میں جب آئے یہاں کا سیاسی نہیں بلکہ سیاحتی دورہ تھا۔ کشمیر میں قیام کے دوران انہوں نے یہاں "مہر علی بنام حنیفہ بیگم" عنوان کے ایک مشہور مقدمہ میں وکالت کی جس ں مرزا افضل بیگ نے بحیثیت جونیئر وکیل کے ان کے ساتھ کام کیا، یہاں انہیں مسلم کانفرنس کی طرف سے عید میلاد النبی صلعم کی تقریب سعید پر کشمیر کے مسلمانوں سے طاب کرنے کی دعوت دی گئی۔

۳؍جون ۱۹۳۶ء کو جب آپ پتھر مسجد تشریف لائے تو یہاں اُن کا پرتپاک استقبال کیا گیا مسلم کانفرنس کی طرف سے چوہدری غلام عباس خاں نے معزز مہمانوں کی خدمت ں سپاسنامہ پیش کیا۔

"مسلمانوں کے محبوب رہنما! وادی کشمیر کے مسلمان آج بجاطور پر فخر کر رہے ہیں کہ آزادی وطن کا مشعل بردار اور مسلمانوں کا سچا خیرخواہ ہمیں ملاقات کا شرف بخشنے آیا ہے۔ یہ مبارک دن ہماری تاریخ میں یاد رہے گا کہ اسلام کا ایک سچا فرزند اور اپنے ہم مذہبوں کا سچا خیرخواہ اپنے قیمتی لمحات سے فرصت نکال کر یہاں آیا ہے۔

آزادیِ وطن کے علمبردار! ہمیں علم ہے کہ سیاسی اختلافات نے ہمیں اس وقت ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ مگر ہم نے ہمیشہ آپ کی مساعی جمیلہ

کو جو آپ نے اسمبلی میں اور اس سے باہر کی ہیں بنظر استحسان دیکھا، نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کبھی باطل سے نہیں دبے اور مخالفوں سے نہیں ڈرے اور ہمیشہ اپنے مقصد زندگی کے حصول میں کوشاں رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب مسلمانوں کی موجودہ جنگ آزادی کی تاریخ لکھی جائے گی تو ہمارا سر ہمیشہ آپ ایسے فرزندان اسلام کے کارناموں سے فخر و افتخار سے اونچا رہے گا۔ آپ کے ایثار اور قربانیوں نے مشعل راہ بن کر ہماری رہنمائی کی ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب کہ مسلمان مدبرین کے تدبر کا امتحان ہوگا اور جب ذرا سی غلطی بہت بڑے ملی نقصان کی باعث ہوگی، لیکن ہم اس آنے والے وقت سے ہراساں نہیں بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی خدا داد قابلیت اور تدبر سے ملت کی کشتی کی صحیح ناخدائی کر سکیں گے۔

نوجوانوں کے رہنما! مسلم نوجوان ہمیشہ آپ کے سپاس گزار رہیں گے کیونکہ انہیں آپ نے قومیت کے مسلے عملی طور پر سمجھائے ہیں اور انہیں اپنی موجودہ پست حالات کا احساس کرا دیا ہے۔ مسلم نوجوانوں میں بیداری کا احساس یقیناً آپ کی ان تھک کوششوں سے پیدا ہوا ہے۔

اسلام کے سچے فرزند! ہم اس مختصر سپاسنامے میں آپ کی ملی و قومی خدمات شمار کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے سر فرط عقیدت سے جھکے رہیں گے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق، سنجیدہ مزاجی، اسلام کی محبت، آزادی کی تڑپ اور ہندو مسلم اتحاد کی خواہش نے ہمارے دل میں گھر کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے آپ کو اسلام اور ہندوستان کی خدمت کے لیے زندہ رکھے۔ آمین!

اس سپاسنامہ کے جواب میں قائداعظم نے تالیوں کے گونج میں فرمایا۔

"صدر محترم! چوہدری غلام عباس! ممبران کانفرنس و حاضرین۔

مجھے اس امر کا لطیف اور متشکرانہ احساس ہے کہ مسلمانان جموں و کشمیر کی طرف سے جن کے لیے میں نے کوئی خدمت انجام نہیں دی اس قدر شاندار الفاظ میں مجھے ایڈریس دیا گیا ہے۔ آپ نے الفاظ کی حدود سے بڑھ کر میری تعریف کی ہے۔ درحقیقت آپ نے میرے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے نصف کا بھی حقدار

نہیں میں اس جذبۂ محبت اور تکریم کے لیے جو آپ نے میرے تئیں ظاہر کیا ہے اور اس زبان کی جو آپ نے اپنے ایڈریس میں استعمال کی ہے قدر کرتا ہوں میں یہاں بطور ایک سیاح کے آیا ہوں آپ کی خوشنما اور دلفریب وادی میں جس سے مجھے ازحد دلچسپی ہے۔ میں ایک طائر کوہ نورد کی حیثیت سے آیا ہوں یہ وادی پھولوں پھلوں دریاؤں اور پہاڑوں کی سرزمین اس قدر لاثانی ہے کہ کوئی اور قوم اور ملک اور کوئی دوسری جگہ اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

معزز حاضرین! دس سال پیشتر میں یہاں آیا تھا اور آج مجھے یہ دیکھ کر حد سے زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہے کہ اس عرصہ میں جموں و کشمیر کے شہریوں میں بیداری پیدا ہوئی ہے قدرتی طور پر وہ شخص جو ہمیشہ قوم کی آزادی کے لیے کمربستہ رہا ہو اور ہمیشہ رہے گا آپ کی اس تحریک کو بنظر استحسان دیکھے گا اور ہمیشہ عوام کے اس حق کی حمایت کرے گا۔ وہ اپنے معاملات پر خود نگرانی کریں میں آپ کی تحریک سے دلی ہمدردی اور احترام ظاہر کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں بیان کیا ہے کہ میں ہمیشہ آزادی کے لیے کمربستہ رہا ہوں میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کے لیے آپ کی جدوجہد اور برٹش انڈیا میں میرے معاملات کے ساتھ اپنی ہمدردی اور نیک خواہشات ظاہر کریں۔ یقیناً آپ ایسا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی ہے جو اپنے معاملات پر خود نگرانی کرنے کا حق حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں مجھے ہندو مسلم اتحاد کا دلدادہ ظاہر کیا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایجاد میرے لیے صرف لفظی اور مبہم بیان تک محدود نہیں۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کہتا ہوں کہ اس کے لیے میں نے سال ہا سال کام کیا ہے اور کرتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بغیر اس اتحاد کے برطانوی ہندوستان کے باشندوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی کوئی امید نہیں۔ میں آپ کے یہاں کے مسائل سے واقف نہیں اس لیے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کروں گا لیکن ایک بات میں آپ سے اور آپ

کے رہنماؤں سے ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اقلیتوں یعنی ریاست کے ہندوؤں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ وہ ریاست میں انصاف اور مساوات حاصل کریں گے۔ یہ احساس دلانا اکثریت کا فرض ہے۔ میں نے یہ اصول برطانوی ہندوستان میں برتنا لیکن میں چند ایک لیڈروں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب نہ ہو سکا، جب تک اس اصول کو نہ اپنایا جائے آزادی کی کوئی امید نہیں۔ میں کہوں گا کہ اقلیتوں کو یہ احساس دلائے بغیر کہ اکثریت کی طرف سے مساوات کا سلوک کیا جائے گا آپ کی سیاسیات کے راستے سے کانٹے دور نہ ہوں گے۔ میں ایک بار پھر آپ کا، کانفرنس کا اور ان اصحاب کا جو یہاں موجود ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں۔" (کشمکش)

قائداعظم کی اس تقریر جس میں انہوں نے اکثریت پر اقلیت کے لیے ان کے فرائض واضح کر دئے۔ اس سے یہاں کی اقلیت یعنی غیر مسلم ان کے بارے میں صاف ہونے کے بجائے ناصاف ہی رہے۔ انہوں نے مسلم کانفرنس کی طرف سے ان کا استقبال اور ان کی تئیں خراج عقیدت ادا کرنے کی کاروائی پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ملاقات کے دوران جب مسلم کانفرنس کی اس کاروائی پر اپنی ناراضگی ظاہر کی اور انہیں کانگریس کے رہنما پنڈت نہرو کے ساتھ ان کے کیے گئے وعدے یاد دلائے تو شیخ صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے شیخ صاحب نے پریم ناتھ بزاز کا مشورہ طلب کیا۔

دونوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک مشترکہ خط لکھ کر قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال اور سپاسنامے کی پاداش میں کیے گئے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔

مسلم لیگ کے نامور پنجابی لیڈر نواب ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ اور راجہ غضنفر علی خاں اکتوبر ۱۹۴۳ء میں سیر و تفریح کی غرض سے سرینگر تشریف لائے یہاں انہوں نے شیخ عبداللہ کے علاوہ مولانا مسعودی، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے ساتھ کئی خفیہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں شیخ عبداللہ کو قائداعظم کے ساتھ ملاقات کے لیے آمادہ کیا گیا۔ شیخ صاحب نے ملاقات کی راہ ہموار کرانے کی غرض



دائیں سے بائیں:- (۱) خواجہ غلام محمد صادق (۲) محمد سعید مسعودی (۳) شیخ محمد عبداللہ (۴) بخشی غلام محمد

سے مولانا مسعودی اور خواجہ غلام محمد صادق کو لاہور روانہ کیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق نواب ممدوٹ لاہور سے ان کے ساتھ دہلی جائیں گے جہاں ان دنوں قائداعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں کے ہاں قیام پذیر تھے۔

لاہور میں خواجہ غلام محمد صادق کی طبیعت خراب ہو گئی چنانچہ ڈاکٹر نے انہیں ایک ہفتہ تک مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ لاچار ہو کر مولانا مسعودی کو صادق صاحب کو لاہور ہی میں چھوڑ کر دہلی جانا پڑا۔ جہاں انہوں نے قائداعظم کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی، محمد علی جناح نے مولانا کو پیش کش کی کہ اگر شیخ عبداللہ مجھ سے بمبئی میں آکر ملنا چاہتے ہیں تو میں اُن کے لیے وقت نکال سکتا ہوں۔

مولانا مسعودی نے سنٹرل اسمبلی کے اگلے اجلاس تک اس ملاقات کو ملتوی رکھنے کی خواہش ظاہر کی جو فروری ۱۹۴۴ء کو دہلی میں ہو رہا تھا۔ البتہ مولانا صاحب نے قائداعظم کو کشمیر آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

۱۸ فروری کو شیخ عبداللہ اور بخشی غلام محمد نے دہلی میں محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انھیں کشمیر آنے کی دعوت دی، جناح صاحب نے دعوت تو قبول کر لی لیکن شیخ صاحب سے اس بات کا شکوہ کیا کہ آپ نے نیشنلزم کا جامہ اوڑھ کر مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچایا۔ اس موقع پر شیخ صاحب نے ان سے کہا۔

"نیشنل کانفرنس کا نیشنلزم محض ہندوؤں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔
ورنہ میں اور میری پارٹی قومیت پرستی کی حامی نہیں۔"

ایسا سن کر جناح صاحب نے شیخ صاحب کو ٹوکا اور فرمایا۔

"یہ اقلیتوں کو صریحاً دھوکہ دینے والی بات ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔"

ایسا سُن کر شیخ صاحب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ (کشمکش)

شیخ صاحب اور بخشی صاحب رخصت ہوئے تو نواب زادہ لیاقت علی خاں نے چوہدری غلام عباس خاں کو دہلی طلب کیا، جہاں انہیں شیخ عبداللہ کے ساتھ ہوئی بات چیت پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

۸ مئی ۱۹۴۴ء کو قائد اعظم محمد علی جناح بحیثیت صدر مسلم لیگ ریاست کی حدود میں سوچیت گڑھ کی سرحد پار کر کے داخل ہوئے جہاں اُن کا عوام نے والہانہ استقبال کیا، ان کے اعزاز میں سپاسنامہ بھی پیش کیا گیا۔

پروگرام کے مطابق جناح صاحب ۹ مئی کو سرینگر پہنچ رہے تھے۔ مگر راستے میں جا بجا ہزاروں لوگوں کے استقبالی جلسوں کی وجہ سے انہیں رات بانہال میں گزارنا پڑی۔ ۱۰ مئی کو بانہال سے سرینگر روانہ ہوئے قاضی گنڈ میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس نے استقبال کا الگ الگ انتظام کر رکھا تھا۔ ایک دوسرے کے حامیوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے تشدد آمیز حملے بھی کیے جس کی پاداش میں میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور میرک شاہ صاحب اندرابی پر نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے پتھراؤ کیا جس سے اُن کی موٹر کو نقصان پہنچا۔ بخشی صاحب کی بروقت مداخلت سے حادثے کو بڑھنے سے روکا گیا۔ انہوں نے مولوی صاحبان کو اپنی موٹر میں بٹھا کر یہاں سے نکال لے لیا۔

کھنہ بل کے استقبالی جلسوں میں لوگوں کا شکریہ ادا کر کے محمد علی جناح اور

ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نے ڈاک بنگلہ میں مرزا افضل بیگ، بخشی غلام محمد، چوہدری غلام عباس خاں اور غلام محمد وانی ایڈووکیٹ کے ساتھ چائے نوش کی۔ یہاں استقبالی ہجوم بے قابو ہونے سے کئی افراد بری طرح مجروح ہوئے۔ کھنہ بل سے قائد اعظم ایک کارواں کے ساتھ سرینگر کی طرف روانہ ہوئے تو اونتی پورہ، پانپور، اتھواجن، بجواره، سونوار، درگجن کے استقبالی مرکزوں پر تھوڑی دیر تک رکنے کے بعد عوام کا شکریہ ادا کر کے مسٹر جناح ایک بڑے جلوس کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے مرکزی استقبالیہ سنٹر پرتاپ پارک میں آکر رکے جہاں تقریباً ساٹھ ہزار لوگوں کے عظیم الشان اجتماع نے آپ کو خوش آمدید کہا۔

"پرتاپ پارک" جسے ڈسٹرکٹ نیشنل کانفرنس سرینگر نے سائبانوں، محرابوں اور رنگ برنگے کپڑوں سے ملبوس گیٹوں اور دل آویز آرائشوں سے سجا رکھا تھا۔ آپ کی آمد پر فضا نعرہ ہائے مسرت و تحسین سے گونج اٹھا۔

"قائد اعظم محمد علی جناح زندہ باد، اسلام زندہ باد، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، شیر کشمیر زندہ باد، نیشنل کانفرنس زندہ باد۔

"لیگ کانگریس ایک ہو۔ گاندھی جناح ایک ہو!"

قائد اعظم نعروں کی گونج میں چوہدری غلام عباس، بخشی غلام محمد اور مولانا مسعودی کی معیت میں پنڈال پر آئے جہاں شیخ صاحب کے ساتھ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے عہدیداروں اور دوسرے لیڈروں نے انہیں خوش آمدید کہا۔ اسٹیج پر مسٹر جناح شیخ صاحب کے ساتھ نہایت تپاک کے ساتھ گلے ملے، حاضرین نے انہیں پھولوں کے لاتعداد ہار پہنائے اور گلدستے پیش کیے کوئی دس منٹ تک آپ پر پھول نچھاور کرنے کے علاوہ فلک شگاف نعروں سے حاضرین فضا میں ارتعاش پیدا کرتے رہے۔

اِس استقبالی اجتماع میں ہندو مسلم سکھ سبھی شامل تھے۔

جلسے کے آغاز میں پران ناتھ جلالی نے علامہ اقبال کا قومی ترانا گایا۔

شیخ عبداللہ نے استقبالیہ تقریر میں فرمایا۔

"کشمیر جنت نظیر میں تشریف لاکر رونق بڑھانے والے ہمارے معزز مہمان

مجھے اجازت دیجئے کہ اس ریاست کے باشندوں کی طرف سے آپ کو خیر مقدم کہوں، یہ تمام حاضرین اس وقت جن کی اشتیاق بھری نگاہوں کا مرکز آپ کا مبارک وجود ہے اور کشمیر کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کشمیری کسان، مزدور جو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہیں جن کے دل اقتصادی افلاس کے باوجود محبت اور مخلصانہ دوستی سے معمور ہیں ان کی تمام آواز کو اپنی آواز میں ملا کر اور ان کے دل سے نکلی ہوئی صدا کی ترجمانی کرتے ہیں آپ کو خوش آمدید عرض کرنے کا پُر فخر موقعہ حاصل کرتا ہوں۔

میرا یہ کہنا رسمی معذرت نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اہل کشمیر کی طرف سے آپ کے شایان شان استقبال کرنے کا جو ارادہ رکھتے تھے وقت کی تنگی کے باعث ویسا استقبال نہ ہو سکا اور بعض ناگزیر دقتوں کی وجہ سے آپ کا جلوس نکالنے کی خواہش بھی ہمارے دل میں رہ گئی مگر ہمیں یقین ہے کہ آپ اس کمی کی طرف نگاہ نہیں کریں گے اور استقبال کی اس مختصر تقریب میں محبت و احترام کے جو حقیقی جذبات کارفرما ہیں وہ آپ کے دل تک راستہ پالیں گے اور آپ کے اور کشمیر کے باشندوں کے درمیان محبت کے تعلقات کی تمہید بننے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کشمیر آپ کے لیے اجنبی نہیں نہ آپ کشمیریوں کے لیے اجنبی ہیں اس وادی کی زندگی بخش فضائیں اس سے قبل بھی آپ کے افکار و خیالات سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ آپ اس گھر کو اپنا گھر جان کر تشریف لائیں ہماری دعا ہے کہ آپ کی تازہ تشریف آوری بھی آپ کے دل کی مسرتوں اور آپ کے جسم کی راحتوں میں صدگونہ اضافہ کا موجب ہوں میں اس مختصر تقریب کے موقعہ پر کسی بحث طلب مسئلے کو درمیان میں لانے سے اجتناب کرتا ہوں اور ایک بار پھر اہل کشمیر کی طرف سے خلوص و محبت بھرے جذبات کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔''

شیخ صاحب کی اس تقریر کے بعد پنڈت جیا لال کلم نے نیشنل کانفرنس کی طرف

سے انگریزی زبان میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں ذمہ دار نظام حکومت کے موضوع کو مرکز سخن بناتے ہوئے کشمیریوں کی قوم پرستی کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا اور امید کی گئی کہ برصغیر ہند کی تمام آزادی پسند جماعتیں ہماری جدوجہد آزادی کی حمایت کریں گی، سپاسنامہ کا اردو میں ترجمہ شیخ صاحب نے پڑھ کر سامعین کو سُنایا۔

تالیوں کی گونج میں مسٹر جناح نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''مسٹر شیخ عبداللہ اور شرفاء سرینگر! مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ یہ وسیع اور عظیم الشان اجتماع جو اس شہر کے تمام فرقوں اور ہر مفاد اور خیال کے گروہوں پر مشتمل ہے اور راستے میں جگہ جگہ اجتماعات کی طرف سے میرا استقبال کیا گیا وہ ایک ایسی بڑی عزت ہے جس پر کوئی بادشاہ بھی جتنا فخر چاہے بجا طور پر کر سکتا ہے۔ مجھے خوش آمدید کہنے میں جس جوش و خروش اور محبت کا اظہار کیا گیا میں اس کے لیے تہہ دل سے مشکور گذار ہوں۔ آپ لوگوں نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ میرا استقبال کیا ہے میں آپ کا یہ جذبۂ محبت و خیر سگالی ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں تک پہنچاؤں گا جن کا میں نمائندہ ہوں ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان آپ کی جدوجہد آزادی میں برابر شریک کار ہیں۔''

مسٹر جناح ابھی اپنی تقریر ختم نہ کرنے پائے تھے کہ جیا لال کلم اور کئی دوسرے غیر مسلم لیڈروں نے کھڑے ہو کر یہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ مسٹر جناح نے مسلم لیگ اور دس کروڑ مسلمانوں کا واحد نمائندہ کیوں کہا، قبل اس کے کہ انہیں جواب دیا جاتا یہ لیڈر پنڈال چھوڑ کر چلے گئے۔

نیشنل کانفرنس کی استقبالیہ تقریب جو بدمزگی میں اختتام پذیر ہوئی یہاں سے مسٹر محمد علی جناح کو جلوس کی صورت میں ڈل گیٹ مسلم کانفرنس کے سٹیج پر پہنچایا گیا۔

یہاں پر اُنہیں محمد اسماعیل ساغر نے اس شعر کے ساتھ اسلامیان کشمیر کی طرف سے استقبال کیا۔ ؎

کشمیر اپنے بخت پر نازاں ہے کیوں نہ ہو ہے آج اس کا مہمان محمد علی جناح

مسلم کانفرنس کی طرف سے چوہدری غلام عباس خان نے ان کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس میں کشمیر میں مسلم کانفرنس کا رول اور مسلم لیگ کے نظریئے کی حمایت کا اعادہ کیا گیا۔ سپاسنامے کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا۔

"کشمیر مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ یہاں پینتیس ۳۵ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔
جن کا خدا ایک، رسول ؐ ایک، کلمہ ایک، کعبہ ایک اور قرآن ایک ہے۔
لہٰذا ان کو ایک تنظیم میں منسلک ہو کر آزادی کی جدوجہد کرنی ہے۔ برصغیر ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کی تمام تر ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں میری دعا ہے کہ آپ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہوں۔"

میرواعظ مولوی یوسف شاہ نے مسٹر جناح کی اردو تقریر کا مفہوم کشمیری میں اجتماع کو سمجھا دیا اور معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا۔

مسٹر جناح کی ریاست میں آمد سے قبل ان کے پرسنل سیکرٹری نے نشاط باغ کے قریب امجد علی کا بنگلہ کرایہ پر لیا تھا اور متعدد ہاؤس بوٹ ان کے اسٹاف ممبران کے لیے ریزرو کرائے گئے تھے۔

ڈل گیٹ کے اجلاس سے فراغت پاکر آپ ہمشیرہ کے ہمراہ نشاط کے بنگلے میں قیام پذیر ہوئے۔

مسٹر جناح کو کشمیر آنے کی دعوت دیتے وقت یقین دلایا گیا تھا کہ وادی میں اُن کے قیام سے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کو اس نہج پر لانے میں آسانی ہوگی کہ وہ ریاست میں مسلم لیگ کے نظریہ کی مشترکہ طور پر حمایت کرنے کی راہیں استوار کر سکیں۔ اگلے روز صبح سویرے اسی بنگلے میں شیخ عبداللہ اور محمد علی جناح کے درمیان گفت وشنید کا آغاز ہوا۔

گفتگو کے دوران پرتاپ پارک میں پنڈت برادری کی ناراضگی کا ذکر چھڑ گیا تو محمد علی جناح نے بتایا مجھے ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں غیر مسلموں کی طرف سے انہی حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے نام سے چڑھتے ہیں ــــ آپ نیشنلزم کی جو دہائی دیتے ہیں میں سمجھتا ہوں یہ دیرپا نہیں۔ آپ کو جب میرے جیسے حالات سے گزرنا پڑے گا تب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ تم میرے ان

سفید بالوں کو دیکھ رہے ہو یہ دھوپ میں سفید نہیں ہوئے ہیں اسی سیاست کی وادی میں میری عمر گزری ہے میں بھی پہلے انہی ہندو لیڈروں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر متحدہ ہندوستان کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن مجھے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرایا گیا۔ یاد رکھو اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایک دن تم پچھتاؤ گے۔"

مسٹر جناح کی زبانی ایسا سن کر شیخ صاحب تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے اور پھر بولے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ پہلی فرصت میں نیشنل کانفرنس کو مسلم کانفرنس میں مدغم کیا جائے۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "یہ معاملہ اب صرف میری ذات تک محدود نہیں اس کے لیے دوسرے رہنماؤں سے مشورہ کرنا پڑے گا۔

جناح صاحب نے مشورہ دیا کہ اس کے لیے چوہدری صاحب سے بات چیت کی جائے"

شیخ عبداللہ نے اس بارے میں چوہدری صاحب سے بات چیت کرنا مان لیا لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے لیے تحریک کے دیگر رہنماؤں سے رائے لینی پڑے گی، اگر انہوں نے مسلم کانفرنس کے حق میں فیصلہ دیا تو میں اسے قبول کروں گا اور چوہدری صاحب کے حق میں صدارت سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ ہاں اگر اکثریت نے نیشنل کانفرنس کے حق میں فتویٰ دیا تو آپ کو یہ فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔

اس فیصلہ پر گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

سرینگر میں دوران قیام بہت سارے معزز شہریوں اور کئی وفدوں نے مسٹر جناح سے ملاقات کی، مسلم کانفرنس کے لیڈروں اور اس تنظیم کے حمائتیوں نے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ شیخ صاحب کانگریس کی خوشنودی کے لیے مسلم اتحاد پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ آپ کو یہاں بلا کر استقبال کرنا محض ایک ڈراما ہے۔ ایسا کر کے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میری پہنچ نہرو، گاندھی اور جناح تک ہے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے بعض رہنماؤں نے بھی

ان سے ملاقات کے دوران یہ شکایت کی کہ "مسلم کانفرنس ہمارے ساتھ بے رخی سے پیش آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمان بٹ رہے ہیں۔

دونوں طرف کے شکوے اور شکایت سن کر جناح صاحب سخت مغموم ہوئے انہوں نے چوہدری غلام عباس کو شیخ صاحب سے بات چیت کرنے کا مشورہ دیا۔

چوہدری صاحب شیخ عبداللہ سے ملے تو دونوں جناح صاحب کے پاس آئے۔ شیخ عبداللہ نے پھر یہ بات دہرائی کہ دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کے لیے تحریک کے رہنماؤں سے رائے لی جائے۔

بقول بخشی غلام محمد جو یہاں پہلے ہی آچکے تھے شیخ عبداللہ نے جیب سے کاغذ کا ایک ورق نکال کر جناح صاحب کو پیش کیا۔ جس میں تحریک کے رہنماؤں کی فہرست درج تھی جن سے دو پارٹیوں کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی رائے لینی مطلوب تھی۔ فہرست میں مولانا محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا غلام نبی ہمدانی، مرزا افضل بیگ، غلام محی الدین ہمدانی، غلام محمد چکن، غلام محی الدین قرہ، صدرالدین بچھ، احمد یار خاں، غلام محمد جالب، محمد اسحٰق ایڈوکیٹ، محمد عمر بٹ اور ایسے دوسرے مزید درجن بھر لیڈروں کے نام درج تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس لسٹ میں تحریک کے بانیوں میں سے ایک کا نام بھی درج نہیں تھا۔

محمد علی جناح نے جب ان سے تحریک کے بانیوں کا نام حذف کرنے کی وجہ پوچھی تو شیخ صاحب ہڑبڑا کر بولے وہ تین گروپوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اُن کی رائے آپ دریافت کر سکتے ہیں۔

جناح صاحب تاڑ گئے کہ شیخ عبداللہ کانفرنس کے لیے فہرست جاری کر کے مسلم کانفرنس پر گولا کر رہا ہے۔ انہوں نے فہرست کا پرچہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں صرف اپنے حمایتی درج کر کے بد دیانتی کی گئی ہے۔

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "لیکن فہرست میں شامل سبھی اشخاص نے تحریک میں اہم رول ادا کیا ہے۔"

"تم نیشنل کانفرنس کی جو پیروی کر رہے ہو یہ تم ہی کو مبارک ہو! جناح صاحب نے جواب دیا اور اس کے ساتھ وہ ایسے کھڑے ہوئے گویا وہ مزید ان سے کچھ سننا

نہیں چاہتے تھے۔"

شیخ صاحب کا کہنا ہے (جیسا کہ تحریک کی بعض کتابوں میں آیا ہے) محمد علی جناح سے ہم نے کہا "آپ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور یہاں کی سیاست سے لاتعلق رہیں۔ ہم اس بارے میں جو فیصلہ کریں گے یقیناً بہتر ہوگا۔"

لیکن بخشی غلام محمد کا کہنا ہے۔ یہ سب مبالغہ آمیزی ہے۔ کیونکہ جناح صاحب کے کھڑے ہوتے ہی شیخ صاحب اور میں چپکے سے یہاں سے چل دئے۔

محمد علی جناح اور شیخ عبداللہ کی ناکام بات چیت کا چرچا ہوا تو چوہدری غلام عباس خان سے مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کے پاس جانے کی بازپرس کی۔ چنانچہ انہوں نے جامع مسجد کی ایک تقریب کے دوران اس کی یوں وضاحت کی "سیاست میں دشمن کے ساتھ بھی ملنا پڑتا ہے — نیشنل کانفرنس، کشمیری پنڈت اور دوسرے فرقے ہمارے دشمن ہیں۔ ان دشمنوں کے خلاف منظم ہو جائیں۔ حکومت اگر اپنی فوج اور پولیس جو نیشنل کانفرنس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ایک طرف ہٹالے گی تو ہم نیشنل کانفرنس کو مٹا سکتے ہیں یہ جماعت پولیس کے بل بوتے پر زندہ ہے۔"

چوہدری غلام عباس خان کی اس ترش و تیز کلامی نے اتحاد و اتفاق کی رہی سہی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کئی غیر جانبدار لوگوں اور بعض اخبارات نے چوہدری صاحب کے طرزِ کلام کی مذمت کی، شیخ عبداللہ نے اس موقع پر نرم روی سے کام لیا۔

نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈروں اور سرکردہ کارکنوں نے شیخ صاحب کو اس بات پر سخت لتاڑا کہ انہوں نے قائداعظم کو دعوت کیوں دی اور سرینگر میں ان کا شاندار استقبال کیوں کرایا۔ اس بات پر صدرالدین (مجاہد) نے کھلم کھلا شیخ عبداللہ کی مخالفت کی۔

۲۳ مئی کو مسٹر محمد علی جناح نے مقامی اخبار نویسوں جن میں پریم ناتھ کنہ ایڈیٹر "مارتنڈ" غلام محی الدین نور ایڈیٹر "نور" صدرالدین مجاہد ایڈیٹر اخبار "خالد" نند لال واتل نمائندہ "ہمدرد" ایم اے صابر ایڈیٹر "البرق" مسٹر ایم ساغر

ہے وہ برٹش انڈیا سے جُدا ہے۔ پھر بھی ایک مسلمان بھائی کی طرح میرا فرض ہے ہر بھائی کی رائے سُننا اور اُسے نصیحت کرنا اور ہدایت دینا ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اِس میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نیشنل کانفرنس تقریباً آٹھ برس قبل ۱۹۳۸ء میں وجود میں آئی ہے۔ میں نے دریافت کیا اس میں ہندو اور سکھ کتنے ہیں جواب ملا کہ چند سکھ اور کچھ ہندو ہیں اور اگر ان سات آٹھ سال کا جائزہ لیا جائے تو اس تنظیم میں نہ ہندو ہیں نہ سکھ پھر سوائے مسلمان کے وہاں رہا کون؟ جواب ملتا ہے نہ کبھی ہو تو بھی دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے اگر آٹھ سال سے اِس دروازے سے ہندو اور سکھ داخل نہ ہوئے تو اس کا سبب کیا ہے۔ یہ غلطی دکیونکہ نیشنل کانفرنس کا وجود ہی غلط ہے) جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے دو فرقے ہو گئے جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں ہمارے ساتھ ہو لو، بہت سوچ اور غور و فکر کے بعد آخر یہ جواب ملتا ہے کہ دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جموں وکشمیر میں فرقہ پرستی نہیں ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس بھی برطانوی علاقہ میں سارے ہندوستانیوں کی دعویدار تھی مگر یہ بات سچی نہیں تھی۔ اس نے یہی رویہ اپنا رکھا اور جھوٹا پروپیگنڈا کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ جو مسلمان، عیسائی، سکھ وغیرہ اس میں شامل ہوئے تھے الگ ہونے لگے۔ ہر سوال پر ہندو اکثریت نے اقلیت کے فائدے کی چیز کو ٹھکرایا کیا آپ جموں وکشمیر میں یہی فریب بازی کرنا چاہتے ہیں کہ ہر بات میں مسلمان اکثریت اقلیت کو پامال کرتی پھرے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس طرح ہندوؤں اور سکھوں کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔

صاف کہیئے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم سب کے ترجمان نہیں ہے۔''

وادی کشمیر میں قائداعظم محمد علی جناح کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں چرچے ہوتے رہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہوتا رہا۔ کانگریس کے ساتھ ساتھ دوسری تنظیموں اور پارٹیوں نے محمد علی جناح کی سیاسی سرگرمیوں کا توڑ کرنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں آل انڈیا ہندو مہاسبھا کا نائب صدر سی کے شاردا کشمیر آیا مٹن میں کئی

دو دنوں تک قیام کرنے کے بعد انہوں نے اسلام آباد میں یہاں کی ہندو کمیونٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''میں ان سب ہندو بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرا استقبال کیا اور خوش ہو کر جو خیالات میرے سامنے رکھے گئے وہ ہندی ہیں ہیں ہندی آپ کی زبان ہے اگر آپ نے اسے چھوڑا تو آپ خطرے میں پڑ جائیں گے کل ریاست کے وزیر اعظم سری۔ این راؤ نے مجھے بتایا کہ شاردا صاحب یہاں کے ہندو فارسی اور عربی الفاظ اپنی تحریروں اور تقریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ وہ اپنی زبان ہندی استعمال کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان اکھنڈ ہے مسلمان اس دیش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں مگر کیا ہم اپنی ماں کے ٹکڑے ہونے دیں گے ہر ہندو جو بھارت ماتا میں رہائش کرتا ہے ایسا نہیں ہونے دے گا آپ لوگ ڈرتے ہیں کہ یہاں اقلیت میں ہیں لیکن آپ کو غور کرنا چاہیے کہ ایک رنجیت سنگھ نے اپنی تلوار کی زور سے یہ ملک حاصل کیا ہے اور آج یہاں کا حاکم ہمارا اپنا ہندو ہے۔ اور یہ خالص ایک ہندو ریاست ہے کیا اپنی حکومت میں بھی کوئی ڈرتا ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری آبادی ۷۵ فی صد ہے اور مرکزی حکومت میں ہماری نمائندگی ۷۵ فیصد ہو گی، اس لحاظ سے آپ اقلیت میں نہیں اکثریت میں ہیں اور راج ہمیشہ آپ کا ہو گا۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو گی تو ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے ہم وہ ہیں جنہوں نے تلوار کے زور سے مغل سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور جن کے نام سے پٹھان بچے آج تک ڈرتے ہیں۔ کشمیر میں چند ایک ہندو اپنے آپ کو نیشنلسٹ جتلاتے ہیں اُن کو واپس آنا چاہیے، ہمیں وہ نیشنل کانفرنس منظور نہیں جس کا سربراہ مسلمان ہو، شیخ محمد عبداللہ کشمیر میں وہی عمل کر رہے ہیں جو جناح صاحب ہندوستان میں کر رہے ہیں۔''

مسٹر چاند کرن شاردا کی اس قسم کی تقریر کی رپورٹنگ جب اخبارات میں شائع ہوئیں تو محمد علی جناح نے اس کا مبہم اشارہ دے کر قوم پرست لیڈر (شیخ عبداللہ)

کو انتباہ کیا اور اپنے دو قومی نظریئے کی تبلیغ میں یہ دلیل دی۔

"چند دن ہوئے یہاں ایک جگہ ہندو کانفرنس ہوئی اور ۲۷ مئی کو چاند کرن شاردا کی تقریر ہوئی جو بھائی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار ہیں تو بہت بڑی بھول ہے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ نہ اچھوت نہ سکھ اور نہ مسلمان، اس سے جو نقصان ہندوستان کو ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ کیا کشمیر میں اسے دہرائیں گے؟"

مسٹر محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں اسلامیان ریاست کو متنبہ کیا کہ ذمہ دار نظام حکومت حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ آپ کی دسترس علم و دانش کے مخزنوں پر ہو اگر علم اور اقتصادی فلاح کا پروگرام آپ کے پاس نہ ہو گا تو یہ ساری جدوجہد رائیگان ہو گی۔ اس مقصد کی خاطر متحد، منظم اور باعمل ہونا اولین شرط ہے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے یقین کا اعادہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"مسلمانو! اٹھو، جاگو اور کوشش کرو اور اس مردہ قوم کے ہر شعبہ میں زندگی کی رتن پیدا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے ایک جھنڈے کے نیچے ایک نصب العین کو لے کر ہم خیال و ہم نوا ہونا ؎

حرم پاک بھی اللہ بھی قران بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے مسلمان بھی ایک

اگر آپ ذمہ دار نظام حکومت چاہتے ہیں، تو سرگرم عمل ہو جائیے مجھے یقین ہے ہندو اور سکھ آپ سے صلح کر لیں گے اور مہاراجہ ذمہ دار حکومت دیں گے۔ برطانوی ہند میں ہماری حیثیت دوسری ہے۔ مسلمانان کشمیر اگر پاکستان کی اخلاقی حمایت کرتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے ہم پاکستان ضرور حاصل کریں گے۔ ترکی، ایران، افغانستان کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں اور ہم ایک دوسرے کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں۔"

محمد علی جناح کی طرف سے اس قسم کے پرچار سے غیر مسلم لیڈر سخت تلملائے اور وہ شیخ عبداللہ کے پیچھے پڑے کہ وہ جناح صاحب کی اس قسم کی سرگرمیوں کا تدارک کریں۔ شیخ صاحب جو چاند کرن شاردا کی طرف سے سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد سخت

غصے اور پچھتاوے میں تھے۔ جناح صاحب کے خلاف کچھ کہنے سے احتراز کرنے لگے۔ لیکن جب ان غیر مسلم لیڈروں نے نیشنل کانفرنس چھوڑنے کی دھمکی دی تو وہ لاٹھی لے کر میدان میں آئے۔

نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے کئی مقامات پر جلسے کیے جن میں مسٹر جناح کو لغوگو ثابت کرنے کے لیے اُن کی زبان سے نکلے ہوئے اس جملے کو جو انہوں نے مسلم کانفرنس کے سپاسنامے کے جواب میں کہا تھا۔

"میں ریاست میں کوئی سیاسی پروپگنڈا کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں"

کو خوب اچھالا گیا اور اُن پر فردِ جرم عائد کر کے کہا گیا۔ کہ انہوں نے ریاستی سیاست میں مداخلت کر کے بحیثیت ایک ذمہ دار اور عظیم الشان مسلم رہنما کے ناطے کوئی اعلیٰ معیار قائم نہیں کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا۔

"ہمارے محترم مہمان مسٹر جناح نے ۱۷ جون کو مسلم کانفرنس کے اجلاس میں اپنی تقریر میں نہ صرف اپنے آپ کو عملی طور پر مسلم کانفرنس کی سیاست کے ساتھ وابستہ کیا بلکہ نیشنل کانفرنس پر بھی حملے کیے ایسا کرتے ہوئے وہ اس یقین دہانی کو فراموش کر گئے جو انہوں نے کشمیر کی سرحدات کو عبور کرتے جموں میں دی تھی جو آپ کے ان لفظوں کا مخفف ہے۔ "میں یہاں کسی قسم کا سیاسی پروپگنڈا کرنے نہیں آیا" مگر موصوف نے یہاں پہنچ کر اپنے قول کا کوئی لحاظ نہ رکھا۔ بلکہ اس جذبے کو بھی صدمہ پہنچایا جو ہم نے سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر آپ کا استقبال کرنے پر دکھایا دنیا جانتی ہے کہ نیشنل کانفرنس اپنے قیام و دوام کے لیے کسی صورت میں مسٹر جناح کی مرہون منت نہیں۔"

اپنے ایک بیان میں شیخ عبداللہ نے مسٹر جناح کی اُس چوٹ کا جواب دیا جو چوٹ اقلیت کو دھوکہ دینے کی یاد دہانی کرتے ہوئے جناح صاحب نے ان پر کی تھی۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔

"مسٹر جناح نے نیشنل کانفرنس پر ایسے ہتھیار سے حملہ کیا ہے جس کو وہ ہندوستان میں نیشنل کانگریس پر آزماتے ہیں۔ ان کے عندیہ کے مطابق

نیشنل کانگریس ہندوستانی اقلیت کو فریب دینے کی ہندووانہ کوشش ہے اور نیشنل کانفرنس کشمیر کی اقلیت کو دھوکہ دینے میں مسلمانانہ کوشش ہے۔

۲۰ر جون کو خانیار سرینگر کے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے اپنی ایک تقریر کے دوران مسٹر جناح سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسلام کے نام پر وہ دوسروں کو اپنی سیاست کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے قول کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے ان کے تمام احترامات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں یہی کہوں گا کہ انہوں نے وہ معیار قائم نہیں رکھا جو انہیں ایک ذمہ دار اور عظیم الشان رہنما کی حیثیت میں قائم رکھنا چاہیے"۔

شیخ صاحب اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے پاس کوئی ایسی معقول دلیل نہیں تھی جس سے وہ مسٹر جناح کو قائل کرتے اس لیے انہوں نے صرف ایک یہی ڈھول پیٹنا شروع کیا کہ اگر آپ نے کہا تھا میں یہاں کوئی سیاسی پروپگنڈا نہیں کروں گا تو آپ سیاست کے بارے میں خاموش کیوں نہ رہ سکے۔

وادی میں کوئی ڈیڑھ مہینے تک قیام پزیر رہنے کے بعد جون کے آخری ہفتے میں قائداعظم محمد علی جناح واپس روانہ ہوئے تو واپسی پر بارہمولہ میں مسلم کانفرنس کی طرف سے آن کے اعزاز میں زیر قیادت محمد یوسف صراف اور غلام محی الدین وانی الوداعی جلسہ منعقد ہوا۔

اس جلسہ کو ناکام بنانے کے لیے مرکزی نیشنل کانفرنس کی ایک ٹیم سرینگر سے بارہمولہ روانہ کی گئی تھی جو یہاں محمد مقبول شیروانی اور ماسٹر عبدالعزیز سے رابطہ قائم کر چکی تھی۔ جونہی محمد علی جناح جلسہ گاہ پہنچے مخالف عناصر نے پتھراؤ شروع کیا جن سے کئی افراد زخمی ہوئے۔ جن میں محمد علی جناح کے سیکرٹری بھی شامل تھے اس اچانک تشدد آمیز مظاہرے کے نتیجہ میں مسٹر جناح جلسہ گاہ میں کچھ بھی بہ بول نہ سکے۔ مظاہرین کی کوشش رہی کہ مسٹر جناح کے گلے میں جوتوں کی مالا ڈالی جائے لیکن وہ اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قائداعظم اور آن کی ہمشیرہ اور دوسرے ساتھیوں کو پولیس کی حفاظت میں کوہالہ پل پار کرنا پڑا۔

بقول رشید تاثیر، ظاہر ہے کہ نیشنل کانفرنسیوں کی اس حرکت سے مسٹر جناح کی

تضحیک مطلوب تھی) مگر حق تو یہ ہے کہ اس غنڈہ گردی نے کشمیری قوم پرست قائدین کی اخلاقی گراوٹ اور ذہنی غربت کا بدترین ثبوت پیش کیا اور یہ سوچنے کا موقعہ بہم پہنچایا کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں جو اپنے مہمان کو خندہ پیشانی سے الوداع کہنے کے بجائے جوتوں کے ہار پہناتے پر فخر محسوس کرتے۔ اس مظاہرے نے یقیناً کشمیریوں کی مہمان نوازی پر کلنک لگایا۔

اس طرح مسٹر محمد علی جناح کے کشمیر آنے کا مقصد فوت ہو گیا۔ وہ شیخ عبداللہ کو قریب لانے کے بجائے ان سے اور بھی دور ہوئے، آن کی نظریاتی رقابتوں میں اضافہ ہوا، شیخ عبداللہ سے مسٹر جناح کی ناراضگی کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر درگا داس اپنی کتاب "انڈیا فرام کرزن ٹو نہرو اینڈ آفٹر" میں لکھتا ہے۔ جب جناح سے شیخ عبداللہ کے بارے میں پوچھا گیا تو جناح نے جواب دیا۔

"وہ لمبا آدمی جو قرآن گا گا کر عوام کو گمراہ کر رہا ہے۔"

شیخ عبداللہ کے بارے میں محمد علی جناح کے یہ ریمارکس اگرچہ چاند کرن شاردا کے ان ریمارکس "ہمیں وہ نیشنل کانفرنس منظور نہیں جس کا سربراہ شیخ عبداللہ جیسا مسلمان ہو" سے بالکل مختلف تھے، لیکن اس سے واضح ہو گیا وہ دونوں فرقوں کے لیے ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول تھے۔



شیخ محمد عبداللہ



لاڈ ماؤنٹ بیٹن کانگریسی لیڈروں کے گھیرے میں۔ یہ سبھی برصغیر کی تقسیم سے قبل کشمیر کو بھارت کے ساتھ ملانے پر کام کر رہے تھے۔

میرے جگر کے لہو میں ہیں آج ڈوبی ہوئی
وہ انگلیاں کہ جو مخصوص تھیں حنا کے لیے

نیشنل کانفرنس کے اجلاس، کانگریس کی حکمت عملی، ریاست پر اسکے اثرات

حکومت کی طرف سے اسمبلی انتخابات کا نوٹیفکیشن جاری ہوا تو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس نے انتخابات میں شرکت کا اعلان کیا۔ دونوں پارٹیاں بڑے شدومد کے ساتھ میدانِ انتخاب میں اتر آئیں اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے لگیں۔

انتخاب کے پرچار میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس ایک دوسرے پر سبقت لینے لگی۔ دنگا فساد کے دوران انتخابات مکمل ہوئے ۲۱ منتخب نشستوں میں سے ۱۹ پر مسلم کانفرنس نے قبضہ کر لیا، نیشنل کانفرنس کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس جماعت کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ ان کے ساتھ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت نہیں ہے۔

الیکشن مہم کے دوران غنڈوں اور بلوائیوں نے مسلم کانفرنس کا جو قافیہ تنگ کیا تھا اس نے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

انتخابات کے نتائج کے اعلان نے نیشنل کانفرنس کو دم بخود کر کے اس کے ماتھے پر جو شکست لکھ دی اس سے نہ صرف نیشنل کانفرنس کو زبردست دھچکا لگا بلکہ کانگریس سخت مایوسی اور ہزیمت کا شکار ہو گئی۔

ہندوستان بھر میں مسلم لیگ نے اسے اپنی فتح اور کانگریس نے اپنی شکست سے تعبیر کیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں کے ساتھ ساتھ کانگریس کے لیڈر یہاں آنے

لگے۔

ایک گروپ اپنی فتح پر شاداں تھا اور دوسرا گروپ شکست کے اسباب کا جائزہ لینے لگا۔ نیشنل کانفرنس کی ہار کا کانگریس نے سنجیدہ نوٹس لیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ خان عبدالغفار خاں بذات خود یہاں آ گئے۔ سرینگر آ کر سب سے پہلے پنڈت نہرو نے گوپالا سوامی آئینگر سے ملاقات کی اور اس کے بعد وہ گلمرگ چلے گئے۔ گلمرگ کے نیڈوز ہوٹل میں شیخ صاحب پنڈت نہرو کے ساتھ دو دنوں تک اس شکست کے اسباب پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔

گلمرگ کی واپسی پر شیخ عبداللہ نے ہوٹل کارونیشن میں بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ کیشپ بندھو، غلام احمد جوئلر اور حاجی مامہ کلو آف نشاط کے ساتھ ایک میٹنگ کی، میٹنگ میں ان احباب کے سامنے واضح کر دیا گیا کہ اسمبلی کے مسلم کانفرنسی ممبران کو توڑ کر انہیں نیشنل کانفرنس میں شامل کرنا ہے۔ اس کام کے لیے اپنا اپنا اثر و رسوخ اور رقومات، استعمال کرنا پڑے تو کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ کانگریس اس کام کے لیے رقومات فراہم کرے گی۔ اگر ہم مسلم کانفرنس کے کچھ ممبران کو توڑنے میں کامیاب ہوئے تو نیشنل کانفرنس کے ممبران کو وزارت میں لیا جائے گا۔

۳۰ جون کو پنڈت نہرو اور خان عبدالغفار خاں کے ساتھ دوبارہ مٹنگ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ گوپالا سوامی آئینگر کے پاس گئے۔ واپسی پر شیخ صاحب پھر پنڈت نہرو سے ملے، پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خاں کے واپس دہلی جاتے ہی ممبران کو خریدنے کا کام شروع ہو گیا۔ کافی کوشش کے بعد صرف چند ممبران جب نیشنل کانفرنس کا علیحدہ گروپ بنا سکا تو گوپالا سوامی آئینگر نے اسے شیخ عبداللہ کی ناکامی سے تعبیر کیا۔ کیونکہ ۱۵ مسلم کانفرنس کے گروپ جس کا لیڈر حمیداللہ خاں تھا حسب سابقہ اپنا کام کرتا رہا۔ اس کے مقابلہ میں نیشنل کانفرنس کا گروپ کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

نیشنل کانفرنس کے لیڈر جب اپنا ٹارگٹ پورا نہ کر سکے تو آئینگر نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ آئینگر کی اس ناراضگی سے نیشنل کانفرنس بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی اور انہوں نے اب روپے کی لالچ دینے کے بجائے دھمکی اور دھونس سے کام لینا شروع کیا

مسلم کانفرنس کے ممبران کو توڑنے کے لیے جب طاقت کا استعمال کیا جانے لگا اور حکومت ایک طرفدار بن گئی تو گوپالا سوامی آئینگر کی پوزیشن مضحکہ خیز بن گئی مسلم کانفرنس نے آئینگر کے خلاف ایک بڑا جلوس منظم کیا جس میں ان کی ارتھی نکال کر "دم ہینگرن بیول خداین گول" (خدا نے آہنگر اور اُن کی نسل کو ختم کیا) کے نعرے لگائے۔ یہ جلوس جب شہر کی سڑکوں پر گھوم پھر کر امیراکدل میں اختتام پذیر ہوا یہاں آئینگر کا پتلا جلایا گیا — مہاراجہ ہری سنگھ نے گوپالا سوامی آئینگر کو شنٹ آوٹ کرنے کا فیصلہ لیا۔ آئینگر نے نیشنل کانفرنس کی طرفداری سے ہاتھ روک لیا تو نیشنل کانفرنس ناراض ہو گئی دیکھتے ہی دیکھتے آئینگر اور شیخ عبداللہ کے تعلقات بگڑ گئے۔

اسی دوران ایوان اسمبلی میں ہندی زبان کی ترویج اور قانون اسلحہ کی منظوری (جس کی رو سے ہندوؤں کو مسلح اور مسلمانوں کو غیر مسلح کر دینا مقصود تھا) حکومت نے تحریک پیش کر دی مسلم کانفرنس کے ممبران نے جہاں اس تحریک (بل) کے خلاف آسمان سر پر اُٹھایا وہاں نیشنل کانفرنس کا گروپ بالکل خاموش رہا۔ جب یہ بات عوام تک پہنچ گئی تو نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ نیشنل کانفرنس کے خلاف عوام میں شدید ردعمل ہوا تو شیخ صاحب گھبرا گئے اور اسی گھبراہٹ میں انہوں نے اپنے چار ممبری گروپ سے استعفےٰ دلوایا۔

وزیر اعظم آئینگر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ ان کے استعفےٰ منظور کرائے۔

مسلم کانفرنس نے تجویز پیش کی کہ ان خالی جگہوں پر ضمنی انتخاب کرائے جائیں تو نیشنل کانفرنس دم بخود ہو گئی۔ انہوں نے روپے کا لالچ دے کر اسمبلی ممبران کو خریدنے کی بنیاد ڈال کر جن ممبران کو حاصل کر لیا تھا وہ اپنے انجام کو پہنچ کر اسمبلی کی ممبری سے محروم ہوئے تھے اور ضمنی انتخاب میں نیشنل کانفرنس کے واپس آنے کا سوال مخدوش تھا۔

کانگریس کی ہدایت پر کافی دولت صرف کرنے کے بعد جو چند ممبران نیشنل کانفرنس حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی وہ ساری دولت ضائع ہو رہی تھی۔ اُدھر کانگریس ان ممبران کی تعداد بڑھانا چاہتی تھی اور اِدھر نیشنل کانفرنس اپنی خفت مٹانے کے لیے ان کو بھی ممبری سے محروم کر چکی تھی۔

اس بارے میں چوہدری غلام عباس خاں نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے۔
"اس صورت حال نے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کو پریشان کر دیا چنانچہ اس سلسلے میں پنڈت جواہرلال نہرو کے نام ایک ذاتی مراسلہ لے کر بخشی غلام محمد دہلی روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ کے اندر جب بخشی صاحب دہلی سے واپس آ گئے تو نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ نے آئینگر کے سامنے سجدہ سہو کیا۔ آئینگر نے ان ممبران سے ناک رگڑ وائی اور پھر مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس جا کر ان کے استعفے واپس لے کر ان پر ایک احسان کیا۔

اس احسان کے بدلے میں اب چار ممبری گروپ ایوان میں سرکاری گروپ کہلایا چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ نے جب اصلاحات کے سلسلے میں اسمبلی ممبران سے دو منسٹر لینے کا فیصلہ کر لیا تو مسلم کانفرنس نے منسٹری لینے سے انکار کیا جبکہ نیشنل کانفرنس مرزا افضل بیگ اور احمد یار خاں کے روپ میں منسٹری لینے میں کامیاب ہو گئی۔

ہر بالغ نظر شہری کی نظر میں نیشنل کانفرنس کی یہ نئی پوزیشن اس کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی لوگوں میں اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کے لیے دو ماہ کے اندر انہیں اس وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔"

نیشنل کانفرنس کے دو ممبران کو وزارت میں لینے پر نیشنل کانفرنس کا جشن فتح اور ان منسٹران کی درگاہ حضرت بل میں ایک بڑے اجتماع کے سامنے دستار بندی کے چرچے ابھی زبان زد عام تھے۔ ابھی اس کے آثار باقی تھے کہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے انہیں خود ہی یہ دستار اتارنے پڑے۔

نیشنل کانفرنس کا پہلا سالانہ اجلاس بارہمولہ میں منانے کا فیصلہ لیا گیا۔ صوفی محمد اکبر کی صدارت میں استقبالیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔


صوفی محمد اکبر

استقبالیہ کمیٹی کے صدر خواجہ سیف اللہ شاہ سیکرٹری بابو جگدیش رام جوائنٹ سیکرٹری سردار اوتار سنگھ اور خزانچی چودھری دامودر پنڈت مقرر ہوئے۔ کانفرنس کی صدارت

سردار بدھ سنگھ کو تفویض کی گئی۔

نیشنل کانفرنس کا یہ سالانہ اجلاس ۲۷، ۲۸، ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کو بارہمولہ میں منعقد ہوا خطبہ صدارت سردار بدھ سنگھ نے پڑھ کر سنایا۔ اس میں ریاست کے اجمالی نقشے کی آڑ میں قوم پرور کارناموں کی تفصیل پیش کی گئی۔

کانفرنس کے کھلے اجلاس میں شیخ عبداللہ نے ذمہ دار نظام حکومت کے مطالبہ اور نصب العین کو تحریک کے تدریجی ارتقاء کا نتیجہ قرار دے کر تحریک کے غرض و غایت کی تفصیل سے وضاحت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم نے غلط قدم اٹھایا انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اسلام کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں اسلام نے مظلوم کی حمایت میں ہندو مسلم سکھ عیسائی کی تفریق جائز نہیں رکھی، مجھ پر خدا اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے یہی فرض عاید کیا ہے۔

اجلاس میں پنڈت پریم ناتھ بزاز کی قرار داد "زمین کی ملکیت ان کسانوں کو ملنی چاہیے جو اپنے ہاتھوں سے ہل جوتتے ہیں"، بہ اتفاق رائے پاس ہوئی اس کی تائید سردار مہندر سنگھ نے کی۔

پریم ناتھ بزاز کی ایک اور تجویز جس کی تائید صوفی محمد اکبر نے کی میں کہا گیا کہ "ذمہ دار نظام حکومت قائم ہوتے ہی وہ تمام قرضہ جات جن کا سود اصل زر کے برابر ادا کیا گیا ہو منسوخ قرار دئے جائیں۔"

مرزا افضل بیگ نے تجویز پیش کی کہ زمینوں کی آمدنی پر مالیہ انکم ٹیکس کے اصولوں کے مطابق تدریجی تشخیص سے لگایا جائے تاکہ غریبوں پر کم اور امیروں پر زیادہ بوجھ پڑے، اس کی تائید غلام محمد صادق اور محمد خلیل کچلو نے کی۔

میاں احمد یار خاں نے کاہچرائی کے سلسلے میں جو تجویز پیش کی اس میں حکومت کی اختیار کردہ روش کی مذمت کی گئی۔

سارے اجلاس کے دوران ذمہ دار نظام حکومت پر اتفاق رائے پایا گیا۔ اجلاس کے اختتام پر جموں کے مندوبین واپس گئے تو دیوان نرسنگھ داس نرگس ایڈیٹر "چاند" کے دفتر پر نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور یہ فیصلہ طے پایا کہ

ہر فرد جو جموں کانگریس کا ممبر ہو نیشنل کانگریس کا بھی ممبر بن سکتا ہے۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس ۲۲، ۲۳، ۲۴ اگست ۱۹۴۱ء میں سرینگر میں منعقد ہوا۔ جہاں سردار بدھ سنگھ کو ہی صدارت کے فرائض تفویض ہوئے ۲۳ اگست کو بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا مسعودی، مرزا افضل بیگ، مولانا یہقی، سردار سنت سنگھ تیغ اور صدر الدین مجاہد کی رہنمائی میں صدر کانفرنس کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس ترتیب دیا گیا۔

جلوس پورے شہر کا گشت لگا کر رات کو دیر سے مجاہد منزل پہنچ کر اختتام پذیر ہوا۔

اس اجلاس میں پنڈت نہرو مصروفیت کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ البتہ ان کی ہدایت پر خان عبدالغفار خان شامل اجلاس ہوئے۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ کی تعریفیں کرتے ہوئے تحریک کے لیے ان کی خدمات کو خوب سراہا۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں سمجھتا ہوں یہ سب کشمیر کے اس مایہ ناز فرزند شیخ محمد عبداللہ کی کوششوں قربانیوں اور کارناموں کا نتیجہ ہے لوگوں میں جذبہ اور ولولہ دیکھ کر میرا دل خوش ہو رہا ہے۔"

کانفرنس کے اجلاس میں مجلس استقبالیہ کے صدر بخشی غلام محمد تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی انا اور احساس کو جھنجھوڑتے ہوئے موثر انداز میں ریاستوں میں ذمہ دار نظام حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

سردار بدھ سنگھ نے اپنے خطبہ صدارت میں ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کے حکومت برطانیہ کے اس اعلان کو جس میں ہندوستانیوں کی مرضی اور خواہش جاننے کے پس منظر میں جذبہ آزادی کو اجاگر کیا۔

انہوں نے حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل اور وزیر ہند مسٹر ایمرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی تعطل کے خاتمہ کے لیے بہانہ سازیوں کو چھوڑ کر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کریں۔

سردار بدھ سنگھ نے تحریک آزادی کشمیر کے ابتدائی دور کے پس منظر میں مہاراجہ

ہری سنگھ کو، ۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء، ۱۱ فروری ۱۹۳۹ء اور ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کے اعلانات کا حوالہ دے کر یاد دلایا کہ اُس نے ریاستی باشندوں سے یہ وعدہ کیا کہ اسمبلی کا انعقاد نہ صرف ریاستی باشندوں کو رموز سلطنت میں شریک کار بناتا ہے بلکہ ان کا صلح و مشورہ بہتر انتظامیہ کا ضامن بھی ہے۔ البتہ کشمیر اسمبلی کے گزشتہ آٹھ برسوں کے مشاہدے نے ان اعلانات کا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے۔

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس میں کئی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ مرزا محمد افضل بیگ نے انسداد قحط کے عنوان سے ایک تجویز پیش کی خواجہ غلام محمد صادق نے اس کی تائید کی۔

ذمہ دار نظام حکومت کی قرارداد مولانا مسعودی نے پیش کی اس کی تائید و حمایت میں صوفی اکبر، سردار سنت سنگھ، حکیم امین الدین، سردار سادھو سنگھ، ماسٹر روشن لال اور آخیر پر شیخ عبداللہ نے تقریریں کیں۔

کاہچرائی قانون مجریہ ۱۹۳۷ء کی ترمیمات کے سلسلے میں میاں احمد یار خان نے تجویز پیش کی، مرزا افضل بیگ نے اس کی تائید کی۔

کواپریٹو تحریک پر کمیشن کی تجویز راجہ محمد اکبر خان نے پیش کی اس کی تائید خواجہ غلام محمد صادق نے کی۔

ماسٹر روشن لال نے نیشنل کانفرنس کے آئین اساسی کی پہلی دفعہ میں لفظ "پُر امن مساعی" کاٹنے کی تجویز پیش کی جس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوا، مولانا مسعودی نے اس تجویز کی مخالفت کی بحث میں مولوی عبداللہ سیالکوٹی، پنڈت رگناتھ وشنوی، محمد اکبر، سردار ٹیکا سنگھ، سید مبارک شاہ، غلام محی الدین اور کامریڈ محمد شفیع نے بھرپور حصہ لیا۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس میرپور میں کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ اجلاس کے اختتام پر ایک مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کے فرائض سر شیخ عبدالقادر نے انجام دیئے حفیظ جالندھری نے اپنی مشہور نظم "ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا" پڑھ کر سنائی۔

اپریل ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے گوپالاسوامی آیئنگر کو وزیر اعظم کے عہدے سے سبکدوش کیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی مسلم کانفرنس نے ریاست

بھر میں ۹ اپریل کو یوم نجات کے طور منانے کا اعلان کیا۔ اس روز وادی کے ساتھ صوبہ جموں میں مسلم کانفرنسیوں نے کئی جلوس نکال کر اظہار مسرت کا مظاہرہ کیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام آئینگر کی سبکدوشی پر بے شمار تاروں کے ذریعے اظہار اطمینان کیا گیا۔

نئے وزیر اعظم سر کنور مہاراج سنگھ کی خوش آمدید کہتے ہوئے اُن سے توقع کی گئی کہ وہ آئینگر کے دور کی تلخ یادوں کو اہل ریاست کے دلوں سے مٹانے اور انہیں باوقار زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرے گا۔

۹ اپریل کی شام کو جامع مسجد کے احاطہ میں مسلم کانفرنس زون سرینگر کے زیر اہتمام مولوی محمد امین کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں آئینگر وزارت کے نقائص اور متعصب انتظامیہ کی نکتہ چینی کی گئی۔ جلسہ کی صدارت سید میرک شاہ اندرابی نے کی، مولوی نورالدین نے آئینگر وزارت کے دور کے خلاف ایک قرارداد پیش کی جس کی اکثریت نے تائید کی۔

اس روز جب سرینگر میں آئینگر کے ہٹائے جانے پر مسلم کانفرنس کی طرف سے شادیانے منائے جا رہے تھے۔ میرپور میں نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ تین دنوں کے اس اجلاس کی صدارت کے فرائض شیخ صاحب خود انجام دے رہے تھے۔ اس اجلاس کی بڑی خصوصیت یہ رہی کہ نیشنل کانفرنس کانگریسی نظریات سے ہٹ کر اشتراکی اثرات کی شکار ہوتی نظر آنے لگی۔ شیخ عبداللہ نے خطبہ صدارت میں روس کے اشتراکی نظام کی کھل کر حمایت کی، انہوں نے برطانوی سامراج کی ان شاطرانہ چالوں کا پردہ چاک کیا جو ہندوستانیوں کو قومی اتحاد میں حائل کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ہندوستانیوں سے قومی اتحاد مضبوط بنانے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ چند لوگ ذاتی مفادات کی خاطر "مذہب خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا رہے ہیں حالانکہ ہندوستان میں اختلافات کا حقیقی سبب مذہب نہیں بلکہ اقتصادی نابرابری ہے اور اس کا صحیح اور واحد اعلاج ہندوستان کی مکمل آزادی میں مخفی ہے۔

مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کا ذکر کیے بغیر انہوں نے فرمایا۔

"میں بحیثیت ایک مسلمان کے یہی کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کو اس واقعیت پر ایمان رکھنا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی ہے۔ ہندوستان اس کا گھر ہے ہندوستان

کی خاک سے وہ پیدا ہوا ہے اور اسی خاک میں اسے ملنا ہے۔ اسلام کو سندھ میں قدم رکھے ہوئے تیرہ سو سال ہوئے، ہندوستان کے باقی حصوں میں ایک ہزار سال اور کشمیر میں ساڑھے چھ سو سال کی مدت گزر چکی ہے۔ ہمارے کروڑوں آباواجداد کا وجود ہندوستان کی مٹی کا جزو بن چکا ہے اور آج اس سرزمین کے ذرّے ذرّے میں ہمارا خون ملا ہوا ہے کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور درہ خیبر سے لے کر نیپال تک اس زمین کا کون سا علاقہ ہے جس میں مسلمانوں کی یادگاریں اُن کی بستیاں اُن کے معابد و مساجد، زیارت و مقابر اور ان کے علمی و عملی کمالات کے لازوال نمونے پھیلے ہوئے ہیں۔ سرنگاپٹم ہو یا سرینگر دونوں ہمارے ہیں۔ ان حالات میں ہم ہندوستان کے کسی علاقے سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اب اس تمام سرزمین پر ہمارے حقوق دائمی اور ابدی ہو چکے ہیں۔ الغرض ہندوستان ہی ہمارا وطن ہے اور یہی ہمارا وطن رہے گا۔ وطن کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے اس وطن اور گھر کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرنے اور اس کے مالک بننے کی کوشش میں سب سے آگے رہیں۔"

اپنے خطبہ صدارت کے اختتام پر شیخ عبداللہ نے ریاست کے اُن تمام افراد اور سیاسی جماعتوں کو جو ذمہ دارانہ نظام حکومت کے حصول پر یقین رکھتے ہیں دعوت دی کہ قوم پرست تحریک میں شامل ہو کر سیاسی بیداری پھیلائے اور فرقہ وارانہ منافرت کی جڑیں کاٹنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ کیونکہ نیشنل کانفرنس کا وجود اس عمل کی تکمیل کے لیے لایا گیا ہے۔ اجلاس میں انہوں نے نیشنل کانفرنس کے ورکروں کے لیے پانچ رہنما اصول واضح کیے۔

۱۔ نیشنل کانفرنس کی تنظیم کو ریاست کے چپہ چپہ میں منظم کرنا۔

۲۔ ریاست کے لوگوں کو اپنے حقوق اور فرائض کی نسبت بیدار کر کے ان کے ذہن میں اس بات کو بٹھانا کہ ہم بحیثیت ریاستی اور بحیثیت ہندوستانی ہر قسم کی سیاسی اور اقتصادی لوٹ گھسوٹ اور غلامی سے آزاد ہونے کا حق رکھتے ہیں اور یہ حق ہم کو بحیثیت ہندوستانی غیر ملکی اقتدار سے مکمل آزادی اور قومی جمہوری حکومت سے

قیام سے ہم اس حق کو پا سکتے ہیں اور اُن حقوق کو حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن قربانی دینا ہمارا فرض ہے۔

۳۔ جنگ کے اثرات اور نتائج سے کھانے پینے اور پہننے اور آئے دن کی استعمال کی دوسری ضروری چیزیں نایاب اور گراں ہو جانے کی وجہ سے عام لوگوں کو جو مصیبتیں درپیش ہیں اُن کو دور کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا۔

۴۔ جنگ کے اُتار چڑھاو سے عام لوگوں میں جو بے چینی بے اطمینانی اور کم ہمتی پیدا ہو جائے اس کو دور کرکے عوام کے اخلاق اور ہمت کو بلند رکھے۔

۵۔ ریاست کے مختلف فرقوں، ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں وغیرہ میں ہمدردی رواداری اور محبت کے جذبات کو بڑھانے اور ان تمام باتوں کو جڑ سے اُکھاڑ دیجیے جو پھوٹ، فرقہ وارانہ نفرت اور جھگڑا پیدا کرنے والی ہوں اور اُن تمام سازشوں کا قلع قمع کیجیے جن کا جال ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے اور باشندگانِ ریاست کے مختلف گروہوں کو آپس میں لڑانے کے لیے پھیلایا جا رہا ہے۔"

تین دنوں کے بعد سالانہ اجلاس اختتام پزیر ہوا تو شیخ عبداللہ جموں میں رکنے کے بعد دہلی روانہ ہو گئے۔

۱۹ اپریل کو سر مہاراج سنگھ نے وزارت اعظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی انتظامیہ کو جس ڈھنگ سے چلانا شروع کیا اس کے ساتھ مہاراجہ ہری سنگھ نے کچھ اتفاق اور کچھ اختلاف کیا۔ اتفاق پر اختلاف غالب آگیا تو ۱۵ اگست کو انہوں نے استعفیٰ پیش کیا۔ ان کی جگہ عارضی طور پر کیلاش نرائن ہکسر کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس ۲۹ ستمبر سے یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء تک سرینگر میں منعقد ہوا۔ اس میں پہلی بار "نیا کشمیر" کا پروگرام پیش کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس کے لاغر جسم میں توانائی لانے کے لیے "نیا کشمیر" کا پروگرام پیش تو کیا گیا لیکن اس طرح بھی جب مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی اکثریت اس جماعت کی طرف مائل نہ ہو سکی تو مختلف طریقے آزمائے گئے۔

پچھلے انتخابات سے فتح یاب ہو کر مسلم کانفرنس نے اپنی صفوں کو مضبوط کرنے اور مسلم کانفرنس کا دائرہ وسیع کرنے کا پروگرام بنایا اس میں انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔

شہر سرینگر میں چونکہ نیشنل کانفرنس کے حامی تعداد میں زیادہ تھے اس لیے وہ مسلم کانفرنس کے اجلاس کو تتر بتر کرنے میں حاوی ہو جاتے تھے۔

۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو مسلم کانفرنس کے تحت عید میلاد النبی صلعم کا ایک عظیم الشان جلوس نکالا یہ جلوس لگ بھگ نصف شہر میں گھمایا گیا۔ جلوس کی قیادت چوہدری غلام عباس خاں کر رہے تھے۔ قریشی محمد یوسف ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

اس جلوس میں پہلی بار "مسلم لیگ اور پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔ نعروں کی اس گونج نے نہ صرف مقامی نیشنل کانفرنسیوں کو مشتعل کیا بلکہ اس سے کانگریسی رہنما سخت تلملائے، سردار پٹیل نے پنڈت نہرو کے پاس جا کر کچھ اس انداز سے شکایت کی جیسا کہ پنڈت نہرو نے ان کو گارنٹی دی تھی کہ شیخ عبداللہ کے ہوتے ہوئے کشمیر میں اس قسم کے حالات پیدا نہیں ہوں گے۔ پنڈت نہرو نے ۲۰ مارچ کو دیوان چمن لال کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ شیخ صاحب سے مل کر کشمیر کے حالات کے بارے میں تفصیلات فراہم کریں۔

شیخ صاحب اور دیوان چمن لال کے درمیان ہوئی گفتگو کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ بات واضح ہوگئی کہ کانگریس کے لیڈر نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کو کشمیر میں اپنی لابی سمجھ کر کشمیر کے ناموافق حالات کے بارے میں اس لابی سے باز پُرس کے اختیارات استعمال میں لاتی تھی۔

کانگریس کے لیڈر شیخ عبداللہ کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے چنانچہ پنڈت نہرو نے خود کشمیر آنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ملک کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی تحریک میں اُلجھنے کی وجہ سے وہ کئی بار کشمیر آنے کی تاریخیں مقرر کر کے ملتوی کرتا رہا۔

اسی دوران جون ۱۹۴۵ء میں جموں میں مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس بلانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع ہو گئی۔ لیکن حکومت نے انہیں جموں میں کانفرنس کرنے کی اجازت نہیں دی، انہوں نے راول کوٹ میں جلسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو یہاں بھی رکاوٹ ڈال دی گئی اس کے بعد اجلاس پونچھ میں کرنے کا اعلان کیا گیا۔

چنانچہ ۶ ماہ جولائی کو پونچھ میں مسلم کانفرنس کا ایک یادگاری عظیم الشان اجلاس ہوا، اجلاس سے قبل مولوی یوسف شاہ کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ ہزاروں

کی تعداد میں لوگ سڑک کے دونوں طرف ان کے چشم براہ تھے۔ سرزمین پونچھ پر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، مسلم کانفرنس زندہ باد کے فلک بوس نعرے بلند ہوتے رہے۔ علاقہ پونچھ کے لوگوں نے پہلے روز میرواعظ مولوی یوسف شاہ کا جلوس نکالا تو دوسرے روز ایسا ہی پُررونق جلوس چوہدری غلام عباس خاں کا نکالا گیا۔ مسلم کانفرنس کے حمایتی اور نمایندگان دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔

تیسرے روز سالانہ جلسہ کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہوا۔ خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا۔ کئی قراردادیں پاس کی گئیں۔ ان میں ایک قرارداد وزیراعظم رام چند کاک جو مسٹر نکسٹر کی جگہ اس عہدے پر تعینات کیے گئے تھے۔ کے بارے میں تھی۔ حاضرین مجلس نے ان پر کئی الزامات عائد کرکے ان پر عدم اعتماد کا ریزولیوشن پاس کیا۔ کیپٹن وزیر گنگا رام کی تعلیمی پالیسی پر ان کی سخت ترین الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی۔ مسلم کانفرنس نے پونچھ میں وحدت ملی کا جھنڈا گاڑ کر یہ ثابت کردیا پونے چار لاکھ مسلمان مسلم کانفرنس کے حامی ہیں۔

اس کانفرنس کی کامیابی کے چرچے دور دور تک ہونے لگے تو پنڈت نہرو نے تمام مصروفیات منسوخ کرکے کشمیر آنے کا فیصلہ کرلیا۔

پنڈت نہرو جب بھی کشمیر آتے وہ خان غفار خاں کو ضرور ساتھ لاتے اب کی بار انہوں نے غفار گاندھی کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور پنجاب کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین احمد کو بھی سرینگر چلنے کو کہا۔

۲۸ جولائی کو پنڈت نہرو سرینگر پہنچ گئے تو ان کے بعد غفار گاندھی، مولانا آزاد اور میاں صاحب ایک ایک کرکے سرینگر تشریف لائے۔

مسلم کانفرنس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں سے لاحق پریشانیوں کو دور کرنے اور عوام پر نیشنل کانفرنس کی گرفت مضبوط ہونے کی تصدیق کے لیے یکم اگست کو ان کا جلوس نکالا گیا۔ نواکدل، زینہ کدل اور عالی کدل میں اُن کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ دریائے جلوس کے دوران مسلم کانفرنسیوں نے زینہ کدل اور عالی کدل کے درمیان سینکڑوں کی تعداد میں پُرانے جوتوں اور چپل کو ایک لمبی رسی میں

پرو کر باندھ رکھا تھا تاکہ جب کانگریس کے لیڈر یہاں سے گزریں تو رسی کاٹ کر اُن جوتوں سے ان کا سواگت کرسکیں، درجنوں لوگ ننگے پاؤں سیاہ جھنڈے لے کر دریا کے کنارے ان کا انتظار کررہے تھے۔ امیرالدین چھینٹ ساز نے مسلم کانفرسیوں کا یہ پروگرام چوپٹ کردیا۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے ہی جوتوں کی رسی کاٹ کر انہیں دریا برد کردیا۔ البتہ سیاہ جھنڈوں کے مظاہرے اور پتھراؤ کو وہ رکوا نہ سکے۔

پتھراؤ سے بہت سارے لوگوں کے ساتھ غفار خاں کا ایک بازو بھی زخمی ہوا تو انہوں نے شیخ صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

"ان بدتمیزوں کو ایسا مزہ چکھانا چاہیے کہ وہ اسے یاد رکھیں۔"

پنڈت نہرو نے غفار خاں کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے فرمایا۔

"شیخ صاحب ان سے نپٹنا جانتے ہیں۔"

پنڈت نہرو کی طرف سے شیخ صاحب کے لیے یہ بات مسکا ثابت ہوئی کیونکہ ان لیڈروں کے واپس جاتے ہی شیخ عبداللہ نے ان سے نپٹنا شروع کیا۔

نیشنل فوج جس میں لاری اڈے کے ڈرائیور، قصائی، ٹانگہ بان اور پھیری والے شامل تھے ان کے ذریعے مسلم کانفرنس، مسلم لیگ اور مسلم سٹوڈنٹس لیگ کے حامیوں کو پکڑ پکڑ کر ایسا زدکوب کرایا گیا کہ بہت سے لوگ زخمی ہوئے کئی لوگ معذور اور ناکارہ ہوگئے۔ جہاں کہیں مسلم کانفرنس، مسلم لیگ اور مسلم سٹوڈنٹس لیگ کا جھنڈا، سائن بورڈ اور دفتر نظر آیا اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

نواب بازار، کرالہ کھڈ، چنکرال محلہ، سونا مسجد، مائسمہ، بٹہ مالنہ، چھتہ بل میں مسلم کانفرنس کے دفتر تحس نحس کردئے گئے۔

اس کے بعد مسلم سکولوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اسلامیہ سکول درگجن اور امیراکدل کو بند کرنے کی دھمکی دی گئی ان سکولوں کے بند کیے جانے کے جواز میں شیخ عبداللہ نے کہا۔ ان سکولوں میں طالب علموں کا ذہن تخریبی بنایا جارہا ہے۔ لہٰذا جتنی جلدی ان کو بند کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ (اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر ۱۹۸۷ء کے الیکشن کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے جماعت اسلامی کی درس گاہوں کو بند کرانے کی دھمکی دی تھی) تو اسلامیہ سکول درگجن کے منتظمین نے بچاؤ کے لیے عدالت

سے رجوع کیا۔ سرکار کی طرف سے اس کی پیروی اسداللہ وکیل نے کی، جبکہ مولوی محمد امین، قریشی محمد یوسف اور عبدالسلام دلال نے ان سکولوں کے بچاؤ میں اہم رول ادا کیا۔



اسداللہ وکیل

اسی دوران شیخ عبداللہ نے درگاہ حضرت بل میں تقریر کے دوران وادی کے مسلمانوں کا بٹوارہ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ لاری اڈے کے ڈرائیوروں کے ہاتھوں مسلم کانفرنسی مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔

اس سے قبل عید کے موقع پر عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہی مسلمانوں کو ختم کرنے کی دھمکی دی تھی۔ شیخ صاحب اگر کسی کو صحیح مسلمان سمجھتے تھے تو صرف نیشنل کانفرنس کے حمائیتیوں کو اور بس ــــ سرینگر شہر میں مسلم کانفرنس کے دفاتر تحس نحس کرانے اور کانفرنسیوں کو پوری طرح دبانے کے بعد جب انہیں اطمینان ہوا کہ اب یہ لوگ کبھی پر نہیں ہلائیں گے تو انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان کو سرینگر آنے کی دعوت دی تاکہ ان کا شایان شان استقبال کروا کر ان کی ناراضگی کو دور کیا جاسکے۔

مسلم کانفرنس کا ۱۹۳۳ء میں وجود میں آتے ہی پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خاں نے شیخ عبداللہ کو مسلم لیگ کے اثر سے نکال کر انہیں کانگریس کے دائرے میں لانے کے لیے کافی دوڑ دھوپ کی۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور میں ان تینوں کی ملاقات کے بعد جب آزادی کی صورت میں کشمیر کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا عہد و پیمان ہوا تو اسی دن سے جہاں شیخ عبداللہ نے مسلم لیگ کی مخالفت اور کانگریس کی حمایت کرنی شروع کی وہاں پنڈت نہرو اور سرحدی گاندھی نے بھی خوب مدح سرائی کی۔

دہلی میں چند روز قیام کرنے کے بعد شیخ صاحب سرینگر آئے تو ورکنگ کمیٹی سے صلح مشورہ کرنے کے بعد ذمہ دار نظام حکومت کا مسودہ تیار کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس نے ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کیا اور اس کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کی طرف

سے تیار کردہ مسودہ جاری کیا گیا۔

"یہ امر اب مسلمہ طور عام ہو چکا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نگاہ میں مکمل تغیر کے لیے ایک مشترکہ اور بین الاقوامی تحریک جاری ہو چکی ہے یہ تحریک اب کسی ایک مخصوص قوم یا طبقے تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں اس ملک میں رہنے والے تمام طبقات اس کے جملہ مآل اور نتائج کو سمجھ بوجھ کر تہ دل سے حصہ لے رہے ہیں کہ ہماری وفاداری ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کی ذات اور آپ کے تخت و تاج کے ساتھ غیر متزلزل طریقے سے وابستہ ہے جس کی نسبت حقائق کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس تحریک کا سیاسی منشا و مقصد اسی قدر ہے کہ جموں وکشمیر کے رہنے والے لوگ ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کے زیر سایہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت حاصل کریں لیکن قومی تحریک کے بانی مبانی ہونے کی حیثیت میں اس چیز کو اپنا پہلا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ابنائے وطن اور اس امر میں دلچسپی لینے والے دیگر لوگوں کو مطلع کر دیں کہ فوری طور ہمارے پیش نظر کیا مقاصد ہیں ان وجوہات کی بناء پر ہم اس اعلان کو شائع کرتے ہیں اور ہمیں مخلصانہ اعتماد ہے کہ یہ اعلان نہ صرف ہمارے فوری مقاصد اور مطالب کو متعلقہ لوگوں تک پہنچا دے گا بلکہ یہ ان تمام غلط فہمیوں کا بھی خاتمہ کر دے گا جو دیدہ و دانستہ بعض غرض مند لوگوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں۔ ہماری تحریک دراصل ایک امن پسند اور خیر خواہانہ تحریک ہے اس کا فوری مقصد یہ ہے کہ شہریت کے ابتدائی اور بنیادی حقوق ریاست جموں وکشمیر میں حاصل کیے جائیں اس تحریک کے ذریعہ ریاست جموں وکشمیر میں ایک ایسا ماحول اور فضا پیدا کرنے کی جدو جہد جاری کی گئی ہے جو اس ملک کو ایسی حدود میں لے آئے کہ مہاراجہ بہادر کی رعایا کا کمزور سے کمزور فرد بھی اپنی قسمت بنانے کی سعی میں ذمہ دارانہ حصہ لے سکے، ہمارے مطالبات معقول ترین مطالبات ہیں اور اُن کی پشت پر عدل وانصاف اور دلائل کی طاقت موجود ہے ہم اپنی بے بسی سے اچھی طرح سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ

حکومت اپنی منشا و خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہمارے بالمقابل پوری طرح سے مسلح ہے اور وہ اپنے ارادوں اور ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔

لیکن ہم پنڈت موتی لال نہرو کے روح پرور الفاظ میں یہ کہیں گے کہ "ہمارے جسم کو چاہے کتنا ہی کمزور اور ناتواں بنا یا جائے لیکن نہ ہماری روح کبھی کچلی جا سکتی ہے اور نہ کبھی کچلی جا سکے گی۔" ہماری تحریک کے پس پشت بے پناہ قوت موجود ہے یہ قوت بھوک اور بدحالی کی قوت ہے جو اس تحریک کو باوجود غیر موافق حالات کے آگے بڑھائے چلی جا رہی ہے ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور غیر تعلیم یافتہ عوام میں روز بروز بڑھتی ہوئی خطرناک بے روزگاری، ٹیکسوں کی بھرمار، اراضی کے ناقابل برداشت لگان کا بوجھ، جدید طرز کی موزوں طبی امداد کی عدم موجودگی میں انسانی جانوں کا لرزہ خیز اتلاف حدود ریاست سے باہر ہزارہا لاوارث مزدوروں کی مصیبت زدہ حالت کی موجودگی اور ان سب کے بالمقابل حکومت جموں و کشمیر کا غیر ملکی سرمایہ داروں کی مالی سرپرستی کرنا اور پھر ریاست کا سرگراں نظام حکومت غرض ساری چیزیں ہمیں بتلاتی ہیں کہ موجودہ حالات کی اصلاح اس وقت تک ناممکن ہے جب تک موجودہ نظام حکومت کے طریقہ کار اور بنیادی اصول میں مکمل و موثر تبدیلی نہ کر دی جائے۔

دنیا اس وقت ارتقائی منازل کے دور سے گزر رہی ہے جو نظام کل تک رائج تھے آج انہیں فرسودہ اور متروک قرار دیا جا رہا ہے۔ نئی نویلی اور تازہ ترین طاقتیں منصہ شہود پر جلوہ نما ہو رہی ہیں۔ ہندوستان کے صوبہ جات میں مکمل خود مختاری رائج کر دی گئی ہے اور عنقریب ہی وہاں کے مرکز میں بھی ذمہ داری عطا کر دی جائے گی یہ سب کے سب صوبے ہمارے پڑوسی ہیں اور ان میں سے بعض کسی صورت میں بلحاظ آزادی اور کیا بلحاظ تعلیم اور دیگر معاملات میں ریاست جموں و کشمیر کے مقابلے میں کسی ترجیح کے مستحق نہیں ہیں۔

کیا ان واقعات سے ہم متاثر ہوئے بغیر رہ سکتے ہیں جب کوئی مدعا

اور نصب العین انسانی دلوں میں اپنی جڑیں پھیلاتا ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دینا کسی طاقت کے امکان میں نہیں رہتا۔

ہم سب اس امر کو جانتے ہیں کہ ایک نصب العین دنیا میں پھیل چکا ہے جو تمام بارود بھری طاقتوں سے زیادہ طاقت ور ہے اس دلیل کی طاقت کا یہ نتیجہ ہے کہ لارڈ ونٹرٹن اور لارڈ لوتھین ایسے برطانوی سیاست دانوں کے قلوب اس سے متاثر ہوئے ہیں، انہوں نے متعدد بار ہندوستانی ریاستوں کے رعایا کے جذبات اور حقیقی مطالبات کے ساتھ گہری ہمدردی اور ہم آہنگی کا اظہار کیا۔

ہمارے نصب العین نیکی، معقولیت اور انصاف پسندی کے تمام اوصاف کا حامل ہے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی قسمتوں کا بنانا ہمارے اپنے ہاتھوں میں رہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کی مشفقانہ سرپرستی میں اپنے تمام امور کی اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق طے کریں ان پاکیزہ عزائم کو ہم اس وقت تک بروئے کار نہیں لا سکتے۔ جب تک نظام حکومت کے طور طریقوں میں موزوں تبدیلی پیدا نہ کر دی جائے اس نتیجہ پر پہنچ کر مذکورہ بالا تغیر کے بغیر ریاست کی اقوام کا فرداً فرداً اور پورے ملک کا اجتماعی طور پر ترقی یاب ہونا غیر ممکن ہے۔ بوجوہات مذکورہ ہمارا پختہ یقین ہو چکا ہے کہ حضور مہاراجہ بہادر کی حکومت مزید وقت ضائع کیے بغیر حسب ذیل سانچہ کے مطابق ڈھال دی جائے۔

(ک) ریاست کے موجودہ طرز حکومت کے بجائے ایک ذمہ دار نظام حکومت قائم کی جائے جس پر عام اقتدار ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کا ہو اور تفصیلات ذیل کے مطابق ہز ہائی نیس کو اختیارات خصوصی حاصل رہیں۔

(ب) کابینہ وزارت جموں و کشمیر کی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہو اور اسی جواب دہی اور ذمہ داری کے تابع ریاست کی آمدن اور اخراجات اور آمدنی کی تقسیم اور دیگر جائداد، جو بحالت موجودہ سٹیٹ کونسل کے ماتحت بحیثیت "مدات محفوظ" رکھے گئے ہیں۔ ان پر وزارت

کو پورا اختیار ہو بجز حسب ذیل اخراجات کے جو صرف ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کے زیر اقتدار رہیں گے۔

۱۔ ریاست کی افواج کے اخراجات

۲۔ وہ اخراجات جنہیں سیاسی اور خارجی اخراجات کی مدات میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

۳۔ حکومت جموں وکشمیر کے اُن تمام قرضہ جات اور واجبات کی ادائیگی جن کے معاہدات قانونی طور مہاراجہ بہادر کی کونسل نے منظور کیے۔

۴۔ دھرم ارتھ ٹرسٹ

(ج) نظام حکومت کے تمام شعبہ جات میں مجلس قانون کے سامنے جواب دہی کے اصول کو رائج کیا جائے گا۔ بدیں شرائط کہ تمام اقتدار محفوظ اور مخصوص اختیارات افواج، محکمہ خارجہ، محکمہ سیاسی پر ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کو حاصل رہیں گے البتہ افواج اور محکمہ خارجہ اور محکمہ سیاسی کے لئے ہز ہائی نیس کی طرف سے تجویز کردہ اقوام مجلس قانون ساز میں رائے کے لیے پیش ہوں گی۔ لیکن اخراجات کی ایک خاص حد تک جنہیں مہاراجہ بہادر کو اسمبلی کے فیصلہ سے اختلاف کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

(د) مجلس قانون ساز کلی طور پر ایسے حلقہ جات سے منتخب شدہ اراکان پر مشتمل ہوگی جو حلقہ جات حق رائے دہی بالغان کی بنیاد پر قائم کیے جائیں گے مجلس قانون ساز میں انتخابی بنیادوں پر مزدوروں، تاجروں، بڑے زمین داروں اور تعلیمی اداروں کے مفاد کی نمائندگی کا انتظام کیا جائے گا۔

(ہ) مجلس قانون ساز کا انتخاب مخلوط بنیادوں پر ہوگا اور اقلیتوں کو ان کے جائز لسانی، مذہبی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی تحفظات اور پاسنگ دئے جائیں گے۔ مزید برآں تمام اقوام کے مذہبی حقوق اور جذبات کا تقدس ہمیشہ ملحوظ رہے گا۔ اور اس میں کوئی مداخلت نہ ہوگی۔

(و) ریاست کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت رنگ و نسل حفاظتی افواج میں بھرتی ہونے کے مستحق ہوں گے اور اس مقصد کی تکمیل کے

کے لیے ایک وزیر جو اسمبلی سے منتخب ہوگا مہاراجہ بہادر کی اعانت کرے گا۔

(ز) ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کی رعایا کا کوئی بھی فرد ضمیر کی آزادی حق جائداد، حق انجمن سازی، تحریر و تقریر سے روکا نہیں جاسکے گا۔ بجز اس صورت میں کہ ریاست کی کسی عام عدالت نے ایسا حکم دیا ہو۔

ہم نے خلاصہ کے طور پر اپنے فوری مقاصد کو پیش کر دیا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ محض مانگنے سے ہی مطالبات ہمیں نہیں دئے جائیں گے۔ اس میں حکومت کی مدبرانہ فراخ دلی کی ضرورت ہے ہمارے مخلصانہ خواہش ہے کہ حکمران، عوام کے منتخب نمائندے ہوں، گورنمنٹ چاہے تو مذکورہ قومی مطالبہ کو قبول کرنے کا اعلان کر سکتی ہے۔ مہاراجہ بہادر کی حکومت ہمارے ساتھ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں بات چیت کرنا چاہتی ہو تو ہم تہہ دل سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔

دستخط کنندگان

شیخ محمد عبداللہ، صدر نیشنل کانفرنس

پنڈت کیشپ بندھو، ایڈیٹر کیسری

سردار بدھ سنگھ۔ سابقہ ممبر اسمبلی

پنڈت جیالال کلم۔ صدر بار ایسوسی ایشن کشمیر

پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ ممبر گلانسی کمیشن

خواجہ غلام محمد صادق۔ ممبر اسمبلی

مولوی محمد سعید مسعودی۔ ممبر اسمبلی و میونسپل کمشنر

پنڈت شیام لال صراف۔ صدر کشمیر ہندو پروگریسو پارٹی

میاں احمد یار خاں۔ ممبر اسمبلی

ڈاکٹر شمبھو ناتھ پشن۔ ایم۔بی۔بی۔ایس

مرزا محمد افضل بیگ۔ ممبر اسمبلی

بخشی غلام محمد۔ سالار اعظم



پنڈت نہرو کا کہنا ہے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ہمیں مہاتما گاندھی کا اعتماد اور آشیرواد ہمیشہ شامل رہا۔

باب ــــ ۲

کشمیر کی سیاست میں نیشنل کانفرنس اور انڈین کانگریس کا رول

سمجھائے کون بلبل غفلت شعار کو
محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو

جُزْ

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

نیشنل کانفرنس اور انڈین کانگریس
دو جسم مگر ایک جان ہیں ہم

تحریک حریت کشمیر ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک جب تک نیشنل کانفرنس کا جنم ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ ایک جونیئر لیڈر تھے اور اس حیثیت سے وہ لیڈران قوم کی آخری صف میں رہا کرتے تھے۔ لیکن کانگریس کے ساتھ ساز باز کے بعد انہیں آہستہ آہستہ پچھلی صف سے نکال کر اگلی صف میں لایا گیا۔

چنانچہ سوپور کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خاں نے اُن صف اول کے لیڈروں میں سے ایک کا بھی نام زبان پر نہ لایا جو تحریک کے روح رواں تھے اور اُن میں سے بعض سوپور اجلاس میں بھی موجود تھے۔

ان کی نظروں میں اوّل اور آخر شیخ عبداللہ ایک ایسے لیڈر تھے جو حقیقی معنوں میں یہاں اُن کے مفاد کی رکھوالی کر رہے تھے۔

دراصل کانگریس کے لیڈروں کا مشن بھی یہی تھا کہ شیخ عبداللہ نمبر ون لیڈر بن کر رہے تاکہ وقت ضرورت بغیر کسی رکاوٹ کے وہ ان کے کام آسکیں۔ سرینگر اور سوپور میں کانگریسی رہنماؤں کو اطمینان دلانے کے بعد جب نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ مسلم کانفرنس کو دبانے میں کامیاب ہوئی تو انہوں نے میدان جنگ کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہ واقعی سرد پڑ چکا تھا۔

ڈوگرہ حکومت اس بات پر شاداں نظر آرہی تھی کہ وادی میں مسلمان جو تحریک ڈوگرہ راج کے خلاف چلا رہے تھے وہ تحریک انہوں نے اپنے ہی خلاف موڑ دی۔

بعض مسلم رہنما اس بات پر پشیمان تھے کہ تحریک نے یہ کیسا موڑ اختیار کر لیا جس موڑ پر آکر ہم اپنی اصلی راہ سے بھٹک گئے۔

نیشنل کانفرنس مدتوں تک مسلم کانفرنس کے ساتھ نبرد آزمارہ کر اب تھکاوٹ سی محسوس کر رہی تھی اور یہ تھکاوٹ جب آہستہ آہستہ دور ہو گئی تو ڈوگرہ راج کے خلاف لڑنے کے لیے یہ لیڈرشپ پر تولنے لگی۔

ڈوگرہ راج کے خلاف دوبارہ تحریک شروع کرنے کے لیے بہانہ تو چاہیے اور بہانہ بھی ایسا ہو کہ لوگ ایسے اُٹھ جائیں کہ بیٹھنے کا نام بھی نہ لیں۔ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو نمائش گاہ سرینگر میں وائسرائے ہند کی بیوی لیڈی ڈیول اور مہارانی تارا دیوی آرہی تھیں۔ ان کے لیے نمائش گاہ کو خوب سجایا گیا تھا۔

اس روز شام سات بجے کے قریب شیخ عبداللہ غلام احمد قرہ کے گھر آگئے۔ ان کے ہمراہ مرزا افضل بیگ بھی تھے۔ یہاں سے انہوں نے قرہ صاحب کے گھریلو نوکر کو نمائش گاہ بھیجدیا تاکہ وہ دیکھیں وہاں کوئی فساد تو نہیں ہوا، گھریلو نوکر آدھ گھنٹے کے بعد واپس آیا تو انہوں نے بتایا، وہاں حالات ٹھیک ہیں۔ کسی قسم کا دنگا فساد نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نوکر کو پھر حالات دیکھنے بھیج دیا گیا تو یہ الٹے پاؤں واپس آکر بولا، وہاں زبردست دنگا فساد ہوا ہے۔

ٹیکنیکل کالج کے اسٹال پر کسی کی نظر چند نقلی تصویروں پر پڑی جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰےؐ صلعم اور علیؓ، فاطمہؓ، حسن وحسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منسوب تھیں ان فرضی تصویروں پر فوری طور قبضہ کر لیا گیا۔

نعرۂ تکبیر کے ساتھ مسلمان جمع ہو گئے۔ سٹال پر حملہ کر کے اس کا سارا سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔ آناً فاناً سارے شہر میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی ملٹری اور پولیس نے شہر کو گھیر لیا، چیف آف آرمی سٹاف، گورنر اور چند وزیر ایک کے بعد ایک موقعہ پر آئے انہوں نے حکومت کی طرف سے معافی مانگ کر عوام کو پُرامن رہنے کی تلقین کی تاکہ اس فتنہ کے جگانے کے اسباب معلوم کیے جاسکیں، گورنر نے ٹیکنیکل کالج کے انچارج مسٹر کھانڈے خان کو طلب کیا تاکہ ان سے اس واقعہ کے اسباب حاصل کیے جاسکیں۔ حالات قابو سے باہر ہونے لگے تو نمائش گاہ کا کنٹرول ملٹری نے سنبھالا۔

شیخ عبداللہ، مرزا افضل بیگ اور غلام محی الدین قرہ کے ہمراہ یہاں آئے تو گورنر اور ریاستی وزیر جی۔ ایم میکھری سے حالات معلوم کرنے کے بعد مشتعل ہجوم کو جذبات قابو میں رکھنے کو کہا۔ انہوں نے لوگوں کو نمائش گاہ سے نکال کر امیراکدل چلنے کو کہا۔ امیراکدل میں انہوں نے لوگوں کے ہجوم سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"جن بدبختوں کی یہ حرکت ہے اُن کی فوری طور نشاندہی کی جانی چاہیے۔ اگر حکومت اس میں کامیاب نہیں ہوئی تو یہ کام ہم خود اپنے ہاتھ میں لے لیں گے ، لوگ کل بطور احتجاج مکمل ہڑتال کریں گے۔"

اگلے روز اس نازیبا حرکت کے خلاف سارے شہر میں مکمل ہڑتال رہی، تمام دوکانیں اور گاڑیاں بند ہو گئیں۔ سکول اور کالج بند ہو گئے۔ عوام کے ساتھ ساتھ سکول اور کالج کے طلباء نے بھی احتجاجی جلوس نکالے۔

سرائے بالا میں لوگوں کے احتجاج سے خطاب فرماتے ہوئے شیخ صاحب نے تلقین کی کہ وہ اس منحوس واقعہ سے مشتعل ہو کر ایسی حرکت نہ کریں جس سے دوسرے فرقوں کی دل آزاری ہو، حکومت اس واقعہ کی تحقیقات کر رہی ہے۔

اس موقعہ پر شیخ صاحب نے حکومت کی طرف سے اس واقعہ کے بارے میں پیش کیا گیا معافی نامہ ترجمہ کر کے کشمیری میں سنا دیا۔

انہوں نے جلسہ کے اختتام پر تقریر کا رخ برصغیر کی سیاست پر موڑ دیا شیخ صاحب نے نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے مسلم لیگ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ کانگریس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے انہوں نے سرکار انگلشیہ سے آزاد ہند فوج پر مقدمہ واپس لینے کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ کا ریزولیوشن اسی اجتماع میں پاس کرایا۔

عام لوگوں نے سرکار انگلشیہ اور آزاد ہند فوج میں کوئی دلچسپی نہیں لی، وہ صرف اتنا جاننا چاہتے تھے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ، علی کرم اللہ وجہہ، فاطمہ طہرہؓ اور حسینؓ کی توہین کس نے کی، کیوں کی؟

لوگ اصلی مجرم کو پیش کرو کے نعرے لگا رہے تھے۔

مسلمانوں کی طرف سے تشدد پر اُتر آنے کے باوجود حکومت نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ حکومت کی طرف سے بار بار اعلان کرایا گیا کہ مجرموں کا پتہ لگوایا جائے گا اور انہیں

کڑی سے کڑی سزا دی جائے گی۔

لیکن عوام حکومت کی اس یقین دہانی کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے۔

شہر سرینگر میں فسادات بھڑک اُٹھنے کے بعد جب ان کی چنگاریاں آس پاس کے علاقوں میں بھی پھیل گئیں تو حکومت کو فسادات پر قابو پانے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ لیکن اب کی بار حکومت نے طاقت استعمال کرنے میں بے حد احتیاط سے کام لیا۔

جلسے جلوس اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو آہستہ آہستہ تھم گیا۔ اس لیے کہ شیخ عبداللہ کو دہلی جانا پڑا، انہی دنوں اودھے پور میں آل انڈیا سٹیٹ پیپلز کانفرنس کا سالانہ اجلاس پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ اُودھے پور کے اجلاس کے بعد شیخ صاحب ملک کے کئی حصّوں کا دورہ کرتے نکلے۔ وہ جہاں جہاں بھی گئے کانگریس کی طرف سے ان کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ ہندوستان میں قیام کے دوران وہ کانگریس کے رنگ میں رنگ گئے اس کا اعتراف تحریک حریت میں ان کے دیرینہ ساتھی منشی نصیرالدین نے اپنی کتاب "تاریخ جنگ آزادی" میں اس طرح کیا ہے۔

"ہندوستان کے مختلف شہروں کے دورے کے دوران جہاں ان کے پنڈال سے ان کی بے لوث قیادت ان کی نڈرتا اور بے باکی کے قصیدے پڑھے جاتے اور ان کی تعریفوں کے طومار باندھے جاتے وہاں مسلم لیگ کے حلقوں سے انہیں قومی کاز سے غدّاری کرنے کانگریس کے ہاتھوں بک جانے کے الزامات لگائے گئے۔ انہیں ملّت فروش کہا گیا"۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد جب آپ دہلی واپس پہنچ گئے تو پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت صدر آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے چمفورڈ کلب میں ایک پریس کانفرنس دی جس میں دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے اخباری نمائندوں نے شرکت کی، کانفرنس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا۔

"برطانوی ہند کی آزادی میں لازماً ہندوستانی ریاستوں کی آزادی شامل ہونی چاہیے ورنہ ہندوستان میں قیام امن ناممکن ہے۔"

اس موقع پر کانفرنس کے نائب صدر شیخ محمد عبداللہ نے مختلف سوالات کا جواب دیتے

ہوئے کہا۔

"ہم مکمل حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ اگر حق خود ارادیت کو صرف مذہبی بنیادوں پر عمل میں لایا گیا تو ایسی صورت میں مناسب نہیں ہو سکتی یہ صورت خطرناک اور رجعت پسندانہ ہو گی، ہیں بے شک متحدہ ہندوستان کا خواہاں ہوں گا جس میں ہماری قسمت کی نگرانی اور رہبری موثر طریقے سے ہو سکے۔ لیکن وہ یک جہتی جابرانہ نوعیت کی نہیں بلکہ رضامندانہ ہونی چاہیے۔ ریاستوں کے باشندے اب پہلے سے زیادہ بیدار ہو چکے ہیں۔ اور اُن میں وسیع سیاسی بیداری ہو چکی ہے۔"

شیخ عبداللہ نے جب اشارتاً کہا ہم نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے تو امریکی صحافی نے اُن سے پوچھا۔

"نیشنل کانفرنس کتنے لوگوں کی نمائندہ جماعت ہے؟"

قبل اس کے کہ شیخ صاحب کوئی جواب دیتے پنڈت نہرو نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو نیشنل کانفرنس کی طاقت جاننے کا شوق ہے تو اس کے لیے آپ کو کشمیر جانا پڑے گا وہاں پر آپ کو خود پتہ چلے گا نیشنل کانفرنس کتنی طاقت رکھتی ہے۔"

شیخ صاحب دہلی سے سرینگر تشریف لائے تو حسب روایت ان کا شایان شان استقبال کیا گیا۔ ان کے استقبال میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کی تعداد خاصی کم تھی۔ لیکن استقبال میں کسی بھی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ شیخ صاحب اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں اپنی پارٹی کے عہدیداروں کے ساتھ تبادلہ خیالات کر رہے تھے کہ عید میلاد النبیؐ کے جلوس پر بعض شرپسند غیر مسلموں کے پتھر پھینکنے سے ہندو مسلم فساد بھڑک اُٹھا۔ اس فساد سے درجنوں افراد زخمی ہوئے، ابھی یہ زخم تازہ ہی تھے کہ بدلے کی کارروائی میں جنم اشٹمی کے موقع پر مسلم شرپسندوں نے غیر مسلموں کے جلوس پر پتھراؤ کیا دیکھتے ہی دیکھتے فساد نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی کہ پانچ آدمی جاں بحق ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگ زخمی ہو گئے۔ بعض شدید زخمیوں کو ہسپتال میں داخل کرانا پڑا۔

شہر میں فرقہ وارانہ فسادات نے ایسی گمبھیر صورت اختیار کر لی کہ مسلمان علاقوں

سے پنڈت چلنے سے ہچکچائے اور پنڈت علاقوں سے مسلمان چلنے سے پرہیز کرنے لگے۔

وادی میں حالات ایسا رُخ اختیار کر گئے کہ نیشنل کانفرنس کے بعض سرکردہ اشخاص اسقدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے دو قومی نظریہ پر دوبارہ غور و خوض کرنا شروع کیا۔ نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈر برملا کہنے لگے کہ ریاست میں نیشنلزم کا تجربہ ناکام ہوا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ ہمارے لیے کونسا راستہ موزوں ہے؟

نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں جب بیشتر ممبران سے رائے لینے کے لیے اجلاس بلانے کی تجویز پیش کی گئی تو شیخ صاحب نے ایسے اجلاس کی شدید مخالفت کی، لیکن شیخ صاحب کو صاف صاف کہہ دیا گیا کہ غیر مسلموں نے تا حال نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں سے اس سلسلے میں رائے طلب کی ہے۔

قبل اس کے کہ مکمل طور پر اُن کی رائے معلوم ہو سکے کئی سرگرم کارکنوں نے پنڈت رہنماؤں اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک خصوصی میٹنگ کا انتظام کرایا جہاں شیخ صاحب نے پنڈت رہنماؤں کے سامنے شکوہ کیا کہ "آپ لوگ ہمیں اپنا تعاون نہیں دے رہے ہیں جس کی وجہ سے مجھ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ یہاں نیشنل ازم کا تجربہ ناکام ہوا ہے لہٰذا مجھے دوبارہ مسلم کانفرنس میں شامل ہونا چاہیے اگر آپ اب بھی میرے ہاتھ مضبوط کرنے میں مخلص ہیں تو میں پہلے کی طرح مسلم کانفرنس کی یہ تجویز مسترد کر سکتا ہوں۔

ان پنڈت رہنماؤں نے شکایت کی کہ نیشنل کانفرنس پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں اور ہمیں اہم مسائل کے دوران اپنے اعتماد میں نہیں لیتے۔ ایسی صورت میں ہمارا تعاون کس کام کا۔ پنڈت لوگ ناراض ہیں کہ ہم نیشنل کانفرنس میں شامل ہو کر ان کا ایک بھی مسئلہ حل نہیں کرا سکے ہیں۔

شیخ صاحب نے حاضرین سے کہا میں پنڈت برادری کو خود بھی سمجھا سکتا ہوں کہ جب تک مشترکہ اہم مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ تب تک ذاتی مسائل حل نہیں کرائے جا سکتے۔ چنانچہ اس کے لیے انہوں نے پنڈت اکثریت والے علاقوں میں تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ سلسلے کی پہلی تقریر رعناواری سرینگر میں کی، شیخ صاحب پہلی بار اسٹیج پر ٹیکہ لگا کر آئے اور خلاف معمول پہلی بار انہوں نے تقریر سے قبل قرآنی آیات کی تلاوت سے پرہیز کیا۔ اس کے بدلے انہوں نے گیتا کے چند شلوک غلط تلفظ میں پڑھ کر سنائے اور آخر میں "ہر ہر مہادیو"

کا نعرہ بھی لگایا۔

اس کے باوجود پنڈتوں کی طرف سے انہیں کوئی رسپانڈ نہیں ملا۔ اور انہوں نے پنڈت علاقوں میں جا کر تقاریر کرنے کا سلسلہ یہیں پر منقطع کیا۔ اپنی ناکام اداکاری پر وہ خود ہی مایوس ہو گئے اور دوسروں کو بھی مایوس کرایا۔

شیخ صاحب کی مایوس کُن صورت حال دیکھ کر کئی ساتھیوں نے ان سے واپس مسلم کانفرنس میں آنے کی پیش کش کی انہوں نے مسلم کانفرنس میں جانے کے بجائے دونوں پارٹیوں کا متحدہ محاذ بنانے کی تجویز پیش کی، چوہدری غلام عباس خاں نے اس شرط پر تجویز مان لی کہ وہ غیر مسلموں کو چھوڑ دیں گے۔ شیخ عبداللہ کے لیے کشمیری پنڈتوں کو چھوڑنا پنڈت نہرو کو چھوڑنے کے مترادف تھا اور پنڈت نہرو کو ناراض کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ چنانچہ بات چیت ٹوٹ گئی۔

اس بات چیت کے بارے میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اخبار "ہمدرد" کی ۱۸ مئی ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے۔

"گذشتہ چند دنوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی مسلم کانفرنسیوں نے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی نیشنل کانفرنس کے سابق مسلم کش ریکارڈ کو بھول کر محض اس لیے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے ڈوگرہ ہندو راج کے خلاف آواز بلند کر دی ہے۔ کئی مسلم کانفرنسی یہ بھی سمجھنے لگے تھے کہ شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقاء مسلم کانفرنس میں شامل ہونے والے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کانفرنس کے اندر سنجیدہ اور عاقبت اندیش عنصر کو فتح حاصل ہوئی ہے اور مسلم کانفرنسی سمجھ گئے ہیں کہ شیخ عبداللہ نے جو نیا جال بچھایا ہے وہ مسلمان ریاست کی ترقی یا آزادی کے لیے ہے اس لیے مسلمانوں کو کسی صورت میں ان کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔"

پنڈت پریم ناتھ بزاز ان دنوں ایم۔ این رائے کی سوشلسٹ پارٹی کے حامی بن گئے تھے اور وہ کانگریسی نظام سے اختلاف رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے شیخ عبداللہ اور پریم ناتھ بزاز کے درمیان نظریاتی اختلافات کے بعد دونوں کے الگ الگ راستے ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ سے اخبار "ہمدرد"، جو پہلے نیشنل کانفرنس کا آفیشل آرگن تھا اب اسی نیشنل

کانفرنس کی مخالفت کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے تھا۔

اخبار "ہمدرد" کی جگہ شیخ عبداللہ نے اخبار "خدمت" اجراء کر کے اسے نیشنل کانفرنس کا آرگن بنا دیا جس کی ادارت مولانا محمد سعید مسعودی اور غلام احمد کشفی کے سپرد تھی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے سوشلسٹ بن کر اپنا سارا زور شیخ عبداللہ کی من مانی اور آمرانہ پالیسی کے خلاف استعمال کیا۔ اخبار "ہمدرد" میں نیشنل کانفرنس کو نازی ازم سے تعبیر کیا گیا اور شیخ عبداللہ کے خلاف نظم و نثر میں ایسا مواد شائع ہونے لگا جس سے ان کی پوزیشن مضحکہ خیز ہونے لگی۔ شیخ عبداللہ کے خلاف سودا بازی اور دوسرے ایسے الزامات لگائے گئے جن کا انہیں کوئی جواب نہ بن پڑا چنانچہ پریم ناتھ بزاز کو جان سے ختم کرنے کی ایک سازش تیار کر لی گئی، اس سازش میں ان کے شریک کار بخشی غلام محمد تھے۔ بخشی غلام محمد کے ذریعے پستول حاصل کیا گیا۔ لیکن یہ قاتلانہ حملہ پنڈت پریم ناتھ بزاز پر کس نے کیا اس کا پتہ بخشی صاحب کو بھی نہ چل سکا۔

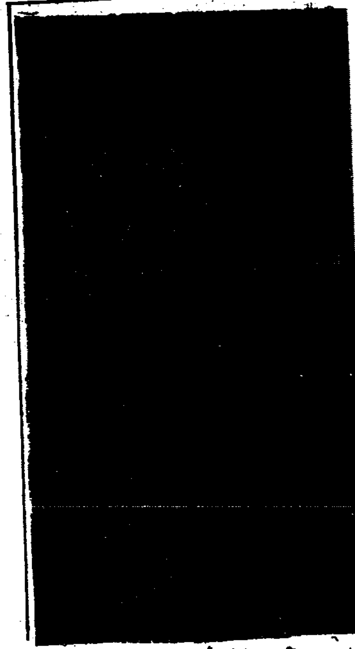
کہا جاتا ہے کہ یہ کام غلام قادر گاندربلی نے کیا جنہیں بعد میں اس کا بہترین صلہ دیا گیا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو شام کے سائے پھیلنے کے بعد ریڈ کراس روڈ پر انہیں گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ البتہ فوری طور پر انہیں ہسپتال پہنچانے اور آپریشن کیے جانے کے کارن وہ جان سے بچ گئے اور نامور سرجن ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ان کا کامیاب آپریشن کر کے انہیں موت کے منہ سے واپس نکال لایا۔

۱۹۴۷ء سے قبل علاقہ جموں میں نیشنل کانفرنس کا کوئی موثر ڈھانچہ نہ بن سکا۔ ڈوگرہ علاقوں میں اس تنظیم کے حمایتی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ نہ کبھی انہوں نے کسی تحریک میں حصہ لیا نہ کبھی وہ گرفتار ہوئے۔ نہ کبھی انہوں نے کوئی جلسہ یا مظاہرہ کیا اور نہ ہی کبھی کسی سرگرمی سے حصہ لیا ایک لحاظ سے وہ صرف برائے نام اس جماعت کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان افراد نے نیشنل کانفرنس میں شمولیت سے پہلے کانگریس کمیٹی کے نام پر ایک ڈھانچہ کھڑا کیا تھا جس کا مہاراجہ اور اس کی حکومت کے اشاروں پر لوگوں کو نیشنل کانفرنس میں شمولیت سے روکنا تھا اور مہاراجہ کو تحریک آزادی ہند کا ایک حمایتی ظاہر کر کے اُس کی ثنا خوانی کرنا اور نیشنل کانفرنس کی دشنام طرازی کرنا تھا۔

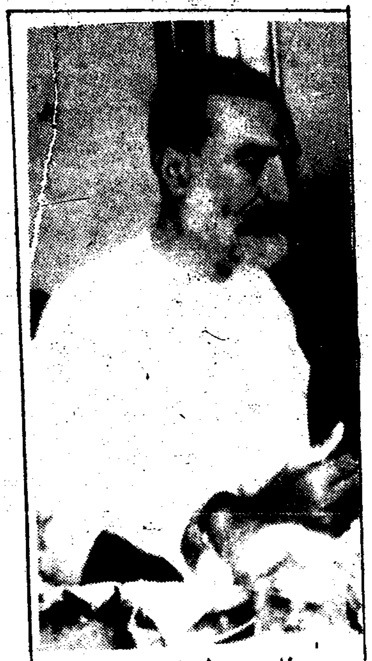
اس کے باوجود ان کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔

جب ۱۹۴۲ء کے اوائل میں پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان جموں آئے تو انہوں نے رانی تالاب کے جلسے میں واضح طور پر اعلان کیا کہ جموں و کشمیر میں کانگریس کی کوئی تنظیم موجود نہیں اگر کوئی اپنی وابستگی کانگریس سے ظاہر کرتا ہے تو اُسے نیشنل کانفرنس میں شامل ہو جانا چاہیے۔

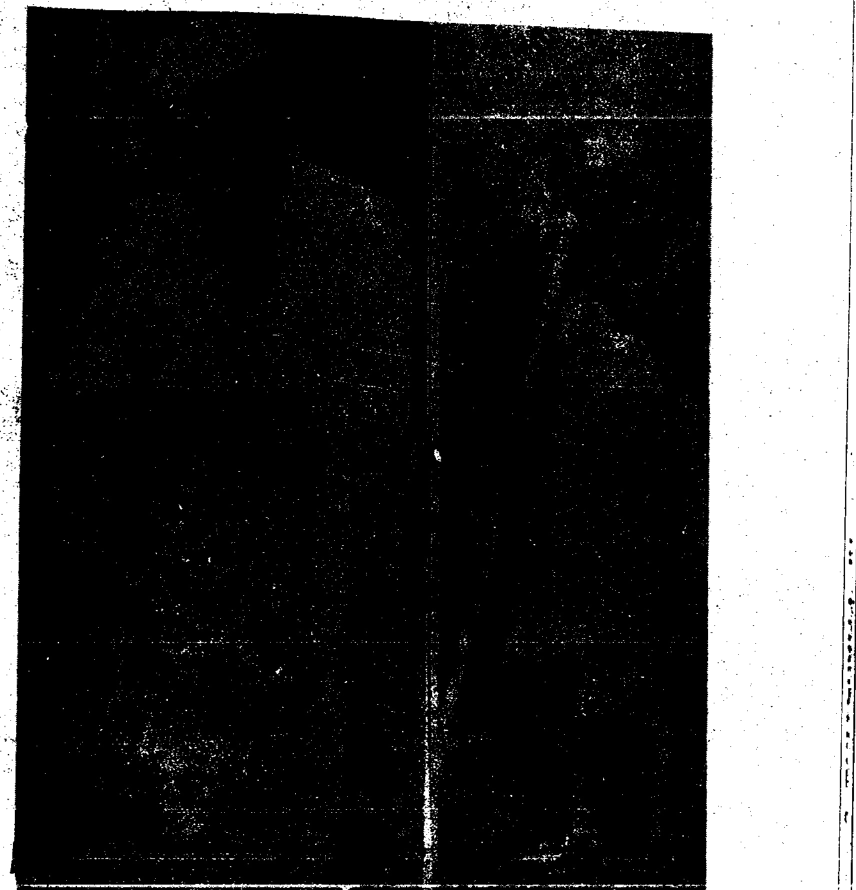
اس سے صاف ظاہر ہے کہ کانگریس کے رہنما نیشنل کانفرنس اور کانگریس میں کوئی فرق نہیں دیکھ رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس کو یہ کانگریس کی ہی ایک شاخ سمجھتے تھے یہ دو جسم ضرور تھے مگر ایک جان تھے۔



جواہر لال نہرو



خان عبدالغفار خان



کوئیٹ کشمیر کے بارے میں گاندھی جی اور نہرو جی الگ الگ نظریہ رکھتے تھے۔

تیرگی ہی تیرگی ہر سمت ہے چھائی ہوئی
ہم نے آنکھیں بند کر لیں ہوش میں آنے کے بعد

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک کا پس منظر
"نیا کشمیر" کا منشور

بمبئی میں کانگریس کمیٹی کی طرف سے جو اجلاس ۱۸ اگست ۱۹۴۲ء میں ہوا اس میں متفقہ طور پر "ہندوستان چھوڑ دو" کی تجویز منظور ہوئی۔ کرپس مشن کی ناکامی کا ردعمل کانگریس کے ذہن پر بہت زیادہ ہوا۔

مہاتما گاندھی مصالحت کے راستے سے قطعی مایوس ہو گئے۔

"ہندوستان چھوڑ دو" تحریک زور پکڑنے لگی تو کمیونسٹ سرگرمیاں ریاست کی طرف رخ اختیار کرنے لگیں۔ ۱۳ جولائی ۱۹۴۲ء کو یوم شہداء کے موقعہ پر نیشنل کانفرنس پر اشتراکی نظریات کے حامی گروپ نے اپنے وجود کا احساس دلانے کے لیے شہداء کے اعزاز میں جلوس کے دوران روس اور چین کے مجاہدین کے حق میں نعرے بلند کیے۔

روس کی جنگ عوام کی جنگ اور عوام کی جنگ ہماری جنگ کا مظاہرہ بھرپور انداز میں کیا گیا۔ ۱۳ جولائی کے اس جلوس میں پہلی بار اشتراکی نظریات کا پرچار دوررس نتائج کا حامل تھا۔ اگرچہ ریاست میں ۱۹۴۱ء سے جب ڈاکٹر ادھیکاری ممبر سنٹرل کمیٹی پولٹ بیورو اور بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی کشمیر آئے انہوں نے نہ صرف نیشنل کانفرنسی لیڈروں کو اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں لایا بلکہ پارٹی پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کے نظریات اور مطالبات میں اشتراکی انداز فکر کی گہری چھاپ ڈالنے کے لیے زمین ہموار کرنے لگے۔ زمین ہموار کرنے کی شروعات اگرچہ ۱۹۳۷ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کے پرسنل سیکرٹری ڈاکٹر کنور محمد اشرف نے فیض احمد پراچہ کے ساتھ مل کر کی تھی۔ لیکن

وہ مصروفیات کی وجہ سے اس پر زیادہ توجہ نہیں دے سکے۔ انہوں نے کمیونسٹ اندازِ فکر کی ترجمانی کے لیے سرینگر میں سٹیڈی سرکل قائم کیا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کے ایک سرگرم رکن مقیم الدین فاروقی نے خواجہ غلام محمد صادق کو اپنے دائرہ اثر میں لاکر ایک بنیاد قائم کر دی تھی۔

۱۹۴۰ء میں مس محمودہ احمد علی لاہور سے اور نرنجن ناتھ الہ آباد سے تحصیلِ علم سے فراغت پاکر سرینگر آئے تو انہوں نے باضابطہ ترقی پسندانہ خیالات پھیلانے کے لیے معرکہ آرائیوں کے لیے زمین ہموار کرنی شروع کی۔ انہی ایام میں سٹیڈی سرکل کو فضل الٰہی قربان نے جھیل ڈل میں مقیم ایک ہاؤس بوٹ میں منتقل کیا۔ یہاں تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کمیونسٹ طرزِ فکر کی بنیادی اصولوں سے واقف کرانے کے لیے باضابطہ پارٹی کا قیام عمل میں لایا بخشی غلام محمد پارٹی کا پہلا ڈسٹرکٹ سیکریٹری مقرر ہوا۔ لیکن بعد میں انہیں پارٹی سے نکال دیا گیا۔ غلام محمد صادق، مس محمودہ، غلام محی الدین قرہ کے ساتھ اس تنظیم میں جو سرگرم کارکن بن گئے ان میں جانکی ناتھ زتشی، پران ناتھ جلالی، پیر غیاث الدین، ہرنام سنگھ، ڈی۔ پی در، رام ناتھ، نصیر الدین شاہ اور پشکر ناتھ زاڑو وغیرہ شامل تھے۔

سرینگر میں مسلم کانفرنس کا خصوصی اجلاس مئی ۱۹۴۶ء میں بلایا گیا۔ محمد علی جناح نے مسلم کانفرنس کی دعوت پر اس اجلاس میں خصوصی طور پر شرکت کی، اجلاس سے قبل ہی یہاں خان عبدالقیوم خاں آچکے تھے اور وہ یہاں مسلم کانفرنس کے اجلاس کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے نیشنل کانفرنس کے چند اجلاس میں بھی شرکت کی، جس کی وجہ سے انہیں نیشنل کانفرنس کا حمائیتی سمجھا گیا۔

شیخ عبداللہ کے ساتھ ہر ملاقات کے دوران قیوم خاں نے انہیں مسلم لیگ کا طرفدار بنانے کی کوشش کی اس کے جواب میں شیخ صاحب نے مسلم لیگ اور محمد علی جناح کو کشمیر کی سیاست سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا۔

شیخ عبداللہ خان عبدالقیوم خان کو غفار گاندھی کا حمائیتی سمجھ کر ان سے پیش آتے تھے۔ لیکن جب انہیں پتہ چلا یہ مسلم لیگ کا حمائیتی ہے تو انہیں "آستین کا سانپ" کا خطاب دیا۔ دراصل خان قیوم خان نے شیخ عبداللہ سے ان کے اندر کا سارا کچھ اگلوانے کیلئے ڈبل رول ادا کیا تھا اور جب شیخ صاحب کو اُن کی اصلیت کے بارے میں پتہ چلا تو

انہیں مجبوراً آستین کا سانپ کہنا پڑا ــــــ شیخ عبداللہ کے اسی رویے کے پیش نظر بعد میں قیوم خان نے کشمیر پر چڑھائی کرنے کا سجھاؤ دیا۔

سر بی۔ این راؤ کے بعد پنڈت رام چند کاک وزیر اعظم مقرر ہوئے تو نیشنل کانفرنس کی طرف سے شادیانے منائے گئے۔ گھی کے چراغ جلائے گئے۔ انہیں "مسیح کشمیر" اپنا پہلا کشمیری وزیر اعظم کہہ کر بانس پر چڑھایا گیا۔

رام چند کاک کے بارے میں نیشنل کانفرنس خوشیاں منا رہی تھی کہ انہوں نے جوڑ توڑ کے ذریعے ایک منسٹر کو پھنسانے میں جو رول ادا کیا اس کی وجہ سے شیخ عبداللہ اور رام چند کاک کے درمیان ٹھن گئی، رام چند کاک نے نیشنل کانفرنس کی جو مضحکہ خیز پوزیشن بنا دی۔ اس کا مسلم کانفرنس نے خوب چرچا کیا۔

نیشنل کانفرنس کے ساتھ گذشتہ واقعات میں جن میں ہندی زبان، گاؤکشی اسلحہ کا آرڈیننس اور دوسرے معاملات تھے اور جو مسلمانوں کی غیرت ملی کے لیے چیلنج تھے اس میں نیشنل کانفرنس نے عملی طور پر غیر مسلموں اور حکومت کا ساتھ دیا تھا اس کے کارن لوگ نیشنل کانفرنس سے متنفر ہونے لگے تھے۔

عوام میں نیشنل کانفرنس کی ساکھ گرنے سے مسلم کانفرنس کو نیا جنم ملنے لگا۔ مسلم کانفرنس نے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کے ایسے کارنامے جن سے ان کا دھوکہ اور فریب اُجاگر ہوتا تھا۔ خوب پرچار کیا۔

نیشنل کانفرنس سے لوگ نہ صرف بدظن ہونے لگے بلکہ پارٹی کے لیڈر شیخ عبداللہ کی تقریر سننے کے لیے لوگوں کی وہ بھیڑ بھی نہیں ہوتی تھی جو پہلے پہل ہوا کرتی تھی۔ اب لوگوں میں وہ جوش اور جذبہ بھی نہیں رہا تھا جس کا وہ اظہار کیا کرتے تھے۔

اسی دوران مسلم کانفرنس نے نیشنل کانفرنس کے خلاف ایک چارج شیٹ جاری کیا جس میں اگرچہ الزامات مختصر تھے لیکن مُدلل اور برمحل ہونے کی وجہ سے کوئی ان الزامات سے انکار نہیں کر سکتا، ان الزامات میں شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر لکھا گیا تھا۔

(۱) جن غیر مسلموں کے لیے آپ نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل دیا ان سب نے نہ صرف آپ کا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ وہ کھلے بندوں آپ کی پالیسی کی مخالفت کر رہے ہیں۔

(۲) نیشنل کانفرنس گروپ نے اسمبلی میں استعفے اپیش کیا لیکن پھر ناک رگڑ کر دوبارہ ممبری بحال کرائی۔

(۳) حکومت کی شہہ پر مسلمانوں کے ساتھ دست وگریبان ہو کر مسلم لیگ کی دشمنی اور پاکستان کی مخالفت کا بیڑہ اٹھایا۔

(۴) کانگریس کی خوشنودی کے لیے مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

(۵) قائداعظم کی آمد پر مسلم کانفرنس کو کچلنے کے لیے نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کو اکسایا۔

ان الزامات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور نیشنل کانفرنس بری طرح ہدفِ ملامت بننے لگی، نیشنل کانفرنس کے دیرینہ کارکن اس تنظیم سے کنارہ کش ہونے لگے لیکن ایسے کارکنوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جو مسلم اتحاد کو توڑنے کے بجائے اسے متحد رکھنا چاہتے تھے۔ منشی ضیاء الدین پونچھی، شیخ عبدالحمید لولابی، چوہدری محمد شفیع نے شیخ عبداللہ پر زور ڈالا کہ وہ غیر مسلموں کی حرکات کو مدنظر رکھ کر ہوش کے ناخن لیں اور مسلم کانفرنس کے ساتھ صلح کرنا مان لیں، چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو رشیدالدین کُندن کو نقشبند صاحب کے گھر میں متواتر تین دنوں تک میٹنگیں ہوتی رہیں، آخر یہ فیصلہ لیا گیا کہ نیشنل کانفرنس کو توڑ کر مسلم کانفرنس میں مدغم کیا جائے گا اور باہم اتحاد و اتفاق سے تحریک کو آگے بڑھایا جائے گا۔ نئی تشکیل شدہ مسلم کانفرنس کا صدر کون ہوگا۔ یہ فیصلہ جب باعث تنازعہ بن گیا تو اس فیصلے کو ملتوی رکھ دیا گیا۔ دراصل مسلم کانفرنس کے سرگرم رکن صدارت کا عہدہ شیخ عبداللہ کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ اگر مسلم کانفرنس گروپ نے شیخ عبداللہ کی صدارت بحال کر دی ہوتی تو نیشنل کانفرنس کو توڑ دیا گیا ہوتا۔ سیکولر نظریئے کی دھجیاں اُڑ گئی ہوتیں۔ اس ساری کارروائی کو اگرچہ خفیہ رکھا گیا لیکن کانگریس کے پاس یہ راز پوشیدہ نہیں رہ سکا، نیشنل کانفرنس کو توڑ کر اسے مسلم کانفرنس میں مدغم ہونے سے بچانے کے لیے کانگریس سرگرم ہوگئی اور اس سرگرمی میں اُن کی تشویش نمایاں تھی۔ شیخ عبداللہ کو اس فیصلے سے دور رکھنے کے لیے کانگریس کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی سامنے آگئی ان دونوں پارٹیوں نے مشترکہ طور پر مسلم اتحاد کو روکنے کے لیے دونوں کے درمیان باندھ بنانے کا کام شروع کیا۔

کانگریس نے اشتراکیوں کی خدمات حاصل کر کے ایک معقول رقم اُن کے حوالہ کر دی خود کمیونسٹوں نے بھی چندہ جمع کر کے نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں پر دولت کے جال پھینک دئے۔ اِن میں بی۔پی۔ایل بیدی، احسان دانش، ڈاکٹر محمد عالم اور ڈاکٹر اشرف پیش پیش تھے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو لال چوک کے ہوٹل کارونیشن میں غلام محی الدین قرہ، پنڈت جیالال کلم مولانا مسعودی، کیشپ بندھو اور بخشی عبدالمجید کو نیشنل کانفرنس کی فوری ضرورت کے لیے سات ہزار روپے پیش کئے گئے۔

بقول مولانا مسعودی جب میں نے ان سے یہ ساری رقم شیخ عبداللہ کو دینے کو کہا تو انہوں نے کہا اُن سے ہم مل چکے ہیں۔ یہ رقم نیشنل کانفرنس یعنی تمہارے لیے ہے۔ ہم نے یہ رقم تنظیم کے فنڈ میں جمع کرا دی۔

اگلے روز ۱۹ اپریل کو شیخ عبداللہ نے کمیونسٹ پارٹی کے ان ممبران کے ہمراہ نواکدل چوک میں تقریر کے دوران جب مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ پر تابڑ توڑ حملے کیے تو وہ سب لوگ حیران اور ششدر ہو کر رہ گئے جو چند روز قبل کندن گر کے ہاں میٹنگوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو معاملہ کے بگاڑ کا منبع معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ لیکن اس کی تہہ تک جانے کے لیے انہیں مخبری کرنا پڑی۔ ۲۴ اپریل ۱۹۴۶ء کو نوہٹہ چوک میں چوہدری حمیداللہ اور عبدالسلام دلال نے شیخ محمد عبداللہ پر کانگریس اور کمیونسٹوں کا آلہ کار بننے اور تین لاکھ روپے میں اُن کے ساتھ سودا طے کرنے کا الزام لگایا۔

کمیونسٹوں کی موجودگی میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے خلاف تقریر سے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ لوگوں میں مشتبہ ہوگئی اور اُن کا وقار گرنے لگا تو بی۔پی ایل بیدی، ڈاکٹر اشرف، سیف الدین کچلو اور محمد دین تاثیر نے ہوٹل کارونیشن میں ایک میٹنگ کے دوران شیخ عبداللہ کے سامنے یہ تجویز رکھ دی کہ وہ "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دیں اسی سے ان کا اور نیشنل کانفرنس کا کھویا ہوا وقار بحال ہو سکتا ہے اور اس کی پاداش میں اگر جیل بھی جانا پڑے تو کسی قسم کی دریغ نہیں کی جانی چاہیے۔

اس موقعہ پر ڈاکٹر اشرف اور محمد دین تاثیر نے شیخ صاحب کے سامنے "نیا کشمیر" کے منشور کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے مسلسل ایک مہینے سے ترتیب دیا تھا۔ اس منشور

کا خلاصہ شیخ صاحب کو سنایا گیا تو انہوں نے اسے قبول کر لیا لیکن "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دینے سے پہلے انہوں نے دہلی جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وہ کانگرسی لیڈروں کے ساتھ اس مسئلہ پر گفت و شنید کر سکے اور اُن کا آشیرواد حاصل کر سکے۔

شیخ عبداللہ جب ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ہمراہ دہلی روانہ ہو گئے تو یہاں انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سرداری کا حق عوام کو حاصل ہونا چاہیے اور یہ حق منوانے کے لیے ہمیں فوری طور پر ایجی ٹیشن شروع کرنی چاہیے کیونکہ مہاراجہ ہری سنگھ ہمارا مطالبہ ماننے سے منکر ہے۔

مہاتما گاندھی نے اس مرحلہ پر کسی قسم کی ایجی ٹیشن کی شدید مخالفت کی، شیخ عبداللہ کو مایوسی ہوئی وہ سرینگر واپس آنے سے قبل لاہور روانہ ہو گئے۔

اسی دوران ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ مشن سرینگر آ گیا۔ تاکہ وہ جان سکیں برصغیر کی تقسیم کے سلسلے میں مہاراجہ اور رعایا کیا چاہتے ہیں اور کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ شیخ عبداللہ نے لاہور سے ہی مشن کے نام ایک تفصیلی تار ارسال کی جس کا متن یہ ہے۔

"آج کشمیری عوام کا قومی مطالبہ صرف ذمہ دار نظام حکومت کے قیام تک محدود نہیں بلکہ وہ مہاراجہ کے شخصی نظام سے مکمل آزادی کا حق چاہتے ہیں ..... ہم بیعنامہ امرتسر کی سیاسی اور اخلاقی حیثیت کو چیلنج کرتے ہیں جس میں کشمیری عوام کبھی فریق نہیں رہے ہیں۔ ..... اس وقت ہندوستان کے باشندگان کا مستقبل طے کیا جا رہا ہے ..... کشمیر کا معاملہ ایک امتیازی درجہ رکھتا ہے اور کشمیر کے عوام کیبنٹ مشن کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ برطانوی حکمرانوں کے خاتمے کے بعد انہیں آزاد رہنے کا حق حاصل ہے .... ہمارا وطن کشمیری قوم کا گہوارہ ہے جو اپنی زبان کلچر اور روایت کی ہم آہنگی اور اپنی مشترکہ جدوجہد کی تاریخ کے لحاظ سے ہندوستان[1] میں ایک نادر روزگار جگہ ہے۔ جہاں تمام فرقے

---

[1] ہندوستان چونکہ ان کے رگ و پے میں رچ بس گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے کیبنٹ مشن کے سامنے اس کا برملا اظہار کیا۔

اور طبقے ایک متحدہ قومی مطالبے کی پشت پناہی کر رہی ہے ...."

کیبنٹ مشن نے وادی کشمیر میں مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ایک رپورٹ تیار کر لی۔ شیخ صاحب لاہور سے سرینگر آ گئے تو انہوں نے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دیا۔ اس نعرے نے ریاست کے عوام میں ایک ہلچل پیدا کر دی جہاں عام مسلمانوں نے اس تحریک کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر دیا وہاں غیر مسلموں اور ہندو پریس نے اس کی زبردست مخالفت کی، کیبنٹ مشن کی رپورٹ کے مطابق مہاراجہ ریاست کو "آزاد اور خود مختار" رکھنے کے اپنے مطالبے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ کانگریس کے لیے مہاراجہ کا نظریہ نا قابل قبول تھا۔

چنانچہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے وزیراعظم رام چند کاک کو بمبئی بلوایا اور پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ کو دہلی طلب کر لیا۔

شیخ صاحب کی "کشمیر چھوڑ دو" تحریک جس نے برصغیر کی سیاست میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور جس نعرے نے ۱۹۳۱ء کی تحریک کو نکتہ عروج تک پہنچا دیا بجائے اس کے کہ مسلم کانفرنس اس کی حمایت کرتی اس نے شیخ عبداللہ کے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے ایک بیان جاری کر دیا۔

"متعدد وجوہات کی بنا پر شیخ عبداللہ کے لیے ریاست میں قطعاً کوئی سیاسی گنجائش نہیں رہی تھی چنانچہ ان کا نیا نعرہ اور نیا منشور دینے والے دوستوں نے ساتھ ہی جیل جانے کا مشورہ دیا حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کی طبیعت جیل کے معاملے میں ہمیشہ کمزور رہی ہے اور ایک دفعہ کے سوا وہ ہمیشہ چور دروازے سے ہی جیل سے باہر آئے۔

کشمیر تحریک کے دوران ہماری بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ "برہمن" کی چوکھٹ پر "شیخ" کے صرف ایک سجدے نے انہیں کہیں کا بھی نہیں رکھا۔ انہوں نے دنیائے اسلام چھوڑ دی لیکن اپنی مصلحتوں کے لیے بھارت کو نہ چھوڑا۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے ذاتی التفات کے باوجود بھارت کب ان کو چھوڑتا ہے وہ مقام بڑا دیدنی[1] اور عبرتناک ہوگا۔ خدا کرے

---

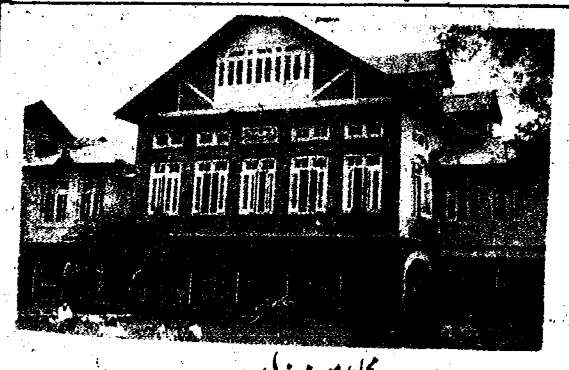
[1] ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو یہ دن آ ہی گیا۔

یہ جلدی آئے تاکہ باوجود اپنے ماضی کے شیخ عبداللہ پاکستان کی اسلامی مرات نیک نیتی اور وسعت قلبی کے اس طرح براہ راست قائم ہوسکیں۔"

مسلم کانفرنس کے اس بیان نے شیخ عبداللہ کو سخت مشتعل کر دیا۔ انہوں نے اپنی کئی تقریروں میں مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو دھمکیاں دیں، انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا میں چاہوں گا تو مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کو ریاست میں نیست و نابود کر سکتا ہوں۔

"کشمیر چھوڑ دو"، کی تحریک کے سبب نیشنل کانفرنس کو جو نیا جنم مل گیا اس نے شیخ عبداللہ میں نیا حوصلہ پیدا کر دیا۔

۱۷ مئی ۱۹۴۶ء کو جب مجاہد منزل کے ایک اجتماع میں



مجاہد منزل

"بیعنامہ امرتسر کو توڑ دو، کشمیر کو چھوڑ دو"

کا ایک بالکل نیا نعرہ دیا۔ تو عام اور خاص سب حیرت زدہ ہو گئے۔ اس نئے نعرہ کی تشریح انہوں نے یوں کی۔

"غلاموں کی خرید و فروخت سولہویں صدی میں بند ہونا شروع ہوئی تھی جو کہ ۱۸۲۴ء میں مکمل طور پر بند ہوئی، لیکن ہم اور ہماری املاک کو ۱۸۴۶ء میں فروخت کیا گیا۔ اس وقت یہاں کے گورنر نے اس کا مقابلہ کیا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ برٹش گورنمنٹ نے ہمیں ۷۵ لاکھ روپے کے عوض میں

لہ ۱۹۵۳ء سے کر ۱۹۷۵ء تک وہ پاکستان سے مروت کے طور پر کروڑوں روپے حاصل کر چکے۔

فروخت کیا، سید سلیمان نے جب یہ سوال اٹھایا اور اس کے خلاف اپیل دائر کرنے کے لیے کاغذات مکمل کر لیے تو وہ اچانک رحلت کر گئے اُن کے بعد اس ناجائز خرید و فروخت کے خلاف ڈاکٹر سر محمد اقبال نے آواز اٹھائی تھی اب یہ بوجھ میرے کاندھوں پر آن پڑا ہے۔ میں اس ناجائز خرید و فروخت کے خلاف پریوی کونسل میں مقدمہ دائر کروں گا اور اس کے ساتھ ہی میں مہاراجہ ہری سنگھ سے کہہ رہا ہوں کہ وہ "کشمیر چھوڑ دے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی مجاہد منزل کی اس تقریر کے ساتھ ہی "کشمیر چھوڑ دو"، کی تحریک شروع ہو گئی۔

"بیعنامہ امرتسر کو توڑ دو، کشمیر کو چھوڑ دو"

نعرے کا چرچا ہوا تو یہ موضوع بحث بن گیا۔ اس کے بارے میں استفسارات ہونے لگے اس بیعنامہ کے بارے میں یہ تشریح کی گئی کہ ڈوگرہ حکمرانوں نے ریاست جموں و کشمیر کو ۷۵ لاکھ روپے میں انگریزوں سے خریدا ہے اور یہ خرید و فروخت کا معاہدہ ۱۸۴۶ء میں امرتسر کے مقام پر ہوا ہے۔

جب ہم اس معاملہ کی تہہ تک جاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔ بیعنامہ امرتسر کی شروعات سکھوں کی بغاوت سے ہوتی ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے محسوس کیا ملک میں سکھوں کا مستقبل واقعی تاریک ہے چنانچہ انہی کے مستقبل کے لیے مہاراجہ نے برٹش سرکار سے مذاکرات کرنے کی پیش کش کی، اُدھر انگریز مسلسل لڑائیوں اور جھگڑوں میں الجھنے سے تنگ آ چکے تھے ان کی مالی حالت بھی کمزور پڑ گئی تھی انہوں نے مہاراجہ گلاب سے سکھوں کے مستقبل کے لیے بات چیت کی پیش کش قبول کر لی۔ چنانچہ سر ہنری لارنس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملاقات کے لیے لکھا دونوں طرف سے وقت اور مقام مقرر کیا گیا جب دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو لارنس نے مہاراجہ سے اصل مسئلہ سننے کے بجائے انہیں بتایا کہ گورنر جنرل انہیں کوہستانی علاقہ اور وادی کشمیر دینے اور انہیں اپنی تحویل میں رکھنے کی اجازت دینا چاہتے ہیں اور برٹش سرکار کی طرف سے آپ کی حکومت کو ایک آزاد حکومت کی طرح تسلیم کیا جائے گا۔

مہاراجہ اس تجویز سے خوش ہوا چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو برٹش سرکار اور مہاراجہ گلاب سنگھ

کے درمیان امرتسر کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا۔

اس معاہدے کے تحت حکومت برطانیہ نے کشمیر کو گلاب سنگھ کے ہاتھ ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی سکوں میں فروخت کیا، اس خرید و فروخت کے لیے جو بانڈ لکھا گیا وہ دس دفعات پر مشتمل ہے۔

دفعہ ۱:۔ سرکار انگلشیہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے وارثوں کو تمام کوہستانی اور سارا علاقہ جموں و مشمولات کے جو دریائے سندھ اور راوی کے مشرق و مغرب کے درمیان ہے معہ علاقہ چمبہ کے ماسوائے علاقہ لاہور کے جو سرکار انگریز کو مطابق دفعہ ۴ عہد نامہ لاہور ۹ مارچ ۱۸۴۶ء ملا، اختیار خود مستقل طور پر عطا کرتے ہیں۔

دفعہ ۲:۔ اس علاقہ کی مشرقی حدود کو وہ کمشنر مقرر کریں گے جنہیں برطانیہ گورنمنٹ اور اس کی پیمائش ایک علیحدہ مسودہ میں کر دی جائے گی۔

دفعہ ۳:۔ علاقہ جات مقبوضہ کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ حکومت انگریز کو ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی سکے میں ادا کریں گے۔ ۵۰ لاکھ نانک شاہی روپے استحکام عہد نامہ کے وقت ادا کیے جائیں گے۔

دفعہ ۴:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقہ کی حد بندی انگریزی حکومت کی رضامندی کے بغیر کسی وقت بھی تبدیل نہیں کی جائے گی۔

دفعہ ۵:۔ سرکار انگلشیہ ان تمام مسائل اور جھگڑوں کا جو دربار لاہور یا درمیان واقع ہو خود فیصلہ کرے گی اور مہاراجہ کو سرکار کے فیصلوں پر کاربند رہنا ہوگا۔

دفعہ ۶:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اس حکمنامہ کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی ذات اپنے ورثاء اور اپنی تمام فوج اور احکام سلطنت کے ساتھ انگریز فوج میں شمولیت اختیار کرے گا جبکہ وہ علاقہ کوہستانی کے اندر مصروف کار ہو یا ان علاقہ جات میں جو ان کے مقبوضہ جات سے وابستہ ہوں۔

دفعہ ۷:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ سرکار انگلشیہ کے حکم کے بغیر اپنی ملازمت میں سلطنت انگلشیہ کے کسی باشندے کو یا کسی

غیر ملکی یا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے کسی باشندے کو رکھے گا اور انہیں بحال کرے گا۔

دفعہ ۸:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اس امر کا ذمہ لیتا ہے کہ وہ متعلقہ جات کے ضمن میں دفعہ ۵-۶ اور ۷ کی شرائط ملحوظ رکھے گا۔ اور ایسی ہی سرکار انگلشیہ اور دربار لاہور کے پاس علیحدہ طور پر ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے شدہ عہد نامے کی پابندی کرے گا۔

دفعہ ۹:۔ برطانوی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو بیرونی دشمنوں کے خلاف اپنے علاقہ جات کے دفاع اور حفاظت کے لیے امداد دیا کرے گا۔

دفعہ ۱۰:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ سرکار انگلشیہ کی شہنشاہیت کا اقرار کرتا ہے اور اس ملوکیت کے صلہ میں سالانہ ایک طاقتور گھوڑا، بارہ پشم دار بکریاں (۶ نر ۶ مادہ) اور تین جوڑے کشمیری شال پیش کرے گا۔"

(نوٹ:۔ ۱۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو سرکار انگلشیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی باہم رضامندی سے دفعہ ۱۰ میں کچھ ترمیم کی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ آئندہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے بارہ بکریوں کے بدلے میں دس پونڈ پشم (۴ پونڈ برنگ سیاہ ۶ پونڈ برنگ سفید) جیسا کہ وہ لیہہ سے لاتی ہے ادا کرے گا اس کے علاوہ سفید سوت کی تین بہترین اقسام میں سے ہر ایک کا ایک ایک پونڈ نذر سرکار انگلشیہ کرے گا۔)

اس دس دفعات پر مشتمل صلح نامہ کا تصفیہ آج فیڈرک کیری اور آنریری میجر ہنری منٹگمری لارنس نے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ کے احکام کے مطابق حکومت انگلشیہ کی طرف سے مہاراجہ گلاب سنگھ سے بہ نفس نفیس کیا اور معاہدہ مذکورہ پر آج رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی۔ سی۔ بی گورنر جنرل کی مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے۔

دستخط	دستخط
ہنری ہارڈنگ	الیف کری
ایم ایم لارنس	گلاب سنگھ

اس طرح انگریزوں نے ریاست کی سرزمین اور یہاں کے مرد و عورتیں، بوڑھے اور

بچے، جانوروں کے مانند فروخت کیے۔ اور سرزمین کے باشندگان کی جان ومال عزت وعصمت مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالہ کی۔

بقول ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ ؎

دہقاں وکشت وجوئے وخیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

کمیونسٹ ارکان نے عوامی فلاح وبہبود کا مسودہ انگریزی میں مرتب کرکے شیخ عبداللہ کو پیش کیا، مولانا محمد سعید مسعودی نے اس کا اردو میں ترجمہ کرکے "نیا کشمیر" کے نام سے کتابی صورت میں چھپوا دیا۔ "نیا کشمیر" کا یہ دستور نیشنل کانفرنس کا نظریاتی دستور اور اُن کے پروگرام کا لائحہ عمل بن گیا۔ "نیا کشمیر" کا دستور کشمیر اور کشمیریوں کے ماضی اور مستقبل کو مدنظر رکھ کر کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ اس مسودہ پر ایمان لانے کو جی چاہتا تھا۔ اور دستاویز کو مقدس ماننے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، یہ دوسری بات ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر کے اُن رہنماؤں نے "نیا کشمیر" کے اس دستور کو پامال کیا جو لوگ ریاست کے عوام کے لیے مستقبل کا آئینہ دار مانتے تھے۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے مسودہ "نیا کشمیر" کا تقدس اس حد تک مسخ کردیا کہ وہ خود اس دستاویز کو عوام سے پوشیدہ رکھنے کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے بڑے فخر سے مسودہ "نیا کشمیر" پیش کرکے فرمایا تھا۔

"میں اس اسٹیج سے اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ نیا کشمیر کی مخالفت کے لیے عمل میں آئی ہوئی تمام مخالفتیں ناکام رہیں گی، اور اپنی موت آپ مرجائیں گی کیونکہ "نیا کشمیر" ماضی کی چیز نہیں مستقبل کا پروگرام ہے۔ آنے والے موسم ایک خاص آب وہوا کا حامل ہوگا۔ اس آب وہوا میں صرف نیا کشمیر کا پودا ہی پنپ سکتا ہے۔ نیا کشمیر سے کم درجہ کا کوئی سیاسی اور اقتصادی آئین آئندہ دور میں قبولیت عامہ کی سند حاصل نہ کرسکے گا۔ عالمگیر جنگ نے بنی نوع انسان کو جو سبق سکھائے ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں درس یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں صرف وہ حکومتیں کامیاب رہیں گی جن کی بنیاد اقتصادی جمہوریت کی نمایاں خصوصیت

ہر قسم کی غیر فطری امتیازات کا خاتمہ ہے۔ نیا کشمیر کی بنیاد امتیازات کے خاتمہ پر رکھی گئی ہے اور امتیازات کا خاتمہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی مساوات اور اخوت کا قلعہ قائم ہوسکتا ہے اور ہر قسم کے استحصال کی جڑ کٹ سکتی۔"

ریاست کے عوام کا یہ اقتصادی ترقی کا پروگرام مسودہ "نیا کشمیر"، اوراق پارینہ بن کر ایسا چھپا بیٹھا ہے کہ شاید یہ کسی کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔



شیخ صاحب بعینامہ امرتسر کی تحریک ہاتھ میں لیے ہوئے۔

صرف اتنی بحث مسئلہ گلستان میں ہے
جس کا ہو باغ، کیوں نہ وہی باغبان رہے

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک میں
مسلم کانفرنس کا رول

"کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک کو دبانے کے لیے رسوائے زمانہ قانون ۱۹ ایل کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ جس سے عوام کے تمام حقوق سلب کئے گئے۔ مسلم کانفرنس نے اس کالے قانون کو لاگو کرنے پر زبردست احتجاج کیا، ستمبر ۱۹۴۶ء کو جب یہ مسودہ قانون ایک بل کی صورت میں پیش ہوا تو اس موقع پر اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے ممبران کے پارٹی لیڈر چوہدری حمیداللہ خان نے فرمایا۔

"اس وقت جبکہ یہ کالا قانون یہاں نافذ کیا گیا حکومت برطانیہ بھی اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اس کے علاوہ آئے دن مسلم لیگ کو دعوت دی جارہی ہے کہ وہ حکومت ہند کو چلانے میں مدد دے ایک طرف یہ ہورہا ہے لیکن دوسری طرف ریاست میں عام شہری حقوق کا خاتمہ کرنے کے لیے ایسا بے ہودہ اور قابل اعتراض مسودہ قانون پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے ہم نے چودہ سال سے غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا سلسلہ شروع کیا، ہم ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں اس کے برعکس ہماری آزادی کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے

آنریبل وزیراعظم رائے بہادر رام چند کاک نے اعتراضات کے جواب دینے کی جو کوشش کی وہ قابل قبول نہیں۔ یہ مسودہ قانون ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کے اس اعلان کے برعکس ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا "آزادی ہمارا نصب العین ہے"، میرا اپنا خیال ہے کہ سب سے پہلے یہ قانون اس



نصب العین کے منافی ہے۔ ہر ایک مہذب شہری کو یہ پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اور قانون کے حدود کے اندر آزادی سے سوچے سمجھے اور کام کرے یہی وہ تعریف ہے جو تمام مہذب ممالک کے قوانین نے آزادی کے لفظ کی، کی ہے۔"

اس کالے قانون کو نافذ کرنے کے بارے میں حکومت نے یہ دلیل دی۔

"آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دہشت پسندوں، قاتلوں اور لٹیروں کو کھلی ڈھیل دی جائے۔"

اس کے جواب میں مسلم کانفرنس کے پارٹی لیڈر نے فرمایا۔

"مجھے اس کے ساتھ پورا اتفاق ہے اور پوچھنا چاہتا ہوں حکومت خود غنڈہ گردی کو فروغ دے رہی ہے۔ حکومت کشمیر کی موجودہ پالیسی سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ کشمیر میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمی کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ اگر حکومت کشمیر نے دہشت پسندوں، لٹیروں اور غنڈوں کا قلع قمع کرنا تھا تو کیا ان کے لیے حکومت کے پاس قوانین موجود نہ تھے۔ حکومت کو اس قانون سے لیس ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تحریک حریت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت کشمیر نے اس قسم کے قوانین جو کہ اسے سیاسی معاملات میں خاص اختیارات تفویض کرتے ہوں غنڈہ گردی کا خاتمہ کرنے کے لیے حکومت سے درخواستوں پہ درخواستیں اور التجاؤں پر التجائیں کرتے تھے۔ اُس وقت غنڈہ گردی نے ریاست میں جو دہشت پھیلائی اس کے بارے میں قائد ملت چوہدری غلام عباس خاں صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس پر موجودہ غیر ذمہ دارانہ نظام حکومت کو ترجیح دینی پڑی۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں جس وقت حکومت کو ڈیفنس آف کشمیر رولز کے خصوصی اختیارات حاصل تھے اس وقت غنڈہ ازم کی حمایت کی آڑ میں مسلم کانفرنس کو کچل کر رکھوا دیا گیا۔ نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے عید کے روز عید گاہ میں مسلمانوں پر جو دھاوا بول دیا اور جو تشدد کیا انہوں نے کھلے بندوں مسلم کانفرنسیوں کو بزور طاقت ختم کرنے کی دھمکی بھی

دی اُس وقت آپ کا قانون کہاں سو پڑا تھا۔ گزشتہ سال یکم اگست کو نیشنل کانفرنسی لیڈروں نے جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کا جلوس نکالنا تھا مسلم کانفرنس نے پُرامن مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا۔ شیخ عبداللہ نے کہا پُرامن مظاہرہ کرنے والوں کی ہڈیاں توڑ دی جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا درجنوں آدمیوں کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ حکومت نے اس غنڈہ گردی کو دبانے کے لیے کیا کچھ کیا۔ سلام درزی کو اپنا حمایتی جتلا کر اس کا جلوس نکلوایا مزار شہداء پر مرحوم سلام درزی کو دفنانے کے موقع پر فاتحہ پڑھنے والوں پر لاٹھیاں برسا کر کتنے لوگوں کو لہولہان کیا گیا۔ شیخ عبداللہ بذات خود قتل عام کی ہدایات دے رہے تھے۔ حکومت نے اس غنڈہ گردی اس زور زبردستی کو دبانے کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا بلکہ کانگریس کی خوشامد کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کی غنڈہ ازم کی بالواسطہ حوصلہ افزائی کی گئی۔ ۱۲ر مارچ کو قتل کیس میں عبدالسلام دلال کی سزا یابی پر مسلم سٹوڈنٹس یونین نے پرتاپ پارک میں جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب پارک میں سٹوڈنٹ جمع ہو گئے تو نیشنل کانفرنس کے غنڈوں نے سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو کر احاطہ کا گھیراؤ کیا تھا نہتے طلباء پر لاٹھیوں اور چھریوں سے حملہ کر کے انہیں لہولہان کیا گیا۔ اس حملے میں ایک سو بیس کے قریب طلباء ایسے زخمی ہوئے کہ انہیں گاڑیوں میں بھر کر ہسپتال لے جانا پڑا، نیشنل کانفرنسیوں کی اس شرمناک حرکت کا یہ عالم تھا کہ بعض طلباء اپنے والدین کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور حکومت دور سے تماشہ دیکھتی رہی ایسی بہت ساری مثالیں ہیں جن کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مسلم کانفرنس نے اپنی نشاۃ ثانیہ سے آج تک کبھی تشدد نہیں کیا، لیکن کیا آنریبل پرائم منسٹر اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ اس کی پُرامن سرگرمیوں پر کڑی اور شرمناک پابندیاں لگائی جاتی تھیں۔ اب بھی لگائی جا رہی ہیں۔ جبکہ نیشنل کانفرنسیوں کو کھلی ڈھیل دی جا رہی ہے۔

نئے قانون کے نفاذ سے کسی شریف انسان کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی لہٰذا مسلم کانفرنس نے اسمبلی کی رکنیت سے اجتماعی استعفے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پارٹی نے اس شرمناک قانون کے خلاف احتجاج کے طور پر اسمبلی کو ٹھکرا دیا ہے۔ مسلم کانفرنس کا یہ اقدام حریت پروانہ ہے۔ ریاستی عوام آزادی اور ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی پشت پر تنظیم کی فولادی طاقت ہے حکومت کشمیر کو جان لینا چاہیے کہ تحریک حریت کوئی غنچہ نہیں ہے جس کو وہ مسل سکے، تحریک حریت وقت کی آواز ہے وہ ایک آگ ہے جس کو بجھایا نہیں جا سکتا، ایک طوفان ہے جس کو روکا نہیں جا سکتا ایک بہتا ہوا دریا ہے جس کے راستے میں بڑے بڑے پہاڑ بھی سنگریزے کے مانند بہہ جائیں گے۔

فرزندان وطن کی قربانیاں ضرور اپنا رنگ لائیں گی، وہ ضائع نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس پودے کو شاداب رکھنے کی خاطر ہم اپنا خون پانی کی طرح بہا سکتے ہیں۔ ملت کا ایک ایک فرد مر جائے گا لیکن تحریک حریت زندہ رہے گی حکومت کو جاننا چاہیے کہ آزادی کی راہ میں بہانے کے لیے ہماری رگوں میں بہت خون باقی ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی "کشمیر چھوڑ دو" تحریک سے پیدہ شدہ صورت حال کے بارے میں میر واعظ منزل میں مسلم کانفرنس کے عہدیداروں اور کارکنوں کا ایک جلسہ زیر صدارت چوہدری غلام عباس خان منعقد ہوا، عباس صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک سے عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے چند لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیرون ریاست کے مسلمانوں سے اب مطلب براری ہو چکی ہے (احراری اور احمدی) وہ ہمارے لیے جتنی زیادہ سے زیادہ قربانی کر سکتے تھے۔ کر چکے۔ اس لیے ہم کو اب

---

[1] مسلم کانفرنس کے پارٹی لیڈر چوہدری حمید اللہ خاں جس وقت اسمبلی میں تقریر کر رہے تھے۔ اس وقت انہیں معلوم نہ تھا شیخ محمد عبداللہ اس پودے کو کاٹنے کے لیے کلہاڑا ہاتھ میں لے کر اسے کاٹ رہا ہے۔

ہندو سرمایہ داری اور اس کے ظاہری جاہ وجلال اور ان کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ تحریک حریت کشمیر کو پنڈت نہرو کی کوہالہ پل والی نمائشی گرفتاری نے پروان نہیں چڑھایا تھا نہ ہندو کانگریس کے غلط اور خوشامدانہ پروپگنڈے نے اسلامیانِ ریاست کی سیاسی اور قومی تربیت کی تھی وہ تو محض اپنی مطلب براری کے لیے کشمیر کو دوسرا صوبہ سرحد بنانا چاہتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہاں بھی ان کا بے شمار سرمایہ کام آیا اور یہاں بھی سرمایہ کام آرہا ہے۔

وہاں پٹھانستان کا نعرہ بلند ہوا اور اپنی موت آپ مر گیا۔ اب یہاں "کشمیر کشمیریوں کے لیے ہے" کا نعرہ بلند ہوا لیکن قدرت اسے پنپنے کی مہلت دے گی یا نہیں اس بات کا فیصلہ بہت جلد ہونے والا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے جو کچھ کیا مسلمانانِ ریاست کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کیا، لیکن دنیا اب اتنی بے وقوف نہیں رہی جتنا کہ عقلمند ہندو کانگریس اسے سمجھتی ہے۔ کشمیر کے صرف وہی چند مسلمان اُن کے جھانسے میں آسکے جو مفاد ملت سے اپنی مخصوص مصلحتوں کی وجہ سے مُنہ موڑ چکے ہیں۔ ورنہ اگر جواہر لال نیک نیت ہوتا تو نہ صرف خود قید و بند میں ہوتا بلکہ اپنے ساتھ ہزاروں ہندوؤں کو بھی ریاست پر یورش کا حکم دے دیتا اور اس طرح مسلمانانِ ریاست کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیتا۔

کس قدر شرم کی بات ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ریاست کے چند مسلمان جواہر لال اور مہاتما گاندھی کو اپنا دوست اور قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ دراصل تمام باتوں کا دارومدار نیت اور ضمیر پر ہے جس کی نیت خراب ہوگی اور جو اپنا ضمیر کھو چکا اس کے لیے اچھے برے اور دوست دشمن کی تمیز ہی کیا ہے . . . . . "

میر واعظ منزل کی اس میٹنگ میں مسلم کانفرنس کے بیشتر رہنما حاضر تھے۔ انہوں نے متفقہ طور پر حصول پاکستان کا ریزلیوشن پاس کیا اور اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی۔ حصول پاکستان کے اس ریزولیوشن نے "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک کو پس پشت ڈال دیا اور مسلمانوں

کی خاصی تعداد مسلم کانفرنس کے لیڈروں کے گرد جمع ہونے لگی۔

نیشنل کانفرنس نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کی کھلم کھلا حمایت کر کے مسلم لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں کو حیرت زدہ کر دیا۔

اخبار زمیندار جو مسلم کانفرنس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ اس نے مسلم کانفرنس کو رجعت پسند کہنا شروع کیا۔

"نوائے وقت" "انقلاب" اور "احسان" نے تحریک کی حمایت میں مسلم کانفرنس کا نظریہ مسترد کر دیا۔ اس وجہ سے نیشنل کانفرنس کی گرتی ساکھ بحال ہو گئی نیشنل کانفرنس کی جگہ مسلم کانفرنس ہدف ملامت بننے لگی۔

صورت حال کا اندازہ کر کے سرینگر میں ۱۹ جون کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک خصوصی اجلاس ہوا۔ اس میں اہم متعدد فیصلے کیئے گئے اور کئی قرار دادیں پاس کی گئیں۔

(۱) مرتبین قرار دادیں درج کی جاتی ہیں کہ "کشمیر چھوڑ دو" تحریک سمجھنے میں سہولیت ہو سکے۔

(۲) مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے صدر نیشنل کانفرنس کے مطالبہ "کشمیر چھوڑ دو" پر غور کیا ہے قانونی اور آئینی اعتبار سے معاہدہ امرتسر کی تنسیخ کے جواز عدم جواز سے قطع نظر کانگریس صدر نے نیشنل کانفرنس کے اس نعرہ کی جو مخالفت کی اور اس ضمن میں پنڈت نہرو نے تمام ہندوستانی ریاستوں کے تعلق میں کانگریسی پالیسی کی جو وضاحت کی نیز قائمقام صدر نیشنل کانفرنس نے پنڈت نہرو سے حال ہی میں جو متعدد ملاقاتیں کرنے کے فوراً بعد جو بیان گلوب نیوز کی وساطت سے دہلی میں پریس کو دیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ کانگریس اس نعرے کو اپنے حق میں استعمال کر رہا ہے۔

(۳) شیخ محمد عبداللہ صدر نیشنل کانفرنس نے جیل سے ایک خط کے ذریعے اپنے مقدمے کی پیروی اور ڈیفنس کے سلسلے میں پنڈت نہرو کو مختار مطلق قرار دیا ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ نیشنل کانفرنس "کشمیر چھوڑ دو"

کے نعرے کو کلیتاً ترک کر رہی ہے اور تو اور جیسا کہ اس وقت تک اس نعرہ کو نیشنل کانفرنس کی جانب سے آفیشل پوزیشن بھی حاصل نہیں اور اسی تحریک کی سرپرستی اور رہنمائی کلی طور پر ہندو کانگریس کے لیڈروں کے ہاتھوں میں دی گئی ہے اور اس نعرہ کے موجود محرک خود جیسا کہ ڈانواڈول ہیں۔ اُن کی پالیسی اس ضمن میں قطعی اور یقینی نہیں اور وہ ہندو کانگریس کے لیڈروں کی جانب سے کی گئی "کشمیر چھوڑ دو" کی نئی تعبیریں اپنا رہے ہیں مسلم کانفرنس کے لیئے کسی رائے کا اظہار قبل از وقت ہے۔

(۴) ریاست جموں کشمیر کے مسلمانوں کی موجودہ حکومت کے خلاف شروع ہی سے سنگین قسم کی شکایات چلی آ رہی ہیں جن کو رفع کرنے کے لیے انہوں نے مسلسل جدوجہد کی اور ہر قسم کی قربانیاں بھی دیں، لیکن بدقسمتی سے حکومت نے مسلمانوں کی تالیف قلوب کی کبھی بھی کوشش نہ کی بلکہ ان کا رویہ روز بروز بد سے بدتر ہوتا گیا یہ وہ تکلیف دہ حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ریاست کے بعض سابق غیر مسلم وزرا اعظم بھی کر چکے ہیں۔

(۵) مسلمانوں کی حق تلفی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ڈوگرہ حکومت کے قیام کو اب پوری ایک صدی گزری ہے ان سو سالوں میں اٹھتیس آدمیوں کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا ہے اور حد یہ ہے کہ اس میں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ مسلمانانِ ریاست نے اس کے باوجود پھر بھی وفاداری کے پھندے کو اپنے گلے سے اُتارنے کی کوشش نہ کی اور بہتر حالات کی توقع پر وہ خون کے گھونٹ پیتے رہے لیکن اب جب کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ مجلس عاملہ قرار دیتی ہے کہ اگر اس نے گزشتہ سو سالہ مسلم آزاد پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو مسلمان مجبور ہوں گے کہ وہ حکومت کی اس جانبدارانہ پالیسی سے دست کش کرانے کے لیے وہ تمام ذرائع عمل میں لائیں گے جو اُن کے اختیار میں ہیں۔ مجلس عاملہ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کی مندرجہ ذیل شکایات کو بغیر کسی تاخیر کے جلد از جلد

رفع کریں۔

الف:۔ گاؤکشی کے جرم کی پاداش میں دس سال قید بامشقت کی سزا منسوخ کر دی جائے۔

ب:۔ تبدیلی مذہب پر نومسلم کی جائداد ضبط کرنے اور اس کی بیوی بچوں کو جبراً چھین لینے کے وحشیانہ قانون کو منسوخ کر دیا جائے۔

ج:۔ قانون اسلحہ میں جس کی رو سے صرف ہندو راجپوتوں کو آتشیں اسلحہ اور گولہ بارود رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس طرح ترمیم کی جائے کہ تمام اقوام پر ایک جیسی پابندیاں یا سب کو ایک جیسی رعائتیں حاصل ہوں۔

د:۔ ہندی کی جبری ترویج کے احکامات واپس لیے جائیں۔

ل:۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کی بناء پر نمائندگی دی جائے اور کلیدی اسامیوں میں ان کی افسوسناک کمی کو فی الفور پورا کیا جائے۔ کشمیری مسلمانوں کو بھی ملٹری ملازمت کے اہل قرار دیا جائے۔

س:۔ مسلمانوں کی شہری آزادی کو مفلوج کیا گیا ہے۔ بالخصوص ڈیفنس رولز کے بے رحمانہ استعمال اور مسلم اخبارات پر سے سخت گیرانہ پابندیوں کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے۔

مجلس عاملہ قرار دیتی ہے کہ اگر حکومت کشمیر نے بلا تاخیر مسلمانوں کے ان کم سے کم مطالبات کو پورا نہ کیا تو مسلم کانفرنس ڈائرکٹ ایکشن لینے پر مجبور ہو گی، بنابریں مجلس عاملہ مجلس عمل کو اختیار دیتی ہے کہ وہ ایسی صورت میں براہ راست اقدام کا پروگرام مرتب کرے اور عوام کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرے، یہ اجلاس مسلم عوام سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس غرض کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

(۶) نیشنل کانفرنس کے زعماء اور مسلم کانفرنس کے نمائندگان کے مابین کئی ماہ تک مصالحت کی گفتگو ہوتی رہی اور بظاہر اس نقطہ پر اتفاق ہو گیا تھا کہ نیشنل کانفرنس چونکہ آٹھ سال کی متواتر جد و جہد کے باوجود مسلمانوں کے مفادات پس پشت ڈال دینے کے باوجود ہندوؤں کا تعاون حاصل

نہیں کر سکی، اس لیے نیشنل ازم کے ڈھونگ کو ختم کر دیا جائے اور نیشنل کانفرنس کے سارے ممبر مسلم کانفرنس میں شامل ہو جائیں۔ اس نقطہ کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے تقریباً سبھی مسلمان ممبران کی ظاہری طور پر تائید حاصل تھی اور ان کے کہنے کے مطابق شیخ عبداللہ بھی اُن سے متفق تھے۔ لیکن جب یہ بات چیت آخری مرحلہ میں داخل ہو گئی تو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے محسوس کیا کہ انہیں شیخ عبداللہ کا تعاون حاصل نہیں رہا کیونکہ شیخ عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان جو عہد و پیمان موجود تھا وہ سمجھوتہ کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن گیا۔ اس نئی صورت حال میں ایک بیرونی سازش سے نیشنل کانفرنس کی روش یکسر بدل گئی۔ اس لیے کہ نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے مسلم ممبران شیخ محمد عبداللہ کی مرضی کے خلاف پہلی بات پر قائم رہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے یا وہ ایک پُر اثر ڈرامہ میں محض اداکاری کر رہے تھے۔ اُن کی ساری بات چیت اُن کی اداکاری کا ایک حصہ تھی جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جن لوگوں کے خلاف وہ گذشتہ آٹھ سال سے حکومت کے آلہ کار بن کر ہلڑ بازی اور تشدد کرتے چلے آئے تھے ان کے جذبۂ اتحاد بین المسلمین کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر انہیں کچھ وقت کے لیے احمق بنا سکیں اور اُن سے خیمہ برادری کا کام لے سکیں یہی وجہ ہے کہ اگرچہ گفتگوئے مصالحت میں طے ہو چکا تھا کہ مصالحت کے اعلان تک تحریک شروع نہ کی جائے اس کے باوجود نیشنل کانفرنس نے بالا بالا ہی "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی۔

مجلس عاملہ گفتگو مصالحت کی تفصیلات پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ گفتگو میں جہاں تک نیشنل کانفرنس کا تعلق ہے یہاں صرف سیاسی داؤ پیچ کے ہتھکنڈے مضمر تھے۔ مجلس عاملہ کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں پنڈت نہرو کے بیانات سے بھی کافی روشنی ملی، پنڈت نہرو کے مطالبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر جبکہ نیشنل کانفرنس کے

زعمار متحدہ محاذ قائم کرنے کے لیے مسلم کانفرنس کے ساتھ صلح کی بات چیت مکمل کر رہے تھے۔ اس کے دوش بدوش پنڈت نہرو سے بھی شیخ عبداللہ عہد و پیماں باندھ رہے تھے اور انہیں غیر مشروط وفاداریوں کا یقین دلا رہے تھے۔ مسلم کانفرنس کے ساتھ صلح کی بات چیت صریحاً ایک دھوکہ تھا اگر "کشمیر چھوڑ دو" کی تازہ تحریک کے آثار چڑھاؤ کو بھی مد نظر رکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ نیشنل کانفرنس کی دو رخی کچھ مسلم کانفرنس ہی سے مخصوص نہیں تھی بلکہ یہ ہوشیار لوگ پنڈت نہرو سے بھی کھیل رہے تھے کیونکہ ایک طرف شیخ عبداللہ نے اپنے مقدمے کا ڈیفنس پنڈت جی کو سونپ دیا دوسری طرف نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ کارکن کانگریس کے بجائے کمیونسٹ پارٹی کی ہدایت پر پوری طرح پابندی سے عمل پیرا ہیں اور انہیں یقین دلا چکے ہیں کہ وہ اپنی قسمت کانگریس کے بجائے کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ کئے ہوئے ہیں سب سے زیادہ دلچسپ بات نیشنل کانفرنس کے قائم مقام صدر کی ہے جو مسلم کانفرنس کے نمائندوں سے ہمیشہ اتحاد المسلمین کے بہت بڑے خواہشمند کی حیثیت سے ملتے رہے۔ پنڈت نہرو کو انہوں نے ہمیشہ ایک سچے کانگریسی کی حیثیت سے چالیس لاکھ باشندگان ریاست کی وفاداری کا یقین دلایا، یہی وہ شخص ہے جو کمیونسٹ پارٹی کے مہمان بن کر اپنے آپ کو انہی میں سے ظاہر کرتے ہیں۔

قائمقام صدر بخشی غلام محمد نے بیک وقت تین کشتیوں میں سوار ہو کر ان توقعات کو پورا کیا جو شیخ عبداللہ کا جانشین ہونے کی حیثیت میں شیخ صاحب اُن سے توقع رکھ سکتے ہیں۔

مجلس عاملہ ان ساری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقاء بدستور دشمن اسلام عناصر کے ہاتھوں

میں کھیل رہے ہیں اور پنڈت نہرو تحریک رابطہ مسلم عوام MUSLIM MASS CONTACT کے احوال کے تحت ان کی تائید و حمایت اس لیے کر رہے تھے تاکہ صوبہ سرحد سے ملحق ایک ایسی ریاست کو جو رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے صوبہ سرحد سے ڈیڑھ گنا بڑی ہے۔ اپنے ڈھب پر لا کر کشمیر اور سرحد کا ایک مضبوط مخالف پاکستان کانگریسی بلاک بنا سکیں اور اس طرح مرکزی آئین ساز اسمبلی میں مسلمانوں کے کوٹہ میں سے چھ نشستیں ہتھیا لینے میں کامیاب ہوں۔

اور اس کانگریس زدہ مسلم بلاک کو شمال مغربی پاکستان کے پیٹھ پر بنگل پھوڑے کی حیثیت سے قائم رکھ سکیں۔

برعکس اس کے کمیونسٹ پارٹی جو ہندوستان کے کسی صوبے میں بھی مضبوط طور پر اپنے قدم نہیں جما سکی وہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں کی موقعہ پرستی کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر کشمیر میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرے اور اس کے بعد ہندوستان پر حبت لگانے کے لیے روس کے ہمسایہ اشتراکی کشمیر کو اڈے SPRING BOARD کی حیثیت سے استعمال کر سکیں۔

شیخ عبداللہ اور اُن کے ساتھی آگے چل کر سچے دل سے کانگریس کا ساتھ دیں گے یا کمیونسٹ پارٹی کا یہ وہی بہتر[1] جان سکتے ہیں۔ البتہ اتنا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا فکر و عمل مسلم اتحاد کے خلاف ہے اور وحدت اسلامیہ کے لیے تباہ کن ہے ان حالات میں جب تک وہ آدھے کانگریسی اور آدھے کمیونسٹ ہیں مسلمان اُن کا ساتھ دے کر کشمیر کو روس کا آذربائیجان یا ہندوستان کا دوسرا صوبہ سرحد نہیں بنانا چاہتے۔

بنا بریں مجلس عاملہ شیخ عبداللہ کی پالیسی کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن قرار دیتی ہے۔ البتہ اگر اب بھی وہ غیر مسلموں کی سرپرستی کو ترک کر کے سیاسی خواہشات کو دس کروڑ مسلمانوں کی متفقہ رائے کے تابع کر دیں تو مسلم

---

[1] آگے چل کر انہوں نے کانگریس کا ساتھ دیا نہ کمیونسٹوں کا بلکہ وہ انگریز سامراج کی چال میں آگئے۔

کانفرنس آج بھی انہیں اپنانے کے لیے تیار ہے۔"

پنجاب کے مسلم اخبارات نے مسلم کانفرنس کو رجعت پسند اور ایسے الزامات دے کر جب مسلم کانفرنس کی شبیہہ مسخ کرنے شروع کی تو اس کانفرنس کی مجلس عاملہ کی رپورٹ منصۂ شہود پر آتے ہی اخبارات ان کی تائید و حمایت کی طرف مائل ہو گئے۔

پنجاب کے کئی مسلم رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کو دوبارہ مسلم کانفرنس کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے یہ مشورہ ٹھکرا کر نامنظور کیا۔ انہوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کے ساتھ مسلم کانفرنس کے خلاف بیک وقت دو محاذ کھول دیے۔

شیخ عبداللہ جہاں ڈوگرہ حکمرانوں سے "کشمیر چھوڑ دو" کا مطالبہ کرنے لگے وہاں مسلم کانفرنسیوں سے "کشمیر کو چھوڑنے" کا تقاضا کرنے لگے۔

حساس طبیعت کو جاگنے کی ضرورت ہے
آزار سے بچنے کی بس ایک ہی صورت ہے

"تحریک آزادیٔ کشمیر" کے ڈائرکٹ ایکشن کا انجام

کشمیر چھوڑ دو تحریک سے نیشنل کانفرنس کے مردہ جسم میں یقیناً ایک نئی روح دوڑ گئی اور ریاست کے علاوہ اور ریاست کے باہر بھی اس تنظیم کا خوب چرچا ہوا۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک جو ایک طرح سے سرد خانے میں جا پڑی تھی۔ اس میں ایسی گرمی پیدا ہو گئی کہ جس نے ایوان حکومت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ جو بدظنی اور بداعتمادی کا شکار ہو گئی تھی اس پر نہ صرف عوام کا اعتماد بحال ہو گیا بلکہ اس تنظیم کے لیے وہ متحرک بھی ہو گئے۔

کٹر ہندو پریس کے سوا ہر ایک نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے لیے شیخ عبداللہ کو اپنا تعاون دینے کی پیش کش کی۔ اس تحریک کے بارے میں مسلم کانفرنس کے رول کی اندرونی اور بیرونی سطح پر نکتہ چینی بھی گئی۔

مسلم پریس نے بھی جب مسلم کانفرنس کے خلاف آواز اُٹھائی تو مسلم کانفرنس کے قائدین کی طرف سے کئی میٹنگوں کے بعد فیصلہ لیا گیا کہ ڈوگرہ شاہی کے خلاف سول نافرمانی کے ضمن میں ڈائرکٹ ایکشن کا پروگرام رکھا جائے۔

۹ راگست ۱۹۴۶ء کو غلام احمد جویلر کے گھر میں ایک خفیہ میٹنگ کے دوران ڈایرکٹ ایکشن کے پروگرام کو حتمی شکل دی گئی اور فیصلہ لیا گیا کہ علاقہ جموں جن میں پونچھ، میرپور، بھمبر، کوٹلی، نوشہرہ، راجوری، حویلی، مینڈھر، ریاسی اور کٹھوعہ کے سابقہ فوجیوں کو منظم کیا جائے چونکہ یہ فوجی دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر مع ہتھیاروں کے

اپنے اپنے گھروں کو لوٹے تھے۔ لہٰذا ان کے لیے ہتھیار فراہم کئے جائیں۔ کیونکہ یہ لوگ ڈوگرہ فوج کا آسانی سے مقابلہ کر سکے گی۔

سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ ہی مسلح بغاوت کا بھی آغاز ہوگا اور اس طرح نیشنل کانفرنس جو بازی لے گیا ہے۔ اس بازی کو واپس اُن سے لیا جاسکتا ہے۔

اس خفیہ مٹنگ میں سر ظفر اللہ خان کے علاوہ ——— چوہدری غلام عباس خاں قریشی محمد یوسف، شیخ احمد الدین بانہالی، مولوی محمد یوسف شاہ چوہدری حمید اللہ، میجر علی احمد شاہ سید نذیر حسین پونچھی، غلام احمد جو نیلر اور مولوی محمد امین شامل تھے۔

مٹنگ میں مسلح بغاوت کی میجر علی احمد شاہ نے پیش کش کی اور یقین دلایا کہ سابقہ فوجی ڈوگرہ فوج کا نہ صرف مقابلہ کر سکے گی بلکہ وہ اس فوج کو زیر کرنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس سلسلے میں اگلی مٹنگ مولوی یوسف شاہ کے دولت خانے پر بلانے کا فیصلہ لیا گیا۔ مٹنگ کے روز انہوں نے مولوی غلام نبی شاہ کے ذریعہ دیگر حضرات کو مٹنگ ملتوی کیا جانے کا سندیسہ بھیجدیا، دراصل مولوی یوسف شاہ اس قسم کی مٹنگ اپنے گھر پر بلانے سے ڈر گئے۔ اس روز مولوی صاحب کے بغیر سبھی حضرات مجسٹک ہوٹل میں حاضر ہوئے اور فیصلہ لیا گیا کہ مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر سول نافرمانی اور ڈائرکٹ ایکشن کا اعلان ہوگا۔

شیخ احمد الدین بانہالی، سید نذیر حسین شاہ پونچھی اور میجر علی شاہ کو سابقہ فوجوں کے ساتھ رابطہ بڑھانے کے لیے روانہ کیے جانے کا فیصلہ لیا گیا۔

میٹنگ میں مولوی محمد یوسف شاہ کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔ چونکہ مسلم اتحاد "مسلم کانفرنس اور آزاد مسلم کانفرنس" کے نام سے دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ اس لیے فیصلہ لیا گیا کہ دونوں تنظیموں کو ملایا جائے اس سلسلے میں چوہدری غلام عباس خان، سید میرک شاہ اندرابی، چوہدری حمید اللہ خاں قریشی۔

محمد یوسف اور غلام محی الدین رہبر نے مل کر مولوی یوسف شاہ سے ملاقات کی اور انہیں آزاد مسلم کانفرنس توڑ کر مسلم کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی، مولوی صاحب نے یہ دعوت قبول کر لی تو فیصلہ کیا گیا کہ مشترکہ طور پر جامع مسجد میں ایک جلسہ کا انعقاد

کیا جائے جس میں مسلم کانفرنس کے حامی جو کہ نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے ہیں انہیں واپس اپنی تنظیم میں آنے کی دعوت دی جائے۔

مقررہ تاریخ پر جب جامع مسجد میں کنونشن کا انعقاد کیا گیا تو عام لوگوں کے علاوہ اس میں نیشنل کانفرنس کے کئی سرکردہ عہدیداروں اور کئی ممبران اسمبلی نے شرکت کی، اس موقعہ پر چوہدری غلام عباس خان کی طرف سے جو خطبہ صدارت پیش کیا گیا اُس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

"نیشنل کانفرنس کو چھوڑ کر وہ دوبارہ مسلم کانفرنس میں آجائیں تو ہم اُن کا خیر مقدم کریں گے، آئندہ لائحہ عمل کا پروگرام وہ بنائیں تو ہم بحیثیت ایک ادنیٰ رضاکار کے کام کرنے کو تیار ہیں۔ ایک متحدہ پروگرام کے تحت تحریک چلائی جائے تو ہم خود سارا بوجھ سنبھالنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ اس کے بغیر وہ لوگ (نیشنل کانفرنس والے) بالکل ناکام رہ جائیں گے نیشنل کانفرنس کے چند ذمہ دار کارکن قوم پرستی کی قبا پھاڑنے کے لیے بالکل آمادہ ہو گئے تھے لیکن دفعتاً انہوں نے ہی پیش کش کو ٹھکرایا اور اگر اب بھی اس غلط اقدام کے نتائج کی ذمہ داری ہم پر ڈالی جائے تو کیوں اور کس لیے؟

آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں تحریک سے چند روز قبل یہ لوگ کاک صاحب کی وزارت کو عوامی وزارت کہتے تھے اور نیشنل کانفرنس کا حکومت کے ساتھ باضابطہ گٹھ جوڑ تھا۔ اب اس وزارت کو غیر عوامی اور ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں۔ متواتر چھ سال سے حکومت کشمیر کا سہارا لے کر مسلم کانفرنس پر نہ صرف دھاوا بول دیا گیا بلکہ بیرونی اور اندرونی طاقتوں کے استعمال سے اسلامی تنظیم کو درہم برہم کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ اس جنگ کو بیرونی پریس کے ذریعے سے فرقہ وارانہ رنگت دلائی گئی۔

موجودہ "کشمیر چھوڑدو"[1] تحریک کے بانی اگر ہم مسلم کانفرنس والے ہوتے

[1] "کشمیر چھوڑدو" کی تحریک اصل میں وزارت کی لڑائی تھی۔ شیخ صاحب (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو میں دعوی سے کہتا ہوں کہ یقیناً نیشنل کانفرنسی احباب وزارت میں شامل ہو کر حکومت کے ساتھ مل گئے ہوتے۔

اگر شیخ صاحب جیل سے کل رہا ہوں تو آپ یاد رکھیں وہ "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے کا تخلیہ مہاراجہ کے ہاتھ[۲] میں دیں گے اگر ان کی تحریک کا یہی جواب ہے تو بے گناہ شہیدوں کے خون کی ذمہ داری کس کی گردن پر رہتی ہے۔ اس مسئلہ کو آپ بخوبی سمجھ لیں، شیخ صاحب کی عزت میرے دل میں اب بھی ہے۔ مگر انہوں نے اسلامی تنظیم کے خلاف صف آرائی کی، وہ قائداعظم کی رہنمائی قبول کرنے کے بجائے واردھا[۳] میں بیٹھے ہوئے دشمن اسلام کی رہنمائی قبول کر لیتے ہیں۔ اگر کل کو شیخ صاحب پھر سے اسلامی تنظیم کی رہنمائی قبول کر لیتے ہیں اور دشمنان اسلام کے کیمپ سے نکل کر اسلامی کیمپ میں آجائیں تو وہ ہمارے دوست بن سکتے ہیں اور ہم بھی اُن کی مخالفت کرنے سے دست کش ہو جائیں گے۔

پنڈت نہرو کو مسلمانوں اور شیخ صاحب کا ہمدرد اور غم خوار تصور کرنا مسلمانوں کی بھول اور سخت غلطی ہے وہ بظاہر ہمدرد و غم خوار بنا بیٹھا ہے مگر محض سیاسی کاز کے لیے وہ ۳۲ لاکھ مسلمانوں کو گمراہ کر کے کانگریس کے دام فریب میں لانا چاہتے ہیں اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے ذریعے یہاں کے مسلمانوں کو خریدنا چاہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) مہاراجہ سے وزیراعظم کا عہدہ مانگ رہے تھے، جبکہ وہ نائب وزیراعظم کا عہدہ دے رہے تھے اسی بات پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔

[۲] رہائی کے لیے انہوں نے واقعی مہاراجہ کو معافی نامہ بھیجدیا۔

[۳] واردھا میں خان عبدالغفار خان کی معیت میں شیخ عبداللہ نے مہاتما گاندھی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور انہیں اپنا رہنما تسلیم کر کے بھارت کا وفادار رہنے کا وچن لیا تھا۔

نہرو کانگریس کا صدر ہے اور خود کو اعلیٰ پائے کا مشہور لیڈر اور انٹرنیشنل مسائل پر تبصرہ کرنے والا لیڈر کہلاتا ہے۔ سوشلزم کا حامی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے لیکن گپت گنگا نشاط (انہوں نے چشمہ شاہی بتایا ہے) کے ایک سو سالہ بوڑھے راج گرو کے شرن میں آکر شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے ڈوگرہ شاہی سے سفارش کرنے کی التجا کرتا ہے۔ یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے کہ دو چار نیشنلسٹ مسلم لیڈروں کے ذریعے اس کے سیاسی مشن کی کامیابی ہو سکے جو انہوں نے مسلم لیگ کی بیخ کنی کرنے کے لیے جاری کر رکھا ہے۔

"کوئٹ کشمیر" کے نعرہ کے مقابلہ میں ورکنگ کمیٹی کے پاس شدہ ایک ریزولیوشن کو ہم نے "آزاد کشمیر" کے نعرہ کی صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس نعرہ کا مطلب ہے۔ "اکثریت کی حکومت" ایسی حکومت جو اپنا آئین خود بنا سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ نعرہ کوئٹ کشمیر کے نعرے سے بلند ہے۔ "آزاد کشمیر" کا نعرہ آپ کا دل ہے آپ کو ریاست کے کونے کونے میں اس کی نشرو اشاعت کرنی چاہیے اس کو اپنانا چاہیئے دوسرے مسلمانوں کو اپنانے کی ہدایت کریں اسی کاز کے لیے زندہ رہو اور اسی کے لیے اگر مرنا ہو تو تیار رہو۔"

چوہدری صاحب کی دو گھنٹے کی تقریر کے بعد حاضرین نے دیر تک تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا مسلم کانفرنس کے اس کنونشن نے یقیناً نیشنل کانفرنس کی عمارت میں ایک شگاف ڈال دیا اس صورت حال سے نہ صرف نیشنل کانفرنس بلکہ آل انڈیا نیشنل کانگریس سخت پریشان ہو گئی انہوں نے بعض ناراض ارکان کے ساتھ ساتھ ان ممبران کو دوبارہ واپس لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جو مسلم کانفرنس میں شامل ہو گئے تھے اس کنونشن کے بعد مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ایک خصوصی اجلاس میں "آزاد کشمیر" مسلم کانفرنس کا منشور جاری کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

(۱) زمینداری سسٹم اور بڑی بڑی جاگیریں ختم کی جائیں گی اور زمین حقیقی

کاشتکاروں کی ملکیت قرار دی جائے۔

(۲) مالیہ اور ٹیکس اتنا کم کر دیا جائے گا کہ وہ کل پیداوار کا ۱۵ فیصد سے زیادہ نہ ہو۔

(۳) تمام کاشتکاروں کو اس بات کی گارنٹی دی جائے گی کہ زمین اُس کے پاس کاشت کے لیے رہے گی۔

(۴) کسانوں کے قرضہ جات کو منسوخ کر دیا جائے گا اور حکومت کی طرف سے کسانوں کو کم شرحِ منافع پر قرضہ فراہم کیا جائے گا۔

(۵) ذریعی پیداوار حکومت کی امداد سے بڑھا دیا جائے گا حکومت کی امداد سے جدید قسم کی ذریعی مشنری کھاد، بیج فراہم کیا جائے گا اور اجتماعی کاشت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

(۶) بڑی صنعتوں اور نقل و حمل کے ذرائع کو قومی ملکیت میں لیا جائے گا۔ کان کنی جنگلات اور دوسرے قدرتی وسائل کو بھی قومی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

(۷) حکومت کی مالی امداد اور اجتماعی ملکیت کے اصول سے بڑی بڑی صنعتیں لگائی جائیں گی تاکہ عوام کی ضروریات پوری ہو سکیں اور بے روزگاروں کو کام مہیا ہو سکے۔

(۸) جو چھوٹی چھوٹی صنعتیں انفرادی ملکیت میں ہوں گی اُن کو سرکاری امداد دی جائے گی اور کام پر حکومت کا کنٹرول ہوگا۔

(۹) کسانوں، فنکاروں اور دوسرے آزاد پیداوار تیار کرنے والوں کی انجمن منظم کرنا اور اشیا کی تقسیم کے خریداروں کی انجمن کا قیام۔

(۱۰) ایک مقرر معیارِ زندگی کے مطابق صنعتی اور زرعی مزدوروں کی اجرتیں مقرر ہو جائیں گی۔

(۱۱) ہر شخص کو دن میں صرف آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوگا۔

(۱۲) ہر ایک صحت مند ریاستی باشندے کو کام مہیا کیا جائے گا۔ بصورت دیگر اُسے کام مہیا ہونے تک امداد دی جائے گی۔

(۱۳) سولہ برس کی عمر تک مفت اور لازمی تعلیم دی جائے گی۔

(۱۴) غریبوں کو مفت طبی امداد دی جائے گی۔

(۱۵) پریس، پلیٹ فارم اور انجمن سازی کی مکمل آزادی ہوگی۔

(۱۶) مذہب اور عبادت کی مکمل آزادی ہوگی۔

(۱۷) تمام فرقوں کو ثقافتی خود اختیاری ہوگی۔

(۱۸) عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق و فرائض اور ذمہ داریاں ہوں گی۔

(۱۹) عدلیہ انتظامیہ سے علیحدہ اور خود مختار ہوگا۔ قانون کی علمبرداری ہوگی۔

"آزاد کشمیر" کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس ۲۴-۲۵ اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم پارک جامع مسجد سرینگر میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا نورالدین شاہ اس کمیٹی کے چیرمین مقرر ہوئے۔ اجلاس کا اختتام سے قبل قرارداد "آزاد کشمیر" جاری کیا گیا۔

قرارداد

ہرگاہ کہ ہندوستان کے آئین کا ڈھانچہ مرتب کرنے کا ڈول ڈالا جا رہا ہے اور برطانوی ہند کے صوبہ جات اور ہندوستانی ریاستوں کو ایک محدود اختیار والی یونین میں منسلک کرنے کے لیے جس آئین ساز اسمبلی کو تشکیل دیا جا رہا ہے اس میں دس کروڑ باشندوں کی نمائندگی کے متعلق وزارتی سفارشات بالکل مبہم ہیں اور سیاسی عوام کو شبہہ ہے کہ انہیں مطلق العنان شہزادگان کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا ہے۔ مجلس عاملہ کی رائے میں آئین ساز اسمبلی میں ریاستی عوام کو بھی اسی طرح اپنے نمائندے خود منتخب کرنے کا حق دیا جائے جیسا کہ برطانوی ہند کو حاصل ہے۔ بالخصوص جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے مسلم کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں ریاست کی طرف سے جو نمائندے بھیجے جائیں لازمی طور پر کشمیر اسمبلی کے منتخب ممبروں کی طرف سے انتخاب کردہ ہونے چاہئیں اور ان کا تناسب و طریق انتخاب اسی طرح ہونا چاہیے جیسا برطانوی ہند کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے مجلس عاملہ یہ بھی مطالبہ کرتی

ہے کہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں ریاست کی طرف سے جو نمائندے بھیجے جائیں لازمی طور پر کشمیر اسمبلی کے منتخب ممبروں کی طرف سے انتخاب کردہ ہونے چاہئیں اور ان کا تناسب اور طریق انتخاب اسی طرح ہونا چاہیے جیسا کہ برطانوی ہند کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے مجلس عاملہ یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ مستقبل قریب میں جب ریاستوں کو ہندوستانی گروپوں میں شامل ہونا مقصود ہو تو کسی گروپ میں شمولیت کا حق صرف ریاستی عوام کو ہونا چاہیے۔

نیز ہر گاہ کہ آمریت اور جمہوریت کا دوش بدوش چل سکنا ممکن نہیں اور مجوزہ آئین ساز اسمبلی جو ہندوستان کے مختلف اجزاء کے لیے آئین مرتب کرے گی اس کا انحصار آزاد اور جمہوری اصولوں پر ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست جموں وکشمیر جو آبادی اور وسعت کے لحاظ سے صوبہ سرحد سے بہت بڑی اور سندھ کے برابر ہے کا آئین بھی انہی اصولوں پر مرتب ہونا چاہیے، بنا بریں ضروری ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مطلق العنان اور غیر ذمہ دارانہ نظام حکومت کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور عوام کو اپنی پسند کا پورا پورا اختیار دیا جائے جو اپنے مخصوص حالات کے مطابق آزاد کشمیر کے لیے جس طرز کا آئین چاہیں مرتب کریں اس کام کو سرانجام دینے کی خاطر جموں وکشمیر کے لیے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام از بس ضروری ہے۔ مجلس عاملہ مہاراجہ کشمیر سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے موجودہ الوقت فرسودہ اسمبلی کو توڑ کر اس کی جگہ فی الفور مطلوبہ اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو وسیع حق رائے دہندگی کے ساتھ تمام تر منتخب ممبران پر مشتمل ہو اور جس میں ہر قوم اور ہر فرقہ کی تناسب آبادی کے لحاظ سے جداگانہ حق نیابت کے ذریعے حق نمائندگی حاصل ہو اور اسی اسمبلی کو ریاست جموں وکشمیر کے لیے اپنی مرضی کا آئین حکومت بنانے کا اختیار سونپا جائے۔ مجلس عاملہ کو توقع ہے کہ مہاراجہ کشمیر بدلے ہوئے حالات، سارے ہندوستان کے مفاد اور اہل ریاست کی بہتری

کے پیش نظر عوام کو اپنی تقدیر کا خود فیصلہ کرنے کے جائز حق کو تسلیم کرلیں گے۔ مجلس عاملہ واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ اگر مندرجہ بالا مطالبات کے برعکس حکومت کشمیر نے کوئی اور ارادہ اختیار کیا تو مسلم کانفرنس اس کو قبول نہیں کرے گی اور مسلم عوام مسلم کانفرنس کی قیادت میں پوری طاقت کے ساتھ آزاد کشمیر کے لیے جدوجہد کریں گے۔"

ڈوگرہ حکومت مسلم کانفرنس کے انقلابی پروگرام سے خوفزدہ ہوگئی چنانچہ حکومت نے دفعہ ۱۴۴ کے تحت مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر پابندی عائد کردی، مسلم کانفرنس نے اپنی روایت کے پیش نظر ڈوگرہ حکومت کے اس نادرشاہی حکم کو ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری آغا شوکت علی نے ایک اخباری بیان کے ذریعے واضح کیا کہ مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس حکومت کی پابندی کے باوجود مقررہ تاریخ پر ہوگا اور اس اجلاس میں "آزاد کشمیر" کے ڈائریکٹ ایکشن دراست اقدام) کا پروگرام پیش کیا جائے گا۔ اجلاس کے لیے خفیہ طور تمام تیاریاں مکمل ہو رہی تھیں حکومت نے میرواعظ مولوی یوسف شاہ کو اپنے جال میں پھنسا کر انہیں اس کانفرنس کو سبوتاژ کرنے کے لیے استعمال کیا اور اس کے لیے انہیں معقول معاوضہ بھی عطا کیا گیا۔ چنانچہ اجلاس کے صرف ایک روز قبل میرواعظ مولوی یوسف شاہ نے حکومت سے محاذ آرائی کی شدید مخالفت کی اور "آزاد کشمیر" کی اس تحریک کے لیے اپنی طرف سے ساتھ دینے سے صاف انکار کیا، حالانکہ مجلس عاملہ نے میرواعظ مولوی یوسف شاہ کی موجودگی میں دو۔۔روز قبل پروگرام کی حتمی منظوری دے دی تھی۔

مجلس عاملہ نے جو پروگرام ڈائریکٹ ایکشن کے لیے مرتب کیا تھا اس کے مطابق ریاست بھر میں ایک انقلابی عمل تحریک چلانے کے لیے مسلم کانفرنس کے حمائتیوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سالانہ اجلاس میں بڑھ چڑھ کر شرکت کریں اور اپنے اپنے علاقوں میں جماعت کے پروگرام کا انتظار کریں۔

اس میٹنگ کے دوران مولانا محمد یوسف شاہ اور مولوی غلام نبی کے چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا تھا۔ اس وقت اگرچہ دیگر حضرات نے ان کی بدلتی حالت پر زیادہ دھیان

نہیں دیا لیکن بعد میں واضح ہوگیا کہ دراصل مولوی صاحب نہ صرف اس قسم کی تحریک کے بالکل خلاف تھے بلکہ وہ ڈوگرہ حکمرانوں کے لیے جاسوسی بھی کر رہے تھے۔ میر واعظ یوسف شاہ جب جان گئے کہ مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر وادی میں کیا کچھ ہوگا۔ تو انہوں نے سالانہ کانفرنس کے انعقاد میں زبردست رکاوٹیں ڈالدیں اور ان رکاوٹوں کے لیے انہوں نے رام چند کاک سے برابر رابطہ قائم رکھا۔

چودھری غلام عباس خاں کو جب اس کی اطلاع مل گئی کہ مولوی یوسف شاہ خفیہ طور پر رام چند کاک کے ساتھ کوئی ساز باز کر رہا ہے تو انہیں سخت تشویش لاحق ہوگئی کہ کہیں انہوں نے ڈوگرہ حکومت کو ہمارے خفیہ پلان سے واقف نہ کرایا ہو۔

چوہدری غلام عباس خاں کو دراصل پولیس آفیسر سیّد عبدالرشید اور شیخ عبدالکریم نے میر واعظ یوسف شاہ کی حکومت کی مخبری کرنے کی اطلاع پہنچائی تھی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کے یہ دو پولیس آفیسر ایسے لوگ تھے جو بظاہر مہاراجہ کے وفادار پولیس آفیسر تھے لیکن یہ باطن یہ تحریک کے میر کارواں کے پاس اندرونی راز پہنچایا کرتے تھے۔ ڈوگرہ راج میں تحریک حریت کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا فیصلہ لیا جاتا تو اس کی اطلاع ان دو پولیس آفیسروں کے ذریعے تحریک کے لیڈروں تک پہنچ جاتی تھی۔

اخبار "مارتنڈ" نے جب پولیس آفیسروں کی اس قسم کی کاروائی کو طشت از بام کیا تو اُن کے بارے میں پچھلے شکایات کے ساتھ نئی شکایت پر غور و خوض کرنے کے بعد انہیں نوکری سے برخاست کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

ان پولیس آفیسروں کی شکایت پر کہ مولوی یوسف شاہ ڈوگرہ حکمرانوں کی مخبری کے ساتھ وابستہ ہے۔ تنظیم میں زبردست تشویش پھیل گئی۔

ایک ہنگامی مگر خفیہ میٹنگ میں مولوی صاحب کے ساتھ قطع تعلقات کرنے کا فیصلہ لیا گیا لیکن چوہدری حمیداللہ نے اس فیصلے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا انہوں نے مولوی صاحب کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑنے پر زور دیا۔ چنانچہ اس

کے لیے ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد میں ایک جلسہ عام کی منادی کرائی گئی لیکن حکومت نے خلل امن کے تدارک کے طور پر شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کرا دیا اور جلسے جلوس پر پابندی عائد کر دی۔

مسلم قائدین نے بارہمولہ میں جلسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چوہدری غلام عباس خان صدر اور آغا شوکت علی جنرل سیکرٹری نے اجلاس کے روز گرفتاریاں دینے کا بھی فیصلہ کیا، انہوں نے اے۔ آر ساغر کو قائم مقام صدر منتخب کیا، لیکن ۲۴ اکتوبر کی رات کو چوہدری غلام عباس خاں اور آغا شوکت علی کے ساتھ اے۔ آر ساغر مولوی نورالدین، محمد اسماعیل ساغر، غلام محی الدین رہبر اور دوسرے ارکان کو گرفتار کر لیا گیا۔

چنانچہ اسمبلی میں پارٹی لیڈر چوہدری حمیداللہ مسلم کانفرنس کا قائمقام صدر مقرر کیا گیا۔

تحریکِ "آزاد کشمیر" کا توڑ کرنے کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ نے مولوی محمد یوسف شاہ کو آڑے وقت میں کام آنے کو کہا تو انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مہاراجہ کی خدمت میں ایک خطبہ جسے "اعلائے کلمتہ الحق" کا نام دیا گیا رام چند کاک کی وساطت سے مہاراجہ کو پیش کیا۔ رام چند کاک نے اس "اعلائے کلمتہ الحق" کو میر واعظ مولوی یوسف شاہ کی طرف سے ایک سرٹیفکیٹ کے طور پر استعمال کر کے مشتہر کرایا۔

اس خط میں مولوی یوسف شاہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو "ظل سبحانی" (خدا کا سایہ) اور "اولاامر منکم" کہہ کر ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو فرمان الٰہی سے تعبیر کیا۔ اس "اعلائے کلمتہ الحق" کی اخباروں میں اشاعت سے عوام کی طرف سے مولوی صاحب کو ہزیمت تو ہوئی لیکن مسلم کانفرنس بھی پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ غلام احمد جو ٹیلر اور عبدالخالق ماگرے نے مسلم کانفرنس سے استعفےٰ دے دیا غلام احمد جو ٹیلر قریشی محمد یوسف کی سٹی مسلم کانفرنس میں اور عبدالخالق ماگرے نیشنل کانفرنس میں شامل ہوگیا۔ قریشی محمد یوسف کی سٹی مسلم کانفرنس باغی مسلم کانفرنسیوں نے بنائی تھی۔ اس میں قریشی محمد یوسف کے ساتھ محمد سلطان وانی، محمد یاسین عثمانی، عبدالغفار جاپری،

محمد اسماعیل ساغر، پیرزادہ طیب شاہ، جلال الدین قریشی، غلام رسول لادے، میر غلام نبی محمد عبداللہ لون، حبیب اللہ زرگر، غلام نبی اختراز اور ہارون رشید وغیرہ شامل تھے۔

بیشتر لیڈروں کی گرفتاری اور شہر سرینگر میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے بعد ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد بارہمولہ میں ایک پبلک جلسہ میں چوہدری حمیداللہ خاں نے میرواعظ مولوی یوسف شاہ، مولوی محمد امین مولوی غلام نبی شاہ اور عبدالسلام دلال پر حکومت کے ساتھ ساز باز کرنے کا الزام لگایا۔ چوہدری صاحب نے سخت لہجے میں مولوی یوسف شاہ پر فردِ جرم عائد کر کے ان پر اور اُن کے ساتھیوں پر مسلم کانفرنس کی تنظیم کا خفیہ پلان فاش کرنے پر تنظیم کے ساتھ غداری کرنے کا مرتکب ٹھہرایا۔ انہوں نے مولوی یوسف شاہ اور ان کے چند دیگر ساتھیوں کو دھوکہ دینے کی تفصیلات بتاتے ہوئے مولوی صاحبان کے ڈبل رول کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ چوہدری صاحب کے بعد جن حضرات نے یہاں تقریریں کیں ان میں سردار عبدالرحیم وانی، غلام سرور، غلام محی الدین ترنبو، غلام احمد ترالی، شیخ احمدالدین باہالی، غلام الدین شاہ اور غلام الدین وانی شامل تھے۔

آخیر پر مولوی یوسف شاہ پر عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی جو اتفاق رائے سے پاس کی گئی۔ اگلے روز چوہدری حمیداللہ خان نے پریس کانفرنس میں اپنے آپ کو تنظیم کا قائمقام صدر ہونے کا اعلان کیا۔ اور بحیثیت قائمقام صدر کے انہوں نے مولوی محمد امین اور عبدالسلام دلال کو تنظیم کے ساتھ غداری کی پاداش میں تین سال کے لیے تنظیم کے تمام عہدوں اور ابتدائی رُکنیت سے خارج کیا۔

مولوی یوسف شاہ کے حامی اس فیصلے سے سیخ پا ہوگئے۔ وہ احتجاجی جلوس کی صورت میں صدر دفتر کی طرف گئے قبل اس کے کہ کوئی دنگا فساد ہو جاتا چوہدری حمیداللہ اور اُن کے دوسرے ساتھی دفتر سے چلے گئے۔

میرواعظ کے حامیوں نے صدر مسلم کانفرنس کے ان بیانات کو میرواعظ کی شان میں ناقابل معافی خطا سمجھ کر اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا کہ چوہدری غلام عباس خان نے اپنی گرفتاری سے قبل میرواعظ یوسف شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ لہٰذا دوسرا کوئی صدر ہمیں قابل قبول نہیں، مولوی صاحب نے اس کے ثبوت میں چوہدری عباس کا جو

خط پیش کیا وہ بعد میں جعلی ثابت ہوا۔

صدارت کے جھگڑے میں چوہدری حمیداللہ خان کو مولوی یوسف شاہ نے حکومت کی مدد سے مختلف کیسوں میں ملوث کر کے ان کے خلاف ایک پروپگنڈا مہم شروع کی مولوی صاحب کے حمائیتیوں نے خطوط اور تاروں کی ایک زوردار مہم چلائی تاکہ میرواعظ قائمقام صدر تسلیم کیے جائیں اس سلسلے میں جن اصحاب کو حالات پر غور کرنے کے لیے سرینگر آنے کی دعوت دی گئی ان میں سے پروفیسر محمد اسحٰق، معراج الدین، غلام حیدر غوری، شیخ عبدالرحمٰن، چوہدری عبداللہ بھلی، میر علی احمد شاہ، مرزا محمد حسین، چوہدری مصطفےٰ اور سردار یار محمد نے مولوی یوسف شاہ کو لکھ دیا۔

"ہم آپ کی کسی بھی میٹنگ میں شامل نہیں ہوسکتے تم غدارِ قوم ہو، اپنی منافقانہ سرگرمیاں فوراً بند کرو ——— !"

مولوی یوسف شاہ کے نام تار کی یہ نقل اخبار "پاسبان" میں چھپ گئی، تو نیشنل کانفرنس نے اسے خوب اُچھالا۔

مسلم کانفرنس کی اس رسہ کشی نے نیشنل کانفرنس کو کافی تقویت پہنچائی، مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں شیخ محمد عبداللہ کے بعد مولوی یوسف شاہ نے جو رول ادا کیا اس سے مسلمانوں کو زبردست ہزیمت اور پشیمانی اُٹھانی پڑی۔ اس ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لیے محمد علی جناح کو مداخلت کرنا پڑی۔ انہوں نے مولوی یوسف شاہ کو راٹن فش (گندھی مچھلی) کہنا پڑا۔ انہوں نے چوہدری حمیداللہ خان کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔



محمد علی جناح — مولوی یوسف شاہ

مسٹر جناح کی حمایت حاصل ہونے کے بعد چوہدری صاحب کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ریاستی مسلم طلبا نے علی گڈھ آنے کی دعوت دی۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ریاستی مسلم طلبا کے ساتھ دوسرے طلبا کے

اجلاس میں چوہدری حمید اللہ خاں نے جو مفصل تقریر کی اس میں انہوں نے جہاں تحریک حریت پر روشنی ڈالی وہاں مولوی یوسف شاہ کا کچا چٹھا کھول دیا۔


چوہدری حمید اللہ خان

انہوں نے فرمایا۔

"مسلمانوں جموں وکشمیر کی نجات شیخ محمد عبداللہ اور چوہدری غلام عباس خان کے اتحاد میں مضمر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب نے مسلم لیگ کے بجائے نیشنل کانفرنس کا ساتھ دیا اور وہ مطالبہ پاکستان کی حمایت نہیں کرتے بلکہ قائداعظم محمد علی جناح اور پاکستان کی مخالفت بھی کر چکے ہیں۔ اب بھی اگر شیخ صاحب راہ راست پر آ کر پاکستان کی مخالفت ترک کریں تو وہ پہلے کی طرح ہمارے قائد اور رہنما بن سکتے ہیں ۔۔۔۔۔

ہم نے سالانہ اجلاس سرینگر میں بلایا تاکہ قوم کو ڈائرکٹ ایکشن کا پروگرام سنائیں حکومت کشمیر نے اجلاس پر پابندی لگا کر ہمارے ڈائرکٹ ایکشن کو پورے طور پر حق بجانب ثابت کرنے کا موقع فراہم کیا، ہم نے فیصلہ لیا کہ قانون شکنی کر کے ایک بار پھر کشمیر کے جیل بھر دیئے جائیں، مولوی یوسف شاہ نے جو کونسل آف ایکشن کا پریزیڈنٹ تھا پہلے ہاں میں ہاں ملائی لیکن عین اجلاس کے دن پہلے غداری کی اور حکومت کے ساتھ مل کر ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا اور جب ہمارے امتحان کا وقت آگیا تو اس ذلیل مولوی نے حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے سارا پروگرام حکومت کو بتایا۔ اب ہم کشمیر سے مولوی یوسف شاہ اور اس کے ملازم کو جب تک ختم نہ کریں مسلم کانفرنس کا راستہ صاف نہیں ہو سکتا۔

میں شرم اور ندامت سے اقرار کرتا ہوں کہ شیخ عبداللہ نے ۱۹۳۱ء کے

بعد اس غدار میر واعظ کو ریاستی سیاست سے باہر نکال کر ایماندارانہ رہنمائی کی تھی ہم اس غدار کے کارناموں کو بھول گئے اور آج سے چار سال پہلے اس گندی مچھلی کو سیاسی تالاب میں ڈال کر ہم لوگوں نے بڑی بھاری غلطی کی وقت آگیا ہے کہ مسلم کانفرنس کو اس نفس پرست مولوی اور اس کے بے ایمان حواریوں سے پاک کیا جائے میں اس مہم کے لیے تہیہ کر چکا ہوں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت کے مطابق پہلا کام یہ کروں گا کہ مسلم کانفرنس کی تنظیم کو تمام گندے اور ناپاک جراثیم سے پاک کروں۔"

اس جلسے میں بار بار "میر جعفر مردہ باد" اور "ملازم مردہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔ روزنامہ "احسان" لاہور نے "مسلم کانفرنس میں انتشار" کے عنوان سے ۱۹ نومبر ۱۹۴۶ء کو اپنے ایک اداریہ میں اس واقعہ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے میر واعظ مولوی یوسف شاہ سے یوں شکایت کی۔

"قائد ملت چوہدری غلام عباس خاں صدر مسلم کانفرنس کی گرفتاری کے بعد کانفرنس کے کارکنوں میں ایک ایسا افسوسناک خلفشار پیدا ہو گیا جس کو ہم مسلمانان کشمیر کی بدقسمتی پر محمول کرتے ہیں اگرچہ اس میں پنڈت رام چند کاک کی کتنی گہری سازش کیوں نہ کام کرتی ہو، لیکن ان مسلمانوں کی بدنیتی کو ہی واحد ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا جنہوں نے اس نازک ترین وقت میں مسلمانان کشمیر سے غداری کی، حکومت کشمیر کا یہ ایک دیرینہ خواب تھا کہ مسلمانان کشمیر میں پھوٹ پڑ جائے ـــــ اور اس مقصد کے لیے میر واعظ نے چوہدری حمید اللہ خاں کو فرضی حکم کے تحت مسلم کانفرنس سے خارج کر دیا اور کہا کہ یہ ہدایت انہیں چوہدری غلام عباس خاں نے جیل سے دی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سب جعلی کارروائی تھی۔ اب انہیں باقاعدہ طور پر مسلم کانفرنس کی ادنیٰ رکنیت سے بھی ہمیشہ کے لیے چوہدری صاحب نے خارج کر دیا ہے۔ میر واعظ نے مسلم کانفرنس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے لیے نہایت غیر موزوں وقت کا انتخاب کیا، اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ پنڈت ڈوگرہ گٹھ جوڑ کے مقابلے میں کشمیر اور جموں کے تمام مسلمان ایک محاذ قائم کرتے اور دشمن کو اس بات

کا کبھی موقع نہ دیتے کہ وہ ان کے اختلافات یا کشیدگی سے فائدہ اٹھا سکے۔ دنیا کی لالچ چند روزہ ہے لیکن قوم کے لیے زندہ رہنا ایک ابدی زندگی ہے۔ میرواعظ کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے اور مسلمانان کشمیر اس نازک دور میں پراگندہ نہ ہونے دیں۔"

مولوی یوسف شاہ کی اس حرکت پر ریاست اور ریاست کے باہر مسلمان عالموں فاضلوں، دانشوروں اور سیاستدانوں نے خوب جھاڑ پلائی لیکن وہ تنظیم میں مروان کا نقطہ ڈال چکے تھے۔ سن ۱۹۳۱ء سے لے کر اب تک تنظیم کا ایک ذمہ دار رکن رہ کر انہوں نے حکومت کا آلہ کار بن کر جس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اس کی وجہ سے ریاست میں نہ صرف مسلم کانفرنس لوگوں کی نظروں میں بے وقعت ہوگئی بلکہ مسلم اتحاد تتر بتر ہو کر رہ گیا۔ حقیر مفادات کے درمیان جو جاسوسی کا رول ادا کیا۔ اس نے مسلمانان ریاست کے ساتھ نظریہ پاکستان کو جو زک پہنچایا اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اگر میرواعظ مولوی یوسف شاہ حقیر مفادات کے لیے حکومت کا آلہ کار بن کر مسلم کانفرنس کا اتحاد پارہ پارہ نہ کر دیتا تو نیشنل کانفرنس اس پر ہرگز حاوی نہ ہو جاتی اپنے کرتوت سے مسلم کانفرنس پر نیشنل کانفرنس کو حاوی کر کے مولوی صاحب نے کانگریس کو تقویت پہنچائی، کانگریس کو تقویت پہنچانا ریاست میں پاکستان کا بستر گول کرنے کے مترادف تھا۔

شیخ محمد عبداللہ پاکستان کے کٹر دشمن تھے انہوں نے کھلم کھلا پاکستان کی مخالفت کی لیکن مولوی یوسف شاہ نے پاکستان کا حمائتی بن کر پاکستان کے خلاف جو کلم کیا وہ کوئی دشمن بھی نہیں کر سکتا، کشمیر اور پاکستان کے الحاق کے درمیان رکاوٹ کے ذمہ دار جتنے شیخ محمد عبداللہ ہیں اس سے کہیں زیادہ مولوی یوسف شاہ ہیں۔ اس لیے کہ مولوی صاحب نے پاکستان کا دوست بن کر یہاں اُن کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔

میرواعظ مولوی یوسف شاہ نے سیاسی میدان میں اُتر کر اپنے مفادات کے لیے مسلم اتحاد کے ساتھ جو رول ادا کیا اور حکومت کا آلہ کار بن کر جو کارنامہ انجام دیا بالکل یہی رول مولوی فاروق ادا کر رہے ہیں۔ مولوی یوسف شاہ کے نقش قدم پر چل کر مولوی فاروق ملازم کے جو نقش ثبت کر رہے ہیں وہ دور رس نتائج کے

...مل ہیں۔ مولوی یوسف شاہ کی طرح مولوی فاروق مرکزی سرکار کا آلہ کار بن کر آئے ...ن جو نت نئے روپ عوام کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ اس سے مسلمانان ریاست کو ...ک پہنچی ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔

...مولوی فاروق کیا ہیں اور وہ کس قسم کی تگڑم بازی کر رہے ہیں۔ اس کا تفصیلی ... اگلے باب میں آئے گا۔


میرواعظ مولوی محمد فاروق


میرواعظ مولوی یوسف شاہ



وزارت دیدو، کشمیر چھوڑ دو
شیخ عبداللہ کے دو رُخ

ستم تو یہ ہے وہ فرہادِ وقت ہے جس نے
نہ جوئے شیر نکالی نہ بُت تراش ہوا

کوئیٹ کشمیر تحریک کے جنم کا ماخذ

مقدمہ بغاوت

کوئیٹ کشمیر کے نعرے کی گونج دور دور تک سُنائی دی تو ہندو پریس نے اس نعرے کے خلاف شیخ عبداللہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ غیر ریاستی ہندوؤں کے اس مخالفانہ پروپگنڈے سے شہہ پاکر وادی کے پنڈتوں اور جموں کے ڈوگروں نے احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا انہوں نے مہاراجہ کے دفاع میں ایک محاذ کھول دیا اس محاذ سے نیشنل کانفرنس اور اُس کی لیڈر شپ کی طرف گولے پھینکے جانے لگے۔

کشمیری پنڈت رہنماؤں نے دراصل نیشنل کانفرنس کو ایک ڈھال سمجھ کر کانگریس کے ساتھ ڈوگرہ راج کی رکھوالی کرنے کا بیڑہ اُٹھایا تھا۔ اور وہ بیڑہ غرق ہونے لگا تو پنڈتوں کی طرف سے امیرا کدل میں پلیڈیم سینما کے سامنے ایک بڑا اجتماع ہوا، کئی پنڈت رہنماؤں نے تقاریر کیں۔ پنڈت بلہ کاک در نے نہایت ہی جذباتی لہجے میں فرمایا:۔

"ہم نے شیخ عبداللہ کا پنڈت نہرو کے کہنے پر ساتھ دیا تھا تاکہ نیشنل کانفرنس پھلے اور پھولے مگر آج شیخ عبداللہ مہاراجہ کو یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔ وہ یہاں کے ہندوؤں کو مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ یہ نیشنل کانفرنس کے اصولوں کے خلاف قدم ہے۔ ہم مہاراجہ کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم مہاراجہ کے خلاف گندی اور غلیظ باتیں سُننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہم ڈوگرہ راج

کے خلاف اس قسم کی تحریک کے حق میں نہیں ہیں۔ مہاراجہ بہادر کو یہاں سے چلے جانے کے لیے کہنے والوں کو ہم خبردار کرتے ہیں اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آئے تو حالات کی ذمہ داری اُن پر ہی عائد ہوگی۔"

دوسرے پنڈت رہنماؤں نے کم سے کم یہی باتیں دہرائیں اور یہی لہجہ استعمال کر کے پنڈت جواہر لال نہرو کی وہ دلیل مسترد کر دی جو دلیل انہوں نے مسلم کانفرنس کو توڑ کر نیشنل کانفرنس بنانے کے لیے شیخ عبداللہ کا ساتھ دینے کے لیے دی تھی۔

پنڈت نہرو کا کہنا تھا ڈوگرہ حکومت میں مظلوم مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔ لیکن آج وہی غیر مسلم اس بات کا برملا اظہار کر رہے ہیں کہ ہم مہاراجہ بہادر کی پوجا کرتے ہیں یعنی ہم انہیں ایک دیوتا مانتے ہیں۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کے لیے یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس سے مستقبل کے لیے اُن کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ آنکھیں کھول کر ان حالات کا جائزہ لیتے جن حالات نے انہیں مسلم کانفرنس توڑنے اور نیشنل کانفرنس بنانے کے لیے اُکسایا تھا۔

کشمیری پنڈتوں کی یہ تقریریں کافی تعداد میں مسلمان بھی سن رہے تھے۔ ان میں بخشی عبدالرشید بھی تھے۔ دوران تقریر جب ان پنڈت رہنماؤں نے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ پر تابڑ توڑ حملے کیے تو بخشی رشید نے کھڑے ہو کر محمد مقبول حکاک کو اشارہ کیا یکا یک اجتماع میں "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر" کا نعرہ گونجا۔

اس کے ساتھ ہی ایک کھلبلی مچ گئی، مسلمان غیر مسلموں پر ایسے ٹوٹ پڑے جس سے واضح ہو گیا یہ ایک پری پلان تھا۔ مسلمانوں کا کشمیری پنڈتوں پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑنے سے شور و غوغا کا طوفان کھڑا ہوا۔ کشمیری پنڈت جن میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے تھے۔ اور سڑک پر بیٹھے تقریر سن رہے تھے۔ اچانک غنیم کے ٹوٹ پڑنے سے وہ چیخنے چلانے لگے۔ بھاگ دوڑ میں بہت سارے لوگ پاؤں تلے روندے جانے لگے عورتوں کی ایسی بے حرمتی ہوئی کہ قلم لکھنے سے کتراتا ہے۔

پولیس نے آتے ہی لاٹھی چارج کرنا شروع کیا۔ بے شمار لوگ زخمی ہو گئے اور لاتعداد مردوں اور عورتوں کے کپڑے پھاڑے گئے۔ بے دردی اور بے حرمتی کا ایک بھیانک حادثہ رونما ہوا۔

پُرامن اجتماع پر بخشی غلام محمد کی والنٹیر فوج نے جو حملہ کیا وہ حد درجہ افسوسناک حرکت تھی اور اس پر جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ بجائے اس کے کہ اس حرکت پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا جاتا۔ اُلٹا اِن سب کشمیری پنڈتوں پر فتنہ فساد کا الزام لگا کر شیخ عبداللہ نے انہیں دھمکی دے کر فرمایا۔

"اگر یہ لوگ خاموش نہیں رہیں گے تو حالات قابو سے باہر ہو سکتے ہیں اور انہیں خس و خاشاک کی طرح اُڑایا جا سکتا ہے۔"

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی میں جو غرور ٹپکتا تھا اس کا مسلم اور غیر مسلم دونوں طرف کے سنجیدہ لوگوں نے سخت بُرا منایا اُن کا کہنا تھا مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کے حقوق کی دہائی دینے والا ایک فرقہ پر اپنے خیالات اور نظریات مسلط کر کے انہیں ایسا دھمکا رہا ہے۔ گویا اُنہوں نے اپنی سوچ اور اپروچ اِن کے پاس گروی رکھدی ہے۔

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی نے بعض مسلم لیڈروں کو ناراض اور پنڈت برادری کو مشتعل کر دیا۔ انہوں نے ان واقعات کا ذمہ دار شیخ صاحب کے ساتھ پنڈت نہرو کو ٹھہرایا جن کی ہدایت پر انہوں نے شیخ عبداللہ کا ساتھ دیا تھا۔

شیتل ناتھ مندر میں ایک اجتماع کے سامنے جب شیخ عبداللہ کے ساتھ پنڈت نہرو کے نام سخت بُرا بھلا کہا گیا تو اس کی اطلاع پنڈت نہرو کو مل گئی۔ انہوں نے شیخ عبداللہ کو فوری طور پر دہلی آنے کیلئے ایسے بلاوا بھیجا جیسے ایک آفیسر نے اپنے ماتحت ملازم کو جواب طلبی کے لیے پیش ہونے کو کہا ہو۔

۱۹ مئی ۱۹۴۶ء کو جب شیخ صاحب دہلی کے لیے روانہ ہو گئے تو کوہالہ میں ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

ان کی گرفتاری کی خبر پھیلتے ہی احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ جمعہ کے روز درگاہ حضرت بل میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا اس میں حسام الدین بانڈے، غلام حسن کرمانی، بشیر احمد درانی، امکار ناتھ در، موتی لال مصری اور پران ناتھ جلالی نے تقریریں کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ موتی لال مصری گرفتاری سے قبل ہی روپوش ہو گئے۔ اگلے روز صدر الدین مجاہد، غلام حسن کپرہ اور غلام حسن گیلانی گرفتار کر لیے گئے۔ درگاہ حضرت بل کے بعد خانقاہ معلیٰ میں بھی ایک احتجاجی جلسہ ہوا، یہاں

غلام محی الدین نور، صوفی غلام احمد اور موتی لال مصری کو تقریریں کرنے کے فوراً بعد گرفتار کر لیا گیا۔ جلسے جلوس جاری رہے۔ حکومت نے شبانہ چھاپوں کے دوران کئی افراد گرفتار کر لیے ان میں خواجہ احسن اللہ، شیخ محمد امین، غلام محی الدین (سفر نگ موسس)، محمد صدیق وانی، غلام احمد جو ئیلر، علی محمد (سن شائن الائے)، مولانا محمد عبداللہ قریشی، غلام احسن وانی، علی محمد باون، عبدالصمد تیلی، حکیم علی محمد، حکیم غلام نبی، شیخ عبدالرشید، عبدالاحد گنگرو، جیالال تعمیری، علی محمد گنائی، محمد سلطان درزی، محمد اسماعیل، حکیم غلام قادر، میر عبدالعزیز، اللہ دتہ خان اور عبدالغنی نیگرو شامل تھے۔

گرفتاریوں کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ نیشنل کانفرنس کی ساکھ جو عوام میں بری طرح متاثر ہوئی اور جس جماعت کو لوگ ووٹ دینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اُس نے "کوئٹ کشمیر" کے نعرے سے نیا جنم لیا۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری اور اُن کے خلاف بغاوت کا مقدمہ اس جماعت کے لیے سونے پر سہاگہ ہوا۔

اس تحریک سے شہر کے ساتھ دیہات اور قصبہ جات میں ایک ہل چل پیدا ہو گئی۔ حکومت نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا لیکن عوامی اجتماعات نے اس دفعہ کی دھجیاں اُڑا دیں۔ حکومت نے فوج اور پولیس کو غیر انسانی حرکات پر عمل پیرا ہونے کی ڈھیل دے دی۔ پولیس اور فوج نے شہر اور قصبوں میں قہر و غضب کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ڈوگرہ فوج نے بغیر کسی امتیاز کے عام اور خاص، بوڑھوں اور بچوں کو شاہراہوں اور پلوں پر رینگتے ہوئے چلنے پر مجبور کیا۔ بعض فوجیوں نے رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں دکانوں کو لوٹتے اور جیب تلاشی کے بہانے نقدی چھیننے میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔

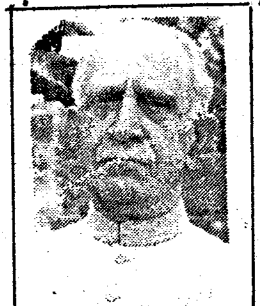
قید و بند کا بے دریغ استعمال ہوا، راہ گیروں کو لنگڑوں کی طرح ایک ٹانگ پر چل کر "مہاراجہ بہادر کی جے" کے نعرے دینے پڑے۔ معزز شہریوں کو (رائفل کے ہاتوں (دستوں)) سے مار کر انہیں سڑک پر جھکتے ہوئے چلنے کے لیے مجبور کیا گیا۔

استادوں، وکیلوں اور دوسرے آفیسروں تک کو سڑکیں صاف کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ ڈوگرہ شاہی کے اس قہر و غضب کو دیکھ کر سرینگر میں غلام محی الدین قرہ کی قیادت میں ایک خفیہ تنظیم قائم کی گئی اس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ قابل اعتبار

اور سیاسی طور پر پختہ اور سمجھدار ورکروں سے رابطہ قائم کر کے انقلابی مہم کو چلا کر ایوان حکومت کو ہلا کر رکھ دیں۔ خفیہ تنظیم کے ذریعے پمفلٹ اور اشتہارات کی طباعت اور تقسیم کا کام انجام دینے کے ساتھ خفیہ میٹنگوں اور اجلاسوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا ڈکٹیٹروں کے ذریعے تحریک کو زندہ رکھا گیا۔

غلام محی الدین قرہ کی سرگرمیوں سے خوف کھا کر حکومت کو انہیں گرفتاری کے سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غلام محی الدین قرہ اور سلہ غلہ دار مفرور مجرم قرار دئے گئے۔ سلہ غلہ دار کو گرفتار کیا گیا تو انہوں نے کمرہ عدالت میں "شیر کشمیر زندہ باد" "کشمیر کو چھوڑ دو" کے نعرے لگائے جس پر انہیں دو سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔

غلام محی الدین قرہ انڈر گراؤنڈ تحریک چلانے لگے۔ وہ مختلف روپ بدل کر نمودار ہوتے اور پھر غائب ہوتے۔ انڈر گراؤنڈ تحریک میں انہوں نے ڈوگرہ حکومت کو سخت پریشان کر دیا۔ قرہ صاحب کی انڈر گراؤنڈ تحریک کے دوران غلام محمد چکن ورکروں کو مختلف کام پر لگا کر تحریک کی آبیاری کر رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے غلام محمد شاہ کو شالہ ٹینگ پل کو جلانے کے لیے دو کنستر تیل خاکی کے دئے۔ قبل اس کے کہ وہ شالہ ٹینگ پل کو جلاتے ایک شرط کو پورا کرنے کے لیے علی شاہ سے اجازت لے کر غلہ شاہ کو گرفتاری کے لیے راضی کر لیا گیا۔ کوئٹ کشمیر کی اس تحریک میں، سیکڑوں لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ انہیں سرینگر کے علاوہ علاقہ جموں کے مختلف جیلوں میں نظر بند کیا گیا۔



غلام محی الدین قرہ

شیخ محمد عبداللہ، مرزا افضل بیگ، میر واعظ غلام نبی ہمدانی، ماسٹر عبدالعزیز، پنڈت کیشپ بندھو، شیخ محمد اکبر، غلام نبی وکیل، پنڈت درگا پرشاد در، پیر افضل مخدومی، پروفیسر شنگلو، پنڈت جانکی ناتھ زتشی، شیام لال صراف، محمد عمر بٹ، عبدالغنی ترالی، مولانا محمد سعید مسعودی، چوہدری محمد شفیع، پنڈت سروپ ناتھ، صوفی محمد اکبر، حاجی غلام محمد

میر غلام حسن وکیل، بخشی عبدالمجید، محمد امین وکیل، حکیم غلام محی الدین، نورالدین بانڈے، پران ناتھ جلالی، غلام محی الدین ہمدانی، عبدالمجید بانڈے، پیر عبدالاحد شاہ، عبدالکریم خان جیل بابا، غلام قادر ہوا باز، کامریڈ محمد یوسف ڈار، غلام محی الدین نور، ینگ عبداللہ، شمس الدین، غلام حسن، جیا لال تعمیری، مختار احمد کلو، نرنجن ناتھ رینہ، ماسٹر ولی محمد ملک، حکیم محمد سلطان، سومیشور کول، گیانی سنت سنگھ، سردار بدھ سنگھ، صدرالدین، غلام محمد شاہ، محمد مقبول شیروانی، عبدالغفار، میر غلام محمد غوری، محمد سبحان بٹ، قاضی سیف الدین، عمہ نیکو، غلام نبی ٹاک، منشی محمد اسحق، محمد اسماعیل ساغر، مختار احمد، احمد دین بانہالی اور دوسرے قیدیوں کو سرینگر سنٹرل جیل میں رکھا گیا۔ جیل کے ناقص نظم ونسق کے خلاف ان قیدیوں نے بھوک ہڑتال کا اعلان کیا۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو اس پر باضابطہ عمل بھی کیا گیا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے جیل حکام نے قیدیوں کو مختلف جیلوں میں منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان کے علاوہ جن اشخاص نے تحریک میں بھرپور ساتھ دیا۔ ڈوگرہ شاہی کے جور و ظلم سہتے جیل گئے ان کی فہرست بہت لمبی ہے اس بارے میں ہمیں جو نام دستیاب ہو سکے ہیں ان کو ہم یہاں درج کر کے تاریخ میں زندہ جاوید کر رہے ہیں۔

خواجہ شمس الدین (سابقہ وزیر اعظم)، حسام الدین بانڈے، میر غلام محمد راجپوری، اسد اللہ بانہالی، غلام قادر جانباز، غلام حسن کرمانی، غلام رسول کار، عبدالرشید قرہ، عبدالمجید قرہ، سری کنٹھ رینہ، شیخ عبدالرشید، غازی عبدالرحمان، عبدالقدوس، میجر محمد افضل، غلام محمد سالار، محمود الحسن قریشی، محمد سعید قریشی، غازی عبدالرحیم، محمد یوسف ڈار، حکیم علی، علی محمد کوزگر، محمد یاسین، عبدالعزیز شورہ، کرشن دیو سیٹھی، عبدالغنی نمتہ ہالی، احمد صوفی، سیف الدین مخدومی، مہندر ناتھ سروپ، ایچ۔ این نہرو، محمد یوسف صراف، غلام محمد مسعودی، محمد انور خان، ملک عبدالغنی، ملک غلام محمد وکیل، امرکار ناتھ در، موہن لال ایمہ، برج موہن کول، عبدالغنی لون، محمد افضل جلالی، پیارے لال کارلو، غلام نبی سوگامی، خواجہ علی محمد بٹ، محمد سلطان وانی، پیرزادہ طیب شاہ، جلال الدین قریشی، غلام نبی زرز، غلام محمد بیگ (نون بیگ)، ٹھاکر کرتار سنگھ، غلام قادر بٹ، غلام حسن خان، بشیر احمد درانی، جانکی ناتھ لکرو، محمد اسماعیل بٹ، عبدالعزیز فاضلی، غلام حسن وانی، غلام قادر ناڈچو

محمد امین، علی محمد طارق، علی محمد ناڈچو، حکیم علی ملہ، عبدالاحد، غلام قادر خاں زناٹہ، غلام حسن بخشی، عبدالرشید بخشی، محمد یوسف پرزہ گر، غلام رسول میر، محمد سلطان بخار، غلام محی الدین بہورو، احمد علی، محمد عبداللہ درزی، غلام محمد بٹ، پیر عبدالعزیز، عبدالخالق رینزو، پیر عبدالاحد شاہ، پیر غیاث الدین، علی محمد بٹ، محمد رجب آہنگر، ملہ صمد، غلام محی الدین رتم، پیرزادہ غلام نبی، غلام احمد بیگ، محمد سبحان کھانڈے، محمد سلیمان خاں، عبدالصمد بٹ پرزو، عزیز راتھر، عبدالرحمان شاہ، منور صوفی، رحیم نٹرو، خالق ریشی، غلام محمد بٹ (چری بڈہ)، غلام حسن گیلانی، نورالدین دلال، سرور شاہ، عبدالستار رنجور، عبدالاحد، نرنجن ناتھ رینہ، کاشی ناتھ ایمہ، کامریڈ ترلوک چند، سرداری لال مہاجن، ماسٹر روشن لال، نذیر حسین سمنانی، کامریڈ امرناتھ، مستری محمد شفیع، صوفی غلام احمد، شنبھو لال، نیج ناتھ، دینو بھائی، شعبان گاڑہ، عبدالاحد گنگرو، محمد عبداللہ شاعر، علی محمد گنائی، محمد سلطان درزی، محمد اسماعیل پیر حفیظ اللہ مخدومی، نورالدین درزی، غلام رسول بزاز، غلام احمد زرگر، محمد عبداللہ لون، حکیم حبیب اللہ، عمہ کلو، رزاق صوفی، قادر مسالہ، احمد منشی، جبار بٹ، عبدالسلام درزی، غلام رسول بزاز، عبدالرحمان مسگر، عبدالاحد بٹ، بشیر درانی، غلام محمد بٹ، نورالدین درزی، محمد سلطان راتھر، عبدالخالق ماگرے، عبدالوہاب میر، ثناء اللہ شیخ، غلام محمد بٹ، محی الدین اندرابی، امیر اللہ خاں، مفتی جلال الدین، حکیم محی الدین، عبدالرحیم راتھر، مبارک شاہ، علی شاہ، عبدالجبار، عبدالغفار، علی محمد طارق، اسد اللہ میر اور علی محمد نجار۔

اس فہرست میں وہی نام درج کیے گئے ہیں جن کا ذکر پہلے کہیں نہیں آیا ہے۔ جن کا ذکر پہلے ابواب میں آیا ہے ان کو طوالت کی بنا پر یہاں درج نہیں کیا گیا۔ میں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی نام رہ نہ جائے اس کے باوجود بھی اگر کوئی مجاہد رہ گیا ہو گا تو اُسے دانستہ نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔

پنجاب کے مسلم اکابرین مولانا ظفر علی خاں، سید عطا اللہ شاہ بخاری، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، ابوالاثر حفیظ جالندھری، آغا شورش کشمیری، اور سید محسن شاہ نے اپنے احتجاجی مراسلوں اور مقالوں کے ذریعے حکومت کشمیر کو اس حرکت پر آڑے ہاتھوں لیا۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر جواہر لال نہرو نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک احتجاجی مراسلہ لکھا، قائد اعظم محمد علی جناح نے ان کی گرفتاری پر سخت افسوس کا اظہار کرتے

ہوئے فرمایا۔

"اس وقت جبکہ کشمیر کی دو حریف جماعتوں کے درمیان صلح صفائی ہو رہی تھی، شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو افسوسناک بات ہے۔"

(پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں ایک خفیہ معاہدہ ہو رہا تھا۔)

۵ رجون کو محمد علی جناح کی طرف سے میاں تاج الدین اور جواہر لال نہرو کی طرف سے دوارکا ناتھ کاچرو یہاں آگئے۔ دونوں نے جیل کے حکام کے پاس شیخ صاحب سے ملاقات کی درخواست دی، شیخ عبداللہ کے پاس جب یہ دونوں درخواستیں پہنچیں تو انہوں نے صرف پنڈت نہرو کے ایلچی دوارکا ناتھ کاچرو کو ملاقات کا اذن دیا۔ تاج الدین ناامید ہو کر واپس چلا آیا۔

دوران ملاقات دوارکا ناتھ نے شیخ عبداللہ کو پنڈت نہرو کا ایک خط لوٹا دیا۔ پنڈت نہرو نے پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو سے شیخ عبداللہ کا جواب پا کران کے مقدمے کی پیروی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے پنڈت نہرو کو یہاں آنے سے منع کیا، پنڈت جی سخت ناراض ہو گئے۔ وہ اپنے ہمراہ بلدیو سہائے، آصف علی اور دیوان چمن لال کو لے کر سرینگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوہالہ کے پاس پنڈت جی کو روک دیا گیا۔ جواہر لال نہرو مشتعل ہو گئے۔ دومیل پہنچ کر انہیں گرفتار کر لیا گیا، مہاتما گاندھی اور سردار پٹیل کی مداخلت سے پنڈت نہرو سرینگر آنے کے بجائے واپس دہلی چلے گئے۔ انہوں نے کشمیر آنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔

اسی دوران خان عبدالغفار خاں یہاں آ گئے انہوں نے مہاراجہ کو پنڈت نہرو کی آمد کے لیے راضی کر لیا چنانچہ ۲۴ رجولائی کو پنڈت جی بذات خود یہاں آگئے۔



شیخ عبداللہ، جواہر لال نہرو

اُن کی آمد پر لال چوک میں "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے بلند ہوئے۔

پنڈت نہرو نے جیل میں دو بار شیخ صاحب کے ساتھ ملاقات کی اور دونوں بار پنڈت جی بیگم عبداللہ

سے ملے۔

شیخ صاحب کے خلاف مقدمہ بغاوت کی تیاری شروع ہو گئی تو حکومت کی طرف سے اس مقدمہ میں چیف پراسیکوٹر ایک نامور وکیل مسٹر سیٹھی مقرر ہوئے اُن کے ساتھ پنڈت مدسودھن کاک بطور معاون پراسیکوٹر رہے۔ پنڈت جیا لال کلم نے شیخ عبداللہ کی طرف سے وکالت نامہ پیش کیا، جیا لال کلم کے علاوہ مسٹر سہائے، دیوان چمن لال اور مسٹر آصف علی وکیل صفائی کے طور پر پیش ہوئے، ان وکلاء کا ہاتھ بٹانے میں مسز فریدا بیدی پیش پیش تھی۔

کئی الزامات میں ملوث ہونے کے ناطے وزیر اعظم رام چند کاک نے شیخ محمد عبداللہ پر مقدمہ چلانے کے لیے مہاراجہ سے رجوع کیا۔

آرڈر نمبر ۳۳۶ - ۱۹۴۶

مورخہ ۲۰ رمئی ۱۹۴۶

زیر دفعہ ۱۹۶ کریمنل پینل کوڈ اس امر کی منظوری دی جاتی ہے کہ مسٹر ایس۔ ایم عبداللہ کے خلاف اُس کے اُن تقاریر کی بناء پر جو انہوں نے ۱۳ رمئی، ۱۴ رمئی اور ۱۶ رمئی ۱۹۴۶ء کو بمقام میر محلہ، زیارت خواجہ صاحب نوشہرہ اور اسلامیہ میں علی الترتیب کی ہیں۔ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) رنبیر پینل کوڈ مقدمہ چلایا جائے۔ مزید ہدایت کی جاتی ہیں کہ سپرانٹینڈنٹ پولیس سرینگر سیشن جج کشمیر کی عدالت میں متذکرہ الزامات سے متعلق استغاثہ دائر کرے اور متذکرہ صدر تقاریر کی نقول شامل استغاثہ رکھے۔

تصدیق کی جاتی ہے
دستخط۔ ہری سنگھ
ہز ہائی نیس مہاراجہ جموں و کشمیر

حکم بہ اجازت کونسل
دستخط۔ رام چند کاک
وزیر اعظم

ان تقاریر جو مختلف اوقات اور مختلف مقامات جن کا ذکر اُوپر آ چکا ہے ان کا ماحصل یہ تھا۔

"دُنیا کا سیاسی نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ آج کی دنیا میں جبکہ کسان اور مزدور ایک منظم قوت کی صورت میں اُبھر رہے ہیں اور اُن کی

دل آزاری کی اُمنگ سے سرشار ہیں راجوں اور نوابوں کے لیے گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ یہ بات شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام ہیں۔ میں برطانوی حکومت، انڈین نیشنل کانگریس اور مسٹر جناح کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سازش کے تحت ہندوستانی ریاست کے چالیس لاکھ غریب اور مظلوم عوام کو آزادی کا حق نہیں دیا گیا تو میں اپنا علم بغاوت بلند کروں گا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر ریاستی عوام کا حق تسلیم نہیں کیا گیا تو اس صورت میں ہندوستان کی آزادی ناممکن ہو گی اور برطانوی حکمران کو امن وسکون نصیب نہ ہو گا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب مہاتما گاندھی کو برطانوی سامراج نے اس لیے قید کر لیا کہ انہوں نے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگایا لیکن اب ہم نے آزادی یا موت کا نعرہ بلند کیا ہے۔"

بغاوت کے اس مقدمہ کے سلسلے میں اس کی سماعت بادامی باغ چھاونی کی ایک بلڈنگ ہال میں ہوئی لالہ برکت رائے بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مقدمہ کی سماعت کے لیے پریزائڈنگ آفیسر مقرر ہوئے وزیر سروپ چند سپرانٹنڈنٹ پولیس نے عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ پنڈت مدسودھن کاک کی نگرانی میں دیگر پراسیکیوٹر حکومت کی طرف سے مقدمے کی پیروی کرنے لگے۔

انڈین نیشنل کانگریس نے شیخ عبداللہ کے دفاع میں ہندوستان کے نامور وکلاء میں سے بیرسٹر آصف علی، بیرسٹر شری سہائے، شری اویناش ٹنڈن بار ایٹ لاء بھیجدیے ان کی مدد کے لیے مقامی طور پر پنڈت جیا لال کلم، مسٹر عبداللطیف مسٹر رگناتھ کول اور دوسرے وکلاء صفائی کے طور پر پیش ہوئے۔

اس بارے میں مسلم لیگ اور محمد علی جناح کی پیش کش شیخ صاحب نے مسترد کر دی۔ ۳ راگست ۱۹۴۶ء کو شیخ صاحب نے اپنے بیان صفائی میں عدالت کے سامنے فرمایا۔

"یہ ایک معمولی بات ہے کہ مجھے سزا دی جا رہی ہے یا مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے مگر یہ معمولی بات نہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کے لوگ مفلسی اور غربت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی توہین کیجا رہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ گزشتہ دو ماہ کے دوران لوگوں پر جبر وتشدد کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ انہی واقعات

نے "کشمیر چھوڑ دو" کی مانگ کو درست ثابت کر دیا ...... ہمیں مستقبل کی فکر دامن گیر ہے جس کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں ایک ایسا مستقبل جو ہم سب کا میراث ہو جس میں ہم سب آزاد ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہو کر آزاد لوگوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں اور اپنے خوابوں کا "نیا کشمیر" تعمیر کریں۔ تب ہی ہم اس سرزمین میں رہنے کا حق رکھتے ہیں۔"

اپنے مقدمے کی پیروی کے دوران شیخ عبداللہ نے اپنے اندر کا یہ راز افشا کر ہی دیا کہ کشمیر کو ہمیں ہندوستان کے ساتھ وابستہ کرنا ہے اور اس کے لیے ہم نے پہلے ہی ایک لائحہ عمل مرتب کیا ہے۔

تقسیم ملک سے پہلے ہی ہندوستان کے ساتھ کشمیر کو وابستہ کرنے کا بھارتی لیڈروں کے ساتھ ان کے خفیہ معاہدہ کا یہ برملا اظہار بھی تھا۔

اس اظہار نے کانگریس کو اُن کی فتح کا مژدہ سُنایا تو وہ مقدمہ کی کارروائی میں تن من اور دھن سے شامل ہونے کے لیے کشمیر کا رخ کرنے لگے۔

نامزد وزیراعظم جوہر لال نہرو مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد کی ممانعت کے باوجود شیخ صاحب کی پیروری میں یہاں آنے لگے تو گورنر مہاراج کرشن دزنے انہیں کوہالہ پل پر روک دیا پنڈت نہرو نے کاوٹ توڑ کر پیش قدمی کرنے لگے تو انہیں دوسرے پڑاؤ پر گرفتار کر لیا گیا۔ پنڈت نہرو کے خلاف سرینگر کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا۔

کوہالہ پل پر پنڈت جواہر لال نہرو کا مظاہرہ کرنے کے لیے جہاں حکومت نے جموں سے کرایہ کے آدمی بھیجے تھے وہاں نیشنل کانفرنس نے ان کا استقبال کرنے کے لیے جوشیلے نوجوانوں کا ایک گروپ وہاں روانہ کیا اس گروپ کی قیادت محمد جمال آخون مدین صاحب کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ جو دوسرے اصحاب تھے ان میں ...... سخی ولایت ناؤپورہ غلام حسن مٹھوکر، سید حسین معرکہ دار، افضل جلالی ڈونی پورہ، امیرالدین چھینٹ ساز اسلام پورہ، سید محمد صورہ ٹینگ، غلام نبی شاہ حکیم، محمد امین، محمد صفدر، عبدالاحد میر اور پیر محمد امین شامل تھے۔ ان سبھی افراد کو کوہالہ پل پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ اور پنڈت نہرو کی دہلی کی واپسی پڑا نہیں رہا گیا۔

جموں کے سرکاری کرایہ داروں نے پنڈت نہرو کا سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ

کیا اور پنڈت نہرو گو بیک کے نعرے لگائے۔

پنڈت نہرو اس بار واپس گئے لیکن اگلی بار آکر وہ بذات خود شیخ صاحب کے مقدمے کی پیروی میں شامل ہوگئے۔

مقدمہ کی کاروائی مکمل ہونے پر لالہ برکت رائے سیشن جج نے اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"دفعہ ۱۲۴ (الف) آر۔ پی۔ سی۔ کے تحت تینوں تقاریر میں جرم ثابت ہوگیا ہے۔ متذکرہ بالا دفعہ کے تحت اس کو سزا دی جاتی ہے اور ہر جرم کے لیے تین سال کی قید محض اور پانچ سو روپے جرمانے کی سزا دی جاتی ہے اور ہر جرم کے لیے تین ماہ کی مزید قید کی سزا کاٹنا ہوگی، یہ تمام سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی۔"

فیصلہ سیشن جج کی طرف سے۔ ا ستمبر کو سنایا گیا۔

دستخط

پورے ۵ اروز بعد ۴ ۱ ستمبر کو پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ کے بیانات جو انہوں نے سیشن جج کورٹ میں دیئے تھے۔ ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کئے۔ اس پمفلٹ کا دیباچہ پنڈت جی نے خود لکھا، ملاحظہ ہو۔

یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ دراصل یہ عوام کے سامنے ریاستی حکام کا مقدمہ تھا۔ جنہیں (حکام) نے ایک عظیم تحریک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی یہ قابل غور ہے کہ وہ لوگ جو اقتدار میں ہیں کس طرح "تاریخ" کے سبق کو بھول گئے اب وہ موجودہ واقعات کو بھی سمجھ نہیں پائیں گے۔ اب جبکہ ہندوستان کو آزادی ملنے والی ہے کشمیر کے حکمران اس حقیقت سے آنکھیں چرا رہے ہیں، حقیقی عوامی تحریک کو کبھی دبایا نہیں جاسکتا خاص کر جبکہ ہندوستان میں غیر ملکی تسلط کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ کشمیر کے حالیہ واقعات نے ملک گیر اہمیت حاصل کی ہے اور شیخ عبداللہ کا مقدمہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مقدمے کی کاروائی شائع کی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس سے عوام کے سامنے نئے حقائق آئیں گے اور انہیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی

کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔

ریاست کی مسلح افواج کے خلاف اس مجاہدانہ تحریک کی داستان اس مقدمہ سے ختم نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ داستان اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اپنے منطقی نتیجے کو نہیں پہنچے گی بہ الفاظ دیگر جب ایک آزاد خود مختار ہندوستان کے ساتھ کشمیر کو بھی آزادی حاصل ہوگی، اس وقت جبکہ شیخ عبداللہ اور اُن کے دیگر ساتھی مقید ہیں ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔"

شیخ عبداللہ کے ساتھ بغاوت کے جو دوسرے مقدمے درج کیے گئے تھے۔ اُن میں مولانا محمد سعید مسعودی اور سردار بدھ سنگھ ملوث تھے۔

سردار بدھ سنگھ نے ۱۹ مئی کو چھٹی پادشاہی سرینگر کے گردوارہ میں ایک سکھ دیوان سے خطاب کے دوران قابل اعتراض تقریر کی تھی۔ انہیں ڈیڑھ سال کی قید محض کی سزا سنائی گئی۔ انہیں اسپیشل مجسٹریٹ ملک راج نے یہ سزا سنائی۔

دوسرے مقدمے میں مولانا مسعودی کے ساتھ غلام محمد بٹ ولد جمال بٹ ساکنہ درگجن اور حکیم قاسم علی ساکنہ بابو پورہ پر "کوئیٹ کشمیر" کا نعرہ لگانے کا الزام تھا۔ مولانا مسعودی جو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری تھے انہوں نے عدالت میں اپنا جرم قبول کرلیا۔

شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے کانگریس نے حکمت عملی طے کرلیں تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح جیل سے باہر رہیں اور بوقت ضرورت ان کے کام آسکیں۔

جو لوگ حالات سے بخوبی واقف تھے وہ جانتے تھے شیخ محمد عبداللہ نے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دے کر انتہا درجے کی کاروائی کی یہ مہاراجہ کی ضد اور ہٹ کے خلاف ان کی شدید ناراضگی کا موثر جواب تھا۔ ورنہ شیخ صاحب اس حد تک نہیں جاسکتے۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کانگریس کی درمیانہ داری سے ایک خفیہ بات چیت ہو رہی تھی۔ تاکہ شیخ عبداللہ کو ریاست کا وزیر اعظم بنایا جاسکے۔ شیخ محمد عبداللہ ڈوگرہ وزارت میں آنے کے صلے میں تحریک سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھے۔ ان کی یہ شرط تھی کہ انہیں رام چند کاک کی جگہ وزیر اعظم بنایا جائے جبکہ مہاراجہ ہری سنگھ انہیں ڈپٹی وزیر اعظم کا عہدہ دے رہے تھے۔ اسی

بات پر معاملہ اٹک گیا۔ اور شیخ صاحب کو انتہا تک جانا پڑا۔

کانگریس کے رہنما چاہتے بھی یہی تھے کہ شیخ عبداللہ کو وزیر اعظم کا عہدہ ملے لیکن مہاراجہ یہ عہدہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

اقتدار کی اس لڑائی نے آخر کوئیٹ کشمیر کی صورت اختیار کر لی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت میں وزیر اعظمی کے عہدے کے عوض تحریک سے دستبرداری اور سیاست سے کنارہ کشی کا فارمولہ طے ہو چکا تھا لیکن عین موقع پر مہاراجہ ہری سنگھ نے وزیر اعظم کے بجائے ڈپٹی وزیر اعظم کا عہدہ دینے کی تجویز رکھ کر شیخ عبداللہ کو سخت مشتعل کر دیا جس سے معاملہ الجھ گیا۔ بجائے اس کے کہ کانگریس کے صدر مسٹر اچاریہ کرپلانی مہاراجہ ہری سنگھ سے باز پرس کرتے کہ وہ اپنے وعدے سے کیوں ہٹ گئے انہوں نے شیخ عبداللہ پر الزام لگایا اور شیخ عبداللہ کی "کوئٹ کشمیر" تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا۔

"شیخ صاحب وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی کیبنٹ میں بحیثیت وزیر اعظم کا عہدہ قبول کرنے پر راضی ہو گئے تھے اور مہاراجہ نے بھی اس کی منظوری دی تھی۔ تمام باتیں طے ہونے کے بعد "کوئٹ کشمیر" کا مطالبہ انہیں زیب نہیں دیتا۔"

(د رپورٹ برصغیر کی تقسیم)

آچاریہ کرپلانی اس کارروائی کی سخت نوٹس لیتے اگر مقدمہ کی کارروائی کے دوران شیخ عبداللہ نے ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہونے کا اظہار نہ کیا ہوتا۔ آچاریہ کرپلانی نے مہاراجہ ہری سنگھ کے بجائے شیخ عبداللہ سے جو شکوہ کیا وہ اس ناکام سمجھوتے جسے ایک خفیہ سازش بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسے افشا کر کے ہی چھوڑ دیا۔ شیخ عبداللہ کی اقتدار کی ہوس تاریخ میں ثبت ہو چکی ہوتی اگر مہاراجہ ہری سنگھ اپنی ضد چھوڑ گئے ہوتے۔ مہاراجہ کی ضد نے کشمیری عوام کے رہنما کی لاج رکھ دی ورنہ وہ بہت پہلے اپنے اصلی روپ میں عوام کے سامنے آچکے ہوتے۔

ڈپٹی وزیر اعظم کا عہدہ نامنظور ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ صاحب کی جگہ اس عہدہ پر رام لال بترہ کو مقرر کیا۔ اس کارروائی سے شیخ محمد عبداللہ کو وزارت میں لینے کا

کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

"کشمیر چھوڑ دو تحریک" میں ریاستی عوام زبردست دھوکہ کھا گئے۔ اس سلسلے میں اپنے رہنما شیر کشمیر کی تقریریں عوام کو دھوکہ دینے کا باعث بن گئیں۔ شیخ صاحب اپنی تقریروں میں مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر چھوڑ دینے کے لیے للکار رہے تھے حالانکہ حقیقت میں وہ مہاراجہ سے وزارت کا عہدہ مانگ رہے تھے۔ اگر کانگریس کے صدر آچاریہ کرپلانی اس راز کا افشا نہ کرتے تو تاریخ میں یہ غلط فہمی ہمیشہ برقرار رہتی۔

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے دوران ۹ نومبر ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سطح پر "کشمیر ڈے" جسے عبداللہ ڈے کا نام بھی دیا گیا، منانے کا فیصلہ لیا گیا۔ سرینگر میں مقیم جے پرکاش نرائن کی ہدایت پر وادی کے طلباء نے اس روز جلسے اور جلوس کا پروگرام بنایا حکومت نے ان جلسے جلوسوں کو روکنے کے لیے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا لیکن طلباء نے نہ صرف جلوس نکال کر حکومت کے خلاف نعرے لگائے بلکہ جگہ جگہ پٹاخے بھی چھوڑے دو سو کے قریب طلباء گرفتار کیے گئے۔ ان میں بیشتر کو عدالت کے ذریعے قید اور جرمانے کی سزا ہوئی، کئی لڑکوں کا مستقبل داؤ پر لگ گیا۔



کرسیوں پر (دائیں سے بائیں)۔ خان ولی خان، شری آنند بیرسٹر، شری گوبند سہائے بیرسٹر، خان عبدالغفار خان، مسٹر آصف علی مرحوم، خان ولی خان موجودہ صدر نیشنل عوامی پارٹی پاکستان، حاجی غلام محمد آف فتح کدل ــــــــ!!

کورٹ کشمیر کے دوران شیخ صاحب کے دفاع میں آنے والوں کا گروپ فوٹو۔

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دُکھ تھے بہت لا دوا نہ تھے

ڈوگرہ راج کا آخری اسمبلی انتخاب

مہاراجہ نے ۲۸ر نومبر ۱۹۴۶ء کو کشمیر اسمبلی کے لیے انتخابات کا اعلان کیا۔ ۳ر اور ۴ر جنوری ۱۹۴۷ء کے دن ووٹ ڈالنے کے لیے مقرر ہوئے اس اعلان کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں اور آزاد اُمیدواروں نے جگہ جگہ الیکشن کمیٹیاں قائم کر کے الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا شروع کیا، بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق جو لاہور میں مقیم تھے۔ کئی میٹنگوں کے بعد الیکشن میں حصّہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے نیشنل کانفرنس کے قائمقام سیکرٹری لالہ بنسی لال صوری کو ہدایت بھیجدی کہ ریاستی اسمبلی کے تمام حلقہ ہائے انتخاب میں اپنے اُمیدوار کھڑا کر کے ہر ایک نشست کا مقابلہ کرے۔ نیشنل کانفرنس نے ہر حلقہ انتخاب کے لیے کاغذات نامزدگی داخل کیے ان میں نظربند قیدی بھی شامل تھے۔ نیشنل کانفرنس کے ساتھ ساتھ مسلم کانفرنس نے بھی بیشتر حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑا کیے۔ مسلم کانفرنس دو حصّوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک جماعت کی قیادت چوہدری حمیداللہ اور دوسرے کی مولوی یوسف شاہ کر رہے تھے۔ ان دونوں میں کاغذات نامزدگی کے لیے ممبران کے انتخاب میں ٹھن گئی۔ مسلم کانفرنس کی دو جماعتوں کے ساتھ نیشنل کانفرنس بھی انتخابی میدان میں برسرپیکار تھی۔ ان جماعتوں کے انتشار کا یہ عالم تھا کہ ایک جماعت نے جن امیدواروں کے ناموں کا اعلان کیا اُن میں کئی نام دوسری پارٹی کی لسٹ میں درج تھے۔ لعض نامزد ممبروں نے اس پارٹی کے ساتھ وابستہ ہونے سے انکار کیا جس پارٹی نے ان کا نام تجویز کیا تھا۔ نتیجہ کے طور پر کاغذات

نامزدگی کی چھان بین کے روز ریٹیرنگ آفیسروں کے دفتروں میں ایسا دنگا فساد ہوا کہ کئی ممبران کے کاغذات پھاڑے گئے اور اس کشمکش میں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے کئی ممبران کے کاغذات نامزدگی رد کئے گئے۔

۳ ر اور ۴ ر جنوری کو ووٹ ڈالے گئے۔ ووٹوں کی گنتی شروع ہوگئی۔ تو ۲۱ نشستوں میں سے مسلم کانفرنس نے ۱۵ پر قبضہ کر کے نیشنل کانفرنس کو شکست سے دوچار کر دیا انتخابات کے نتائج نے نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی ساکھ بری طرح خراب کر دی اور انہیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑا مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی اکثریت ان کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔

اس الیکشن میں جو ممبران الیکشن جیت کر آئے ان میں

مسلم حلقہ انتخاب	نام ممبر
۱۔ جموں شہر	چوہدری حمید اللہ خاں
۲۔ جموں مفصل	چوہدری غلام مصطفےٰ تور
۳۔ اودھم پور	ملک غلام محمد
۴۔ ریاسی	مرزا محمد حسین
۵۔ کٹھوعہ	چوہدری شہاب الدین
۶۔ میرپور کوٹلی	چوہدری محمد یوسف
۷۔ بھمبر	چوہدری خورشید احمد
۸۔ حویلی مینڈھر	سردار محمد ایاز خاں
۹۔ باغ سدھنوتی	سردار محمد ابراہیم خاں
۱۰۔ مظفرآباد	میاں احمد یار خاں
۱۱۔ امیراکدل	غلام احمد
۱۲۔ رعناواری مہاراج گنج	حکیم محمد صادق
۱۳۔ فتح کدل ٹنکی پورہ	غلام نبی گلکار
۱۴۔ خانقاہ معلی	منشی علی محمد وکیل
۱۵۔ تاشوان	عبدالغنی
۱۶۔ اونتی پورہ	غلام محمد
۱۷۔ اسلام آباد	ملک غلام مصطفےٰ
۱۸۔ کولگام	مولوی محمد عبداللہ شاہ
۱۹۔ ہندوارہ	ایم حبیب اللہ
۲۰۔ بڈگام	صفدر علی
۲۱۔ بارہمولہ	عنایت اللہ گکرو

ہندو حلقہ انتخاب	نام ممبر
۱۔ جموں شہر شمالی	پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ
۲۔ جموں شہر جنوبی	لالہ گوپال دتہ مینگی
۳۔ جموں مفصل	کیپٹن گندھر سنگھ
۴۔ اودھمپور	ٹھاکر دھنتر سنگھ
۵۔ ریاسی وزارت	وزیر گنگا رام
۶۔ کٹھوعہ	لالہ ٹھاکر داس
۷۔ میرپور	چوہدری رام لال
۸۔ سرینگر جنوبی	پنڈت امرناتھ کاک
۹۔ سرینگر شمالی	پنڈت شیو نرائن فوطیدار
۱۰۔ کشمیری پنڈت	پنڈت جانکی ناتھ

سکھ حلقہ انتخاب	نام ممبر
۱۔ میرپور پونچھ	سردار کلیر سنگھ
۲۔ مغربی کشمیر	سردار بلدیو سنگھ

نہایت ہی قلیل ووٹروں کے حلقہ انتخاب میں کامیاب امیدوار

حلقہ انتخاب	نام ممبر
۱۔ تنظیمی سردار صوبہ جموں	کرنل سنسار سنگھ
۲۔ تنظیمی سردار صوبہ کشمیر	راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ
۳۔ جاگیردارانہ صوبہ جموں	کیپٹن فضل الرحمن خاں
۴۔ جاگیردارانہ صوبہ کشمیر	پنڈت بلہ کاک در
۵۔ زمیندارانہ صوبہ جموں	چوہدری بیربل
۶۔ زمیندارانہ صوبہ کشمیر	پنڈت دینا ناتھ کلم
۷۔ پنشن یافتگان جموں وکشمیر	ٹھاکر حقیقت سنگھ جموال

ان ممبروں کے علاوہ مہاراجہ ہری سنگھ کی ہدایت ومنظوری سے وزیر اعظم رام چند کاک نے ۲۵ امیدواروں کو نامزد کیا۔

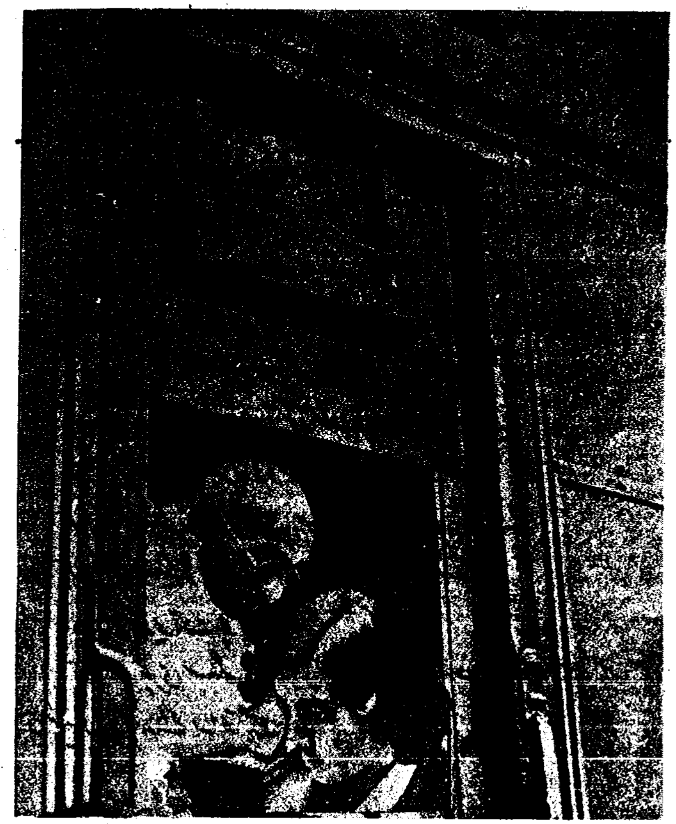
۱۔ یگبو فتح علی	اسکردو
۲۔ راجہ سلطان محمد	آستوری
۳۔ یگبو احمد اللہ خاں	کرگل
۴۔ عزیز لاتھر	بارہمولہ
۵۔ عبدالاحد نشاطی	سرینگر
۶۔ میاں عبدالرشید	کرناہ
۷۔ کرنل عبدالرحمان	جموں
۸۔ میاں نظام الدین	کنگن
۹۔ محمد اقبال چاپری	سرینگر آبی
۱۰۔ راجہ کرم دار خاں	کوٹلی
۱۱۔ سید رسول شاہ جلالی	سرینگر
۱۲۔ شیخ عبدالحمید	جموں
۱۳۔ چھونگ رینچن	لیہ لداخ
۱۴۔ صونم ٹنزن	زانسکار لداخ

۱۵۔ بھادا بھوشن داس	کیرن جموں
۱۶۔ منگت رام	اودھمپور
۱۷۔ پنڈت بلہ بیر کول	چہنی
۱۸۔ لالہ نانک چند	سرینگر
۱۹۔ لالہ شیو نرائن نندہ	جموں
۲۰۔ پنڈت گنگا ناتھ مینگی	اودھمپور
۲۱۔ لالہ دینا ناتھ مہاجن	جموں
۲۲۔ پنڈت جنار دھن ٹینگ	سرینگر
۲۳۔ رام لال شاہ	مظفر آباد
۲۴۔ ٹھاکر پرتاپ سنگھ	جموں
۲۵۔ کیپٹن دیوی داس	ترال کھل پونچھ

پانچ نشستیں سرکاری آفیسروں سے لی گئیں۔ ان میں

۱۔ چیف سیکرٹری ٹو گورنمنٹ آف جموں وکشمیر
۲۔ اکاؤنٹ جنرل گورنمنٹ آف جموں وکشمیر
۳۔ سیکرٹری ٹو گورنمنٹ ہوم ڈیپارٹمنٹ
۴۔ سیکرٹری ٹو گورنمنٹ ریونیو ڈیپارٹمنٹ
۵۔ وزیر آف پونچھ۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی کی یہ اسمبلی صرف آٹھ نو مہینے چل سکی اس لیے کہ قبائیلیوں کی آمد کے ساتھ ہی سب کچھ بدل گیا۔



مہاتما گاندھی کا کشمیر مشن
اندرا گاندھی انکے ساتھ ہیں۔

باب — ۳

کشمیر کی تحریک آزادی میں ایک نیا موڑ

ہم وفا پہ قائم ہیں وہ جفا پہ مستحکم
دل کو اس کشاکش میں کس طرح فراغ آئے

جُز

دنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیادِ تکلم ہے

مہاتما گاندھی کا کشمیر مشن



مہاتما گاندھی

عدالت کی طرف سے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۶ء کو شیخ محمد عبداللہ کو تین سال کی قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی اور انہیں لے جاکر جموں کے قلعہ باہو میں قید کر لیا گیا۔

قلعہ باہو کی حالت دیکھ کر شیخ محمد عبداللہ نے یہاں بھوک ہڑتال کر لی، کیونکہ یہ ایک ویران سی جگہ تھی۔ ہر طرف انسانی قد کے برابر گھاس اُگی ہوئی تھی۔ بھڑوں کے چھتے ہر طرف موجود تھے زنبور دن بھر اپنی بھنبھناہٹ کا منحوس ساز بجاتے رہتے تھے۔ سانپ اور بچھو کچھ کم نہ تھے۔ یہ جگہ انسانی رہائش کے بالکل منافی تھی۔ جب شیخ صاحب نے اس ناقابلِ برداشت جگہ کے خلاف احتجاج کیا تو انہیں یہاں سے نکال کر ریاسی جیل میں منتقل کیا گیا۔ ریاسی جیل میں پہلے ہی سردار بدھ سنگھ، غلام نبی وکیل عرف بنہ جی اور پنڈت کیشپ بندھو لائے گئے تھے۔ ریاسی جیل بھی اپنی ویرانی کی منہ بولتی تصویر تھی۔ گرمی کے ایام میں یہاں رہنا مشکل تھا۔ چنانچہ ان قیدیوں کو بھدرواہ جیل لے جایا گیا۔ بھدرواہ جیل میں سردار بدھ سنگھ کے بجائے مرزا افضل بیگ شیخ صاحب کے ساتھ رہے۔

اسی دوران وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارت کے ساتھ

ریاست کا الحاق کرنے کے لیے انہیں منانے یہاں آگئے۔ ملاقات کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن نے مہاراجہ کو ایک ڈویژن فوج مدد کے لیے بھیجنے کی پیش کش کی تاکہ پاکستان کوئی شرارت نہ کر سکے۔

مہاراجہ نے کل تک اس مسئلے کے بارے میں سوچنے کی مہلت مانگی، کل جب لارڈ مونٹ بیٹن دوبارہ مہاراجہ کے ہاں گئے انہوں نے پیٹ درد کا بہانہ کر کے ان سے ملنے سے انکار کیا۔

لارڈ مونٹ بیٹن سے قبل کانگریس پارٹی نے مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارت کے ساتھ



لارڈ مونٹ بیٹن

الحاق کرنے کے لیے منانے کے لیے مہاراجہ کپور تھلہ کو بھیجا تھا۔ وہ اپنے مشن میں ناکام ہوا تو مہاراجہ پٹیالہ بھیجا گیا اور اس کے بعد مہاراجہ فرید کوٹ کو بھی اس مشن پر روانہ کیا گیا۔ ان مہاراجوں کی مسئلہ الحاق پر مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ بات چیت ناکام رہی تو کانگریس کے صدر آچاریہ کرپلانی خود انہیں منانے کے لیے آگئے۔ راجہ جی کے ناکام واپس لوٹنے کے بعد ہی لارڈ مونٹ بیٹن یہاں آگئے اور اپنا سا منہ لے کر واپس گئے۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن نامراد ہو کر واپس دہلی لوٹ گئے تو مہاراجہ ہری سنگھ نے ان کے نام ایک خط لکھا اس خط میں اس بات کا اظہار کیا گیا۔

"میری خواہش ہے کہ دونوں نوزائیدہ مملکتوں سے کشمیر کو علیحدہ رکھوں کشمیر کے جغرافیائی محل و وقوع اور اس کی آبادی کی ہیئت ترکیبی کے پیش نظر میری یہ خواہش ہے کہ میں اس ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھوں۔"

لارڈ مونٹ بیٹن کے نام مہاراجہ ہری سنگھ کے اس خط کی کاپی شیخ محمد عبداللہ کو بھدرواہ جیل بھیجدی گئی کیونکہ کانگریس اس دوران شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور مہاراجہ کے ساتھ ان کی صلح کرانے میں لگی ہوئی تھی۔ اس لیے مہاراجہ انہیں حالات سے باخبر رکھنا چاہتے تھے۔ شیخ عبداللہ نے اس خط کے جواب میں مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر آزاد اور خود مختار رکھنے کے خیال سے باز آنے کا مشورہ دیا۔

بقول لارڈ برڈوڈ یہ مشورہ اتنا مضحکہ خیز تھا گویا مہاراجہ کوئی نامعقول حرکت کر رہا تھا۔ مہاراجہ کو اس قسم کا مشورہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ شیخ عبداللہ کے دل میں چور تھا اسی لیے وہ کشمیر کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ سننے کو تیار نہ تھا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے نام مہاراجہ ہری سنگھ کے خط نے کانگریسی لیڈروں کو مایوس کر دیا چنانچہ ان رہنماؤں نے ایک میٹنگ بلائی جس میں مہاراجہ ہری سنگھ کو منانے کے لیے مہاتما گاندھی کو کشمیر بھیجنے کا فیصلہ لیا گیا۔ اس میٹنگ میں لارڈ مونٹ بیٹن بھی شریک ہوئے اور یہ میٹنگ آزادی سے ۱۷ روز قبل یعنی ۲۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو منعقد کی گئی۔

مہاتما گاندھی کے کشمیر جانے کا فیصلہ اخبارات کے ذریعے مشتہر ہوا تو ڈوگرہ حکومت چوکنا ہوئی۔

مہاتما گاندھی کے اس مشن کا مقصد شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور رام چند کاک کی برطرفی تھا۔ کیونکہ کانگریس کو خفیہ طور پر پتہ چل گیا تھا رام چند کاک ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانے کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے اور اس کے لیے انہیں محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کے ساتھ برابر رابطہ ہے محمد علی جناح کو رام چند کاک نے اس حد تک آمادہ کیا کہ اگر مہاراجہ ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کا اعلان کرے تو آپ کوئی مخالفت نہ کریں بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ رام چند کاک جانتے تھے کانگریس سرکار کشمیر کو کسی بھی صورت میں پاکستان میں شامل نہیں ہونے دے گی اور اس کے لیے انہوں نے شیخ عبداللہ کو اپنے اعتماد میں لے لیا ہے۔ لہٰذا کاک نے مہاراجہ کے ساتھ صلاح و مشورہ کر کے ریاست کو آزاد رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ محمد علی جناح کے بعد رام چند کاک نے خان لیاقت علی خاں کو بھی اس بات کے لیے راضی کر لینا چاہا کہ اگر حکومت کشمیر ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کا اعلان کرے تو آپ کوئی رخنہ نہ ڈالیں ہم ریاست کی اکثریت کا خیال رکھ کر مناسب وقت پر مناسب کارروائی کریں گے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو رام چند کاک کے مشن پر شک گزرا چنانچہ انہوں نے اس پلان کو ماننے سے انکار کیا ـــــ رام چند کاک کے اس خفیہ پلان کا راز کسی طرح افشا ہوا تو کانگریس چوکنا ہو گئی اور انہوں نے فوری طور پر مہاتما گاندھی کو کشمیر مشن پر بھیجدیا۔

مہاتما گاندھی کی بات چیت کی تفصیل شیخ محمد عبداللہ کو بھدرواہ جیل بھیجدی گئی تو انہوں نے بھی مہاراجہ سے رام چند کاک ہٹانے کا مطالبہ کیا تاکہ ان کا پلان تتر بتر ہو جائے اگرچہ یہ پلان صرف رام چند کاک کا ہی نہیں بلکہ مہاراجہ بہادر کا بھی تھا لیکن مہاتما گاندھی اور شیخ عبداللہ کی تجویز پر مہاراجہ کو رام چند کاک کو ہٹانا پڑا کیونکہ وہ "کشمیر چھوڑ دو" جیسے پیچیدہ مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ لہٰذا انہوں نے رام چند کاک کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔

شیخ صاحب نے اس سارے معاملے کو مختصر طور پر "آتش چنار" کے صفحہ ۳۹۲ میں یوں تحریر کیا ہے۔

"..... پاکستان کی طرف سے ایک خاص ایلچی مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق پر آمادہ کرنے کے لیے سرینگر آیا۔ لیکن اس کی گفتگو منڈھے نہیں چڑھی حالانکہ اس سے قبل رام چند کاک نے اپنی وزارت اعظمیٰ کے زمانے میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کے ساتھ پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں پینگیں بڑھائی تھیں۔"

رام چند کاک نے پینگیں نہیں بڑھائی تھیں بلکہ پلان کو آخری شکل دی تھی۔ یہ راز لیک ہو کر کانگریس چوکنا نہ ہو جاتی اور شیخ عبداللہ کو رہا کر وا کر اس پلان کو ان کے ہاتھوں ختم نہ کروایا گیا ہوتا تو رام چند کاک کا مشن کامیاب ہو گیا ہوتا۔

بعض تاریخ نویسوں نے رام چند کاک کے اس مشن پر شک کا اظہار کر کے یہ دلیل دی ہے کہ دراصل وہ کشمیری عوام اور پاکستان کو دھوکہ دے رہے تھے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ رام چند کاک اصل میں کشمیر کو بھارت میں جانے سے روک رہے تھے اُن کا کہنا تھا اگر کشمیر بھارت کے ساتھ ملایا گیا تو برصغیر کے لیے یہ ایک ناسور بن جائے گا۔ شیخ عبداللہ نے برسوں بعد رام چند کاک کے خیالات کو درست مان کر اپنی غلطی تسلیم کر کے اُن سے معافی بھی مانگ لی (اس کی مکمل تفصیل اگلے باب میں آئے گی)، اُس وقت جبکہ شیخ صاحب یہاں کانگریس کی لابی کے طور پر کام کر رہے تھے رام چند کاک کو وزارت سے ہٹانے میں پیش پیش رہے۔

مہاتما گاندھی کشمیر مشن پر روانہ ہوئے تو یکم اگست کو آپ کا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، چوہدری محمد شفیع، مدن لال دوارکا ناتھ اور دوسرے احباب نے خیر مقدم کیا۔ گاندھی جی کے ساتھ ڈاکٹر سوشیلا نیئر، مسٹر برج کرشن

مسٹر پیش پال، مسز اندرا گاندھی اور مس منو بائی تھیں نیشنل کانفرنس کے لیڈر کوہالہ پل کے اس پار نیشنل کانفرنس کے کئی کارکنوں نے ان کا سواگت کیا ان میں کامریڈ سنت سنگھ، غلام حسن گیلانی، امرکا ناتھ در، پیر افضل مخدومی، پرتھوی ناتھ کول، غلام الدین گیلانی، ... ٹ قابل ذکر ہیں۔

حکومت کی جانب سے معزز مہمان کا استقبال کرنے کے لیے خواجہ مبارک شاہ نقشبندی وزیر اعظم رام چند کاک ان کا پرسنل سیکرٹری نیلہ کنٹھ ڈرکو، تحصیلدار مظفرآباد اور کئی اعلیٰ پولیس آفیسر موجود تھے۔

بارہمولہ پہنچنے پر غلام رسول کار، محمد یوسف مسعودی، محمد یوسف پرزگر، محمد مقبول مخدومی اور صوفی غلام احمد نے ان کی اگوانی کی، بارہمولہ کے بعد پٹن میں بھی ان کا استقبال کیا گیا۔ اگرچہ محمد یوسف صراف کی قیادت میں مسلم سٹوڈنٹس لیگ نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا شالہ ٹینگ میں بیگم شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کی طرف سے ان کا سواگت کیا، گاندھی جی کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈالتے ہوئے انہوں نے گاندھی جی کو "اھلاً و سہلاً" کہا۔ چھتہ بل میں نیشنل کانفرنسیوں نے ان کا استقبال اور مسلم کانفرنسیوں نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا۔ ہری سنگھ ہائی اسٹریٹ پہنچ کر ان کا راستہ روک دیا گیا "گو بیک گاندھی" کے نعرے لگا کر گاڑیوں پر حملہ کیا گیا۔ امیرا کدل کے پاس پہنچ کر مظاہرین نے کاروں پر گھیرا ڈال دیا۔ یہاں "قائداعظم زندہ باد" اور "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔

امیرا کدل چوک میں شہریوں کی جانب سے خواجہ احمداللہ شہداد، ڈاکٹر جسونت سنگھ، مسری کنٹھ ڈرکو، ڈاکٹر موہن سنگھ، غلام حسن خان، رادھا کرشن کول، ڈاکٹر جنار دھن نے ان کا خیر مقدم کیا۔

یہاں حکومت کی طرف سے گاندھی جی کی کار کے آگے پولیس کی ایک پائلٹ کار رکھدی گئی اور اُن کے پیچھے جتنی بھی کاریں تھیں ان پر نیشنل کانفرنس کے ہل والے جھنڈے لہرائے گئے۔

گاندھی جی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بر زلہ سیٹھ کشوری لال کی کوٹھی پر گئے۔

کشمیر میں مہاتما گاندھی کا سرکار اور نیشنل کانفرنس کی طرف سے استقبال نے اُن کے مشن کو مشکوک بنا دیا تو مولوی محمد یوسف شاہ نے اپنے ایک بیان میں مہاراجہ ہری سنگھ

کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر مہاراجہ بہادر نے مہاتما گاندھی کے اثر میں آکر ریاست کو ہندوانڈیا میں شامل کر لیا تو ریاست میں خلل امن کا زبردست اندیشہ ہے مجھے امید ہے کہ مہاراجہ بہادر اس نازک ترین موقع پر تدبر سے کام لیں گے اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے مسلمانان کشمیر کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو"

اس موقع پر پنڈت پریم ناتھ بزاز نے مہاتما گاندھی کو ایک خط لکھ کر اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ مہاتما گاندھی نیشنل کانفرنس جیسی آمرانہ پالیسی پر چلنے والی جماعت کی حمایت کر رہے ہیں۔ پریم ناتھ بزاز نے اپنے خط میں نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کی غنڈہ گردی، مسلم کانفرنسیوں کی مار پیٹ اور اقلیتی فرقے پر حملے کی تفاصیل بتا کر مہاتما گاندھی کو مشورہ دیا کہ وہ نیشنل کانفرنس کے جھانسے میں نہ آئیں۔

مسلم کانفرنس کے بعض ممتاز لیڈر جن میں سردار محمد ابراہیم خاں، غلام محمد جوئیلر مفتی ضیاء الدین، میجر علی محمد اور منشی نصیر الدین قابل ذکر ہیں انہوں نے مہاتما گاندھی سے اپیل کی کہ وہ ریاست کی سیاست میں مداخلت نہ کریں۔ انہوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔

"ہمیں ڈر ہے کہ کہیں مہاراجہ بہادر پر انڈین ڈومینین کے ساتھ شامل ہونے کے لیے دباؤ نہ ڈالا جائے اس لیے ہم مسلمانان کشمیر کی طرف سے یہ صاف ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم پاکستان ڈومینین کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر گاندھی اپنے وعدے کی بنا پر بدنصیب ریاست کی سیاست میں دخل نہ دیں اگر انہوں نے ریاست کی سیاست میں دخل دیا تو حالات بگڑ جائیں گے۔"

ہندوستان کے اتنے بڑے مہاتما کو حالات بگڑنے کی کیا پرواہ تھی۔ انہوں نے سب کچھ سن کر بھی گویا کچھ بھی نہیں سنا، وہ جس مشن پر کشمیر آئے تھے اس پر کام کرتے رہے۔

سرینگر میں مہاتما گاندھی سے کئی وفود ملنے آئے۔ ابھیندا ہوم میں ان کے پرارتھنا سبھا کا اہتمام کیا گیا۔ یہاں بھجن کیرتن کیا گیا۔ بیگم شیخ عبداللہ بھجن کیرتن سبھا میں شریک ہوئیں تو دوسروں کے ساتھ ان کے ماتھے پر بھی قشقہ کھینچا گیا۔ اور وہ حاضرین کے ساتھ "رگھوپتی راگھو راجا رام" کا ورد کرتی رہی۔

بھجن کیرتن سے فارغ ہو کر مہاتما گاندھی نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈروں سے ملے ان میں انڈر گراؤنڈ لیڈر غلام محی الدین قرہ بھی تھے۔

۲ راگست کو انہوں نے بیگم شیخ محمد عبداللہ سے طویل بات چیت کی جس سے یہ تاثر ملنے لگا کہ حکومت اور نیشنل کانفرنس کے درمیان صلح وصفائی کی کھچڑی پک رہی ہے۔

اسی روز مہاتما گاندھی مجاہد منزل آگئے۔ یہاں اُن سے کشمیریوں کے لیے حق خودارادیت کی حمایت کرنے کو کہا گیا لیکن وہ اس موضوع پر کچھ بتانے پر رضامند نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس کے عذر میں بتایا کہ میں پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہوں کہ میں ریاست کی سیاست میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔

ایک مہاتما ہو کر بھی انہوں نے صاف گوئی سے کام نہیں لیا جب کہ ان کا مشن صرف سیاسی تھا اور کچھ نہیں اس کا اعتراف لارڈ مونٹ بیٹن نے کیا ہے۔

بعض تاریخ اور تحریک نویسوں نے لکھا ہے کہ گاندھی جی نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ مہاراجہ کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا مشورہ دیں گے۔ وہ مہاراجہ اور یہاں کی اکثریت کو کیسے مشورہ دیں کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کریں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے مہاتما گاندھی مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے پر آمادہ کرنے آئے تھے۔ وہ شیخ عبداللہ کی رہائی اور رام چند کاک کی برطرفی کا سجھاؤ بھی لائے تھے۔

مہاتما گاندھی کے دورۂ کشمیر پر "اخبار ٹریبون" نے اپنے اداریے میں لکھا ہے۔

"گاندھی جی نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے ساتھ مل کر وائسرائے سے ملاقات کی، اس ملاقات میں خاص "مسئلہ کشمیر" درپیش تھا۔ چونکہ کئی ریاستیں جنہوں نے اس وقت تک اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا عوامی دباؤ کے بغیر ہندویونین میں شامل ہونے کو تیار نہیں دکھائی دیتے، گاندھی جی کا دورۂ کشمیر اسی مقصد کے لیے ہو رہا ہے۔"

پریم ناتھ بزاز نے اپنے اخبار "ہمدرد" میں لکھا

"جو لوگ مہاتما گاندھی کو سچائی کا اوتار نہیں سمجھتے ہیں بلکہ محض ایک چالاک اور تجربہ کار سیاسی لیڈر تسلیم کرتے ہیں ان کے دل میں شکوک وشبہات کا

پیدا ہونا لازمی ہے یہ دوسرا سوال ہے کہ گاندھی جی کو اپنے مشن میں کتنی کامیابی ملتی ہے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس بارے میں جو بیان پارلیمنٹ میں دیا اور جسے اخبار سٹیٹسمین کی ۱۹ر مارچ ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع کیا گیا اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہے۔

"کشمیر میں ہم نے جتنے بھی اقدامات کیے ان میں گاندھی جی کا آشیرواد حاصل رہا ہے۔"

"لندن ٹائمز" نے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں لکھا۔

"انڈین یونین اس (کشمیر) مسلہ میں بڑی گہری دلچسپی لے رہی ہے اور اس امر کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ مہاتما گاندھی کی ترغیب سے متاثر ہو چکا ہے یہاں مہاتما گاندھی اور کانگریس کے دوسرے لیڈر تین ماہ تک کشمیر کا دورہ کر چکے ہیں۔"

۳ر اگست کو مہاتما گاندھی اور مہاراجہ کے درمیان گپکار محل میں تفصیلی گفتگو ہوئی اس گفتگو کے دوران مہارانی تارا دیوی انکی ناز برداری میں لگی رہی۔

مسئلہ الحاق کے علاوہ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی رہائی پر تفصیلی گفتگو ہوئی یہ فیصلہ طے پایا کہ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر مہاراجہ کے تابعدار رہنے کا تحریری اقرار کرے گی "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک سے کنارہ کش ہو کر مہاراجہ کی وزارت میں شامل ہوں گے۔ مہاراجہ نے شیخ صاحب کے سمیت اُن کے مشورہ پر مزید چار وزیر لینے کا اقرار کر لیا۔ مہاتما گاندھی نے بیگم شیخ عبداللہ سے ملاقات کے بعد مہاراجہ کو اس بات کا یقین دلایا کہ اگر نیشنل کانفرنس کے ورکروں اور عہدیداروں کو رہا کر کے ان میں سے شیخ عبداللہ سمیت چند اصحاب کو وزارت میں لیا گیا تو وہ تحریک سے دست بردار ہو کر مہاراجہ بہادر کی حمایت کرنے کے لیے راضی ہوں گے۔

مہاراجہ ہری سنگھ چاہتے بھی یہی تھے کہ کسی طرح نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں سے ان کی صلح ہو جائے کیونکہ وزارت میں ان کی شمولیت کا مرحلہ معاہدہ تک پہنچتے پہنچتے اختلاف کی نذر ہو گیا تھا۔ اب مہاتما گاندھی دوبارہ اس کڑی کو ملانا چاہتے تھے۔ پہلے صرف شیخ عبداللہ کے وزیر اعظم کا معاملہ زیر غور تھا۔ اب ان چند قریبی ساتھیوں کو

بھی وزارت میں لینے کی تجویز تھی جن کی طرف سے معاہدہ کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اس سلسلے میں مہاتما گاندھی کو بات آگے بڑھانے کا اختیار دیا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کے لیڈر تحریک سے دستبردار ہوں گے یا نہیں؟

مہاراجہ کے محل سے واپس آکر مہاتما گاندھی پھر بیگم شیخ عبداللہ سے ملے کیوں کہ شیخ عبداللہ ان دنوں نظر بند تھے۔ بیگم عبداللہ سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد مہاتما گاندھی دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ ہوئی بات چیت کے بارے میں بیگم شیخ عبداللہ نے اپنے شوہر کو بھدرواہ جیل میں تفصیلات بھیجدیں، شیخ صاحب نے اپنی صاحب کے ذریعے (جن کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے) مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک خط روانہ کیا۔ اس میں مہاراجہ بہادر سے صلح صفائی میں سب سے بڑی رکاوٹ یعنی وزیر اعظم رام چند کاک کو ہٹانے کے لیے کہا گیا۔

مرتا کیا نہ کرتا رام چند کاک کو ہٹا کر عارضی طور پر راجہ جنک سنگھ کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے ۱۱ر اگست کو جب یہ عہدہ سنبھالا تو نیشنل کانفرنس نے پارٹی لیول پر انکا سواگت کیا اور وزیر اعظم جنک سنگھ زندہ باد کے نعرے لگائے۔ البتہ جنک سنگھ کی تقرری پر کانگریس ناراض ہو گئی۔

جنک سنگھ کے وزیر اعظم بنتے ہی جہاں نیشنل کانفرنس نے شادیانے منائے وہاں مسلم کانفرنس نے ان کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹ستمبر ۱۹۴۷ء کو مسلم کانفرنس کا جامع مسجد میں چوہدری حمید اللہ خان کی قیادت میں ایک بھاری عوامی جلسہ ہوا بیشتر لیڈروں کے ہاتھوں میں پاکستانی جھنڈے تھے۔ جلسہ کے بعد جلوس نکالا گیا۔ راجہ جنک سنگھ کی طرف سے چوہدری حمید اللہ خاں کو ایک پیام ملا جس میں فی الحال اس قسم کے جلسے اور جلوس سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی۔ جب تک کہ مہاراجہ کسی ڈومنین کے ساتھ الحاق کرنے یا آزاد رہنے کا حتمی فیصلہ کرے۔ اس قسم کے جلسے جلوس سے اجتناب کی پاداش میں حکومت نے مولوی یوسف شاہ پر کڑی نظر رکھدی تھی۔ میر واعظ منزل پر سی۔ آئی۔ ڈی برابر ان پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

مولوی محمد یوسف شاہ نے میر واعظ منزل کی کھڑکی پر اپنے ہم مشکل اور ہم عصر خواجہ

احمداللہ مکائی کو رکھ کر خود راہ فرار اختیار کرلی، مولوی صاحب جب مظفر نگر پہنچ گئے تو انہوں نے اپنی صحیح وسلامت پہنچنے کی اطلاع بذریعہ تار سرینگر روانہ کردی اس تار کے مطابق جب مولوی صاحب کو دیکھنے پولیس آفیسر میر واعظ منزل گئے تو انھیں کھڑکی پر مولوی یوسف شاہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ حالانکہ یہ اُن کا ڈپلی کیٹ تھا۔

رام چند کاک کے منظر سے ہٹنے کی خبر شیخ صاحب نے سُنی تو انہوں نے مہاراجہ بہادر کو ایک اور خط لکھ کر اس کاروائی پر آن کا شکریہ ادا کیا۔

چونکہ راجہ جنک سنگھ کی تقرری پر کانگریس خوش نہیں تھی اس لیے پنڈت جواہر لال نہرو نے سردار پٹیل کو اس سلسلے میں مہاراجہ سے رابطہ قائم کرنے کو کہا سردار پٹیل کی کوششوں سے مہر چند مہاجن کو اس عہدے پر تعینات کیا گیا۔


مہاراجہ ہری سنگھ


مہر چند مہاجن

اس دوران مہاراجہ ہری سنگھ کانگریس کی کوئی رائے یا تجویز ٹھکرانے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ کانگریس پارٹی ریاست میں نیشنل کانفرنس کا کھڑا کردہ فتنہ ختم کرنے اور نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کو ان کا تابعدار بنانے کے کام میں مصروف تھی۔

مہر چند مہاجن اصل میں گوپالا سوامی آئینگر کی طرح کانگریس کا آدمی تھا اور ان ایام میں اپنا آدمی مسئلہ الحاق کے بارے میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو مہارانی تارا دیوی نے مہر چند مہاجن جو پنجاب ہائی کورٹ کے جج تھے کو اپنے ایک قاصد کے ذریعے پیام بھیجا کہ وہ ہز ہائی نیس کے سامنے حاضر ہو جائیں تاکہ نئے عہدے پر ان کی تقرری پر عمل درآمد ہو سکے۔

۱۸ر ستمبر کو مہاراجہ نے مہر چند مہاجن کو پانچ سال کے لیے وزیر اعظم مقرر کیا۔

مہر چند مہاجن کی تقرری سے نیشنل کانفرنس کے وہ لیڈر جو جیل سے باہر تھے۔ حیران ہو گئے۔ کانگریس کی طرف سے ان کو اطلاع مل گئی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم بن رہے ہیں اور ان کے دیگر قریبی ساتھی کیبنٹ میں لیے جائیں گے۔

بقول بخشی غلام محمد ہم نے اپنے لیے پورٹ فیلوز بھی مقرر کیے تھے۔ جب اس کے الٹ ہوا تو میں فوری طور پر دہلی چلا گیا تاکہ کانگریس کے لیڈروں سے اس نئی صورت حال کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں — یہاں ہمیں صبر کرنے کی تلقین کر کے فی الحال خاموش رہنے کو کہا گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی کیبنٹ میں شمولیت کی یہ دوڑ دھوپ اس وقت ہو رہی تھی جب نیشنل کانفرنس کے مخلص کارکن، معزز شہری اور عوام "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک میں اپنے مال وجان کی قربانیاں دے کر اس تحریک کی آبیاری کر رہے تھے۔

لوگ کیننگ کے شکار ہو رہے تھے۔ ڈنڈے کھا رہے تھے۔ سڑکوں پر گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ پلوں پر پیٹ کے بل رینگتے تھے۔ چوراہوں پر ہاتھ کھڑا کر کے چل رہے تھے۔ قید خانوں میں ظلم و جبر کے شکار ہو رہے تھے اور اُن کے لیڈر مہاراجہ سے وزارت کی بھیک مانگ رہے تھے اور اس اقتدار کے عوض میں ان کے وفادار اور تابعدار رہنے کی قسمیں کھا رہے تھے۔

مہاتما گاندھی کی سفارش پر انہیں رہائی کا مژدہ اس شرط پر سنایا گیا کہ وہ اپنے کیے کی معافی مانگ کر مہاراجہ بہادر کا وفادار رہنے کا تحریری اقرار کریں۔ انہوں نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک سے دستبردار ہو کر مہاراجہ بہادر کی حکومت قائم و دائم رہنے کے لیے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا جو انہی دنوں "صداقت" میں **ہم کیا چاہتے ہیں** کے نام سے شائع ہوا۔

"ناظرین۔ جس نے مطالبات بغور پڑھے ہوں گے ان کو معلوم ہوگا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔
ہم صرف اسقدر چاہتے ہیں کہ ملک سے افلاس اور غربت، بیکاری مظلومیت کا فور ہو جائے۔ ریاست میں کوئی کسی کا غلام نہ بنے ملک میں امن و امان قائم ہو، کسی فرقہ کو کسی فرقہ کے ساتھ کشمکش نہ ہو، ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔
مہاراجہ بہادر کشمیر کی سلطنت اور حکومت مہذب اور مضبوط ہو کر کسی بیرونی طاقت یا حریف کی بے جا مداخلت سے محفوظ رہے یعنی راعی اور رعایا اس طرح



زندگی بسر کریں جیسا کہ بیٹا باپ کے ساتھ، اور تمام رعایا اس طرح سے آپس میں متفق و متحد ہو کر زندگی بسر کریں جس طرح بھائی بھائی کے ساتھ محبت و پریم سے زندگی بسر کرتا ہے اور وہ اس طرح سے ہوگا کہ مسلم رعایا کی گری ہوئی قوم رفعت و کامیابی کے مقام پر پہنچ جائے اور برادران وطن ڈوگرہ راجپوت کے برکات میں شریک ہوں اور ملک میں مہاراجہ بہادر کی حکومت قائم رہے۔"

تاریخ شاہد ہے کہ عوام اور خواص شیر کشمیر کے "کشمیر چھوڑ دو" کے مطالبے پر انہیں ان کی جرأت، بے باکی اور نڈرتا پر انہیں خراج ادا کر رہے تھے۔ ان کی گرفتاری پر کٹ مر رہے تھے اور خود وہ "کشمیر چھوڑ دو" کے مطالبے سے منکر ہو کر اس سے روگردانی کر کے مہاراجہ بہادر کی حکومت کی دائمی کی قسمیں کھا رہے تھے۔

یہ تھا ہمارے لیڈرانِ قوم کا ظاہر اور باطن۔

اس حال میں خوش رہنا میرے لیے مشکل ہے
تھوڑی سی پی لوں گا گو زہر ہلاہل ہے

شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے لئے کانگریس کی حکمت عملی

مہاجن کو وزیر اعظم کا عہدہ دلانے کے کانگریس کے مقصد سے مہاراجہ کچھ بے خبر تھے البتہ جب مہاجن کے وزیر اعظم بننے پر کانگریس نے خوشی و مسرت کا اظہار کر کے مہاراجہ کو شاباشی دی تو مہاراجہ کو شک گزرا ہو نہ ہو اس میں کوئی مقصد پوشیدہ ہو۔ السٹرلیمپ "کرائسس اِن کشمیر" میں لکھتے ہیں۔

"مہر چند مہاجن وزارت کے لیے نامزد کیے گئے تو ستمبر ۱۹۴۷ء میں دہلی میں سردار پٹیل پنڈت نہرو اور بلدیو سنگھ کے ساتھ انہوں نے ملاقات کا ایک سلسلہ شروع کیا اور بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی شرائط کی بات چیت مکمل کر لی' ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب انہوں نے وزارت کا حلف لیا تو اس بارے میں مہاجن خود لکھتے ہیں۔ وی۔ پی۔ مینن نے مجھ سے کہا وہ مہاراجہ سے دستاویز الحاق حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

۸ مئی کو دیوان چمن لال پنڈت جواہر لال نہرو کی ہدایت پر سرینگر آگیا۔ وہ شیخ عبداللہ کے گھر واقع صورہ گیا۔ بیگم عبداللہ کو پنڈت نہرو کا ذاتی خط پہنچا دیا سرینگر میں قیام کے دوران دیوان نے شیخ عبداللہ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ دیوان چمن لال کی واپسی پر آچاریہ کرپلانی یہاں آگئے انہوں نے ایک اخباری کانفرنس کے سامنے فرمایا۔

"ہم نے نیشنل کانفرنس کے ساتھ گزشتہ برسوں سے کچھ وعدے کیے تھے۔ یہ وعدے کہاں تک پورے ہوئے ہیں یہی دیکھنے یہاں آیا ہوں،

مہاراجہ کشمیر نے پہلے ہی کانسٹیچوٹ اسمبلی میں شامل ہونے کا اعلان کیا ہے اگر وہ اپنے وعدے سے پھر جائیں گے تو قدرت خود فیصلہ کرے گی، ہم اُن کی اور رعایا کی بہتری چاہتے ہیں۔ میں مہاراجہ سے ملنے کے لیے جموں جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں سے میں یہی کہتا ہوں کہ وہ "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ ترک کریں کیونکہ مہاراجہ یہاں ہی کا باشندہ ہے انگریزوں کی طرح پردیس کا نہیں اگر یہاں کے لوگ مہاراجہ کی سرپرستی میں پنچایت راج مانگیں تو اس میں کوئی برائی نہیں۔"

اچاریہ کرپلانی کا یہ بیان اخبارات میں چھپ گیا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے اس بیان صفائی میں بیگم عبداللہ کو ایک خط لکھا جو بعد میں بیگم عبداللہ نے اخبار "خدمت" میں چھپوایا۔ اس میں پنڈت نہرو نے اور باتوں کے علاوہ لکھا تھا۔

"مجھے کشمیر سے جو محبت ہے وہ برقرار رہے گی میں کوشش کر رہا ہوں کہ شیخ عبداللہ جلد رہا ہوں بات چیت جاری ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی ہمیں پوری امید ہے۔"

آچاریہ کرپلانی جموں میں مہاراجہ سے ملے تو ان کا کہنا ہے "میں نے شیخ عبداللہ کو قید سے چھوڑنے اور انہیں وزیر اعظم کا عہدہ دینے پر مہاراجہ کو راضی کر لیا" مہاراجہ وزیر اعظم کے بجائے ڈپٹی وزیر اعظم دینے پر آمادہ تھے۔ اس غلط فہمی کے درمیان کون صحیح تھا کون غلط اس بات کو الگ رکھ کر مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کی طرف سے معافی نامہ جس میں وہ ان کا وفادار رہنے کا تحریری اقرار کرے پیش کرنے کی شرط رکھ دی چنانچہ اس سلسلے میں شیخ عبداللہ سے جیل میں رابطہ قایم کیا گیا اور انہوں نے مہاراجہ بہادر کی خدمت میں خط بھیجدیا۔ ملاحظہ ہو۔

۲۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء

سرکار والامدار

تقریباً ڈیڑھ سال کی اسیری کے بعد مجھے ٹھاکر نچت چند جی (مہارانی تارا دیوی کا بھائی) کے ساتھ تفصیل سے بات چیت کرنے کا موقعہ ملا، اسی دوران ریاست میں جو ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھتا

ہوں ریاست کا ہر بہی خواہ یہ محسوس کرتا ہے کہ بہت سے ناخوشگوار واقعات کی بنیاد غلط فہمیاں ہیں جو غرض مندوں نے اپنے اغراض پورا کرنے کے لیے پیدا کی تھیں، سابق وزیر اعظم رائے بہادر رام چند کاک نے اپنی شاطرانہ چالوں اور شرارت آمیز طریقوں سے ان غلط فہمیوں کو عروج پر پہنچایا اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی وہ کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اس نے مجھے اور میری جماعت کو ہمیشہ غلط رنگ میں پیش کیا اور جب بھی میں نے سرکار اور رعایا میں رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی اس نے میری کوششوں کو ذاتی غرض کا نام دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ سرکار والا کے اور ریاست کے تمام ایسے دشمنوں کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔

ماضی میں جو کچھ بھی ہوا اُس سے قطع نظر میں سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں اور میری پارٹی سرکار والا کی ذات، شاہی خاندان یا تخت شاہی کے کبھی بھی بدخواہی کا جذبہ نہیں رکھتے تھے۔ اس خوبصورت ملک کی نشوونما ترقی اور عام لوگوں کی حالت بہتر بنانا ہی ہمارا مشترکہ مقصد ہے جس کو پورا کرنے کے لیے میں اور اپنی جماعت کی مکمل وفاداری اور امداد کا یقین دلاتا ہوں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ میں سرکار والا کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ریاست کے اندر یا باہر کی کوئی جماعت ہماری اس کوشش میں اگر سدِ راہ بننے کی کوشش کرے تو ہم اُسے ملک کا دشمن سمجھیں گے اور اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے۔ جن مشترکہ مقاصد کا ذکر اوپر کر چکا ہوں اُن کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے پر اعتماد اور یقین کا ہونا ضروری ہے اس کے سوا ان مشکلات کا کامیابی سے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ جو اس ریاست کو سب طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

اس خط کو بند کرنے سے قبل میں دوبارہ سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا وفادار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے موقع بخشے کہ یہ ریاست سرکار والا کے زیر سایہ امن و آشتی کا گہوارہ بنے اور ترقی کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے اچھی حکومت کی ایسی مثال قائم کرے کہ دوسری

ریاستیں اس کے نقش قدم پر چلیں۔

سرکار والا کا نہایت وفادار
شیخ محمد عبداللہ
(انگریزی سے ترجمہ)

اس خط میں شیخ صاحب مہاراجہ سے مخاطب ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اس سے قطع نظر میں سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں اور میری پارٹی سرکار والا کی ذات، شاہی خاندان یا تخت شاہی کے کبھی بھی بدخواہی کے جذبے نہیں رکھتے تھے۔ یہ یقین ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ مہاراجہ نے جب انہیں وزارت میں لینا نہیں مانا تو شیخ عبداللہ ان کے خلاف جو کچھ بھی کہہ گئے وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ ملاحظہ ہو ان کے وہ بیانات جو انہوں نے "کوئٹ کشمیر" کے سلسلے میں مقدمہ بغاوت کے دوران دیئے ہیں۔

"ایک حقیر رقم میں ایک بنئے کو یہ ملک بیچ ڈالا ہم روپیہ جمع کریں گے اور اس کو دے کر کہیں گے کسی گاؤں میں جاؤ اور یہ جگہ خالی کرو...... اس بیعنامہ نے ہماری قوم کو تباہ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کہیں "کشمیر چھوڑ دو، بیعنامہ توڑ دو" ہمارا حق ہے کہ ڈوگرہ حکومت سے آزادی کا حق حاصل کریں۔ (۱۰ مئی ۱۹۴۶ء)

انہوں نے اپنے بیان میں عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آپ کا فرض ہے کہ اپنی تحریک کو ایک مقصد پر رکھیں، آپ پر فرض ہے کہ سب کو دعوت دیں اور کہیں کہ ہمیں ڈوگرہ شاہی سے آزادی حاصل کرنی ہے۔ خواہ اس میں آپ کی جان، دولت، مکان جائداد تباہ ہو جائے اس سے زیادہ اچھا وقت اور کوئی نہیں کہ ڈوگرہ شاہی کو ختم کریں...... مہاراجہ گلاب سنگھ کے وارثوں کو اس ملک میں کوئی حق نہیں ہے ہم انگریزوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو اس ملک میں راج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ایک تھوک فروش نے ہمیں خریدا اور پرچون فروشوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱۲ مئی ۱۹۴۶ء)

میں نے اب یہ اچھی طرح محسوس کیا ہے یہاں پر ہم تب تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ڈوگرہ شاہی کا خاتمہ نہ ہو۔ (۱۴ مئی ۱۹۴۶ء)

"ہم سو سال بعد اس ڈوگرہ راج کو ختم کریں گے۔ جنگ کا بگل بجا نہیں ہے کسی وقت بجے گا یہ لڑائی ۱۹۴۶ء میں اس شرمناک غداری کے ساتھ ہے

جس کا انتقام لینا ہے ـــــ اس ملک میں انہیں راج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس حق کے لیے ہمیں انتہائی قربانی دینی ہو گی۔ جب تک ہم اس غلامی سے آزاد نہیں ہو جاتے تب تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۶ء۔

عدالت اور عدالت سے باہر اس قسم کے بیانات دینے والا اگر ڈوگرہ شاہی کے تخت و تاج کا محافظ اور ڈوگرہ حکمرانوں کا وفادار اور تابعدار رہنے کا تحریری بیان دے تو اسے کیا کہیئے؟

صاف ظاہر ہے کہ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک محض ایک ڈرامہ تھا اور کچھ نہیں یہ تحریک مہاراجہ بہادر کو بلیک میل کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ مطلب شودہ صرف چرس تھا۔ انہیں وزیر اعظم کا عہدہ چاہیئے تھا جو مہاراجہ نہیں دے رہا تھا۔

شیخ عبداللہ کا یہ خط جن باتوں کو اجاگر کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ بیرون ممالک کے ان اشخاص کو بھی صریحاً دھوکہ دے رہے تھے۔ جو ان کے "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے پر ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دے کر شیخ عبداللہ خود جیل میں چلے گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی تابعداری اور ان کے تخت و تاج کی پاسداری کی دہائی دینے کے لیے بہت نیچے تک چلے گئے۔ صاف ظاہر ہے کہ "کوئٹ کشمیر" کے بارے میں ان کی نیت ہرگز صاف نہیں تھی۔ لیکن ان میں اتنی بھی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے ان لوگوں کو مصائب و مشکلات سے نجات دلاتے جو ان کے "کوئٹ کشمیر" کے نعرے پر مر مٹتے تھے۔ جو کوڑے کھاتے ٹکٹکیاں سے لیتے تھے۔ "کوئٹ کشمیر" کی تحریک میں کشمیری عوام پر مہاراجہ کی فوج کے ہاتھوں جو درگت ہو رہی تھی اور ان کا جو اثاثہ لوٹا جا رہا تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کشمیری عوام ظلم و جبر کی چکی میں پسے جا رہے تھے اور ان کا لیڈر مہاراجہ کی تابعداری اور وفاداری کا دم بھر رہا تھا۔ وہ ان کے تخت و تاج کی پاسداری کا انہیں یقین دلا رہا تھا۔

اس خط کو پا کر مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری ڈاکٹر چوپڑہ کو بھدرواہ روانہ کیا جہاں کے سب جیل میں شیخ عبداللہ نظربند تھے۔ ڈاکٹر چوپڑہ نے یہاں شیخ صاحب کے سامنے وہ تجویزیں رکھدیں جو مہاتما گاندھی اور آچاریہ کرپلانی نے ان کی رہائی کے بارے میں مہاراجہ بہادر کے سامنے رکھ دی تھیں۔ شیخ عبداللہ مہاراجہ

پاکستان کے پاس خود اپنے عوام کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ اپنے ساتھ ملا کر ہمیں کیا دے گا۔" انہوں نے محمد علی جناح پر الزام لگایا کہ

"انہوں نے "کوئٹ کشمیر" تحریک کے دوران ہمیں روسی ایجنٹ اور غنڈے کہہ کر ہماری تضحیک کی برعکس اس کے پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی نے نہ صرف ہماری حمایت و مدد کی بلکہ ہماری خاطر نہرو نے جیل جانے سے بھی گریز نہیں کیا میں اُن کا اور گاندھی جی کا نہایت ہی مشکور ہوں جو آڑے وقت میں ہمارے کام آئے۔ . . . . لیکن کشمیر کا مسئلہ حل کرنے اور مستقبل کا فیصلہ کرنے میں ہمارے سامنے نہ مسٹر جناح کی دشمنی حائل ہو سکتی ہے اور نہ پنڈت نہرو کی دوستی کا لحاظ رکھا جائے گا۔"

شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے دوران وادی کے پاکستان نوازوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آج پاکستان ایک حقیقت ہے جو لوگ یہاں پاکستان کے ساتھ ریاست کی شمولیت کے بارے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اس کے حق میں نعرے لگاتے ہیں انہیں اس کے ردِ عمل پر غور کرنا چاہیئے کہیں یہاں بھی ویسے ہی حالات پیدا نہ ہوں جن سے برصغیر ہند و پاک آج دوچار ہے۔"

اس طرح شیخ عبداللہ نے واضح مگر مبہم الفاظ میں عوام کے سامنے اپنے دل کی بات تو کہہ دی لیکن الفاظ کے گورکھ دھندوں میں انہیں ایسا الجھا دیا کہ وہ اُن کی ایک گھنٹے کی تقریر میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکے البتہ تاڑنے والے جو قیامت کی نظر رکھتے ہیں انہوں نے شیخ عبداللہ کا نظریہ نہ صرف مسترد کیا بلکہ اُن کے خلاف سخت ترین ناراضگی کا بھی اظہار کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر کے آغاز پر سفید جھوٹ کا سہارا لیا۔ ان کا یہ کہنا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا اور نہ میں جانتا ہوں مجھے رہا کیوں کیا گیا ؟ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے انہیں "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ لگانے پر گرفتار کیا گیا ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا عدالت نے انہیں تیس سال قید کی سزا سنائی وہ سزا کاٹ رہے تھے کہ مہاتما گاندھی نے سرینگر آ کر مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس ان کی رہائی کی سفارش کی

اور مہاراجہ کو اس بات کا وعدہ دیا کہ اگر آپ شیخ عبداللہ اور اُن کے قریبی چند ساتھیوں کو وزارت کی ہڈی چبانے کے لیے دیں گے تو وہ نہ صرف شور مچانے سے اعتراض کریں گے بلکہ آپ کے تابعدار اور وفادار رہیں گے۔ گاندھی جی کی اس تجویز کی تصدیق کے لیے مہاراجہ نے اپنے برادر نسبتی ٹھاکر پچت چند اور پرسنل سیکرٹری ڈاکٹر چوپڑہ کو بھدرواہ بھیج دیا جہاں کے سب جیل میں شیخ عبداللہ نظر بند تھے۔ شیخ صاحب نے مہاراجہ کا وفادار اور تابعدار رہنے کے ساتھ ان کے تاج و تخت کا محافظ بننے کا اقرار کر لیا تو انہیں بادامی باغ چھاؤنی لایا گیا۔ یہاں اُن سے وفاداری کا اقرار نامہ لے کر رہا کیا گیا۔ یہ سب کچھ جان کر بھی کہا جائے" مجھے معلوم نہیں مجھے کس لیے گرفتار کیا گیا اور کیوں رہا کیا گیا -؟ جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۵/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ۲۵ اسیران "کوئٹ کشمیر" کو مجاہد منزل میں عوام سے متعارف کرایا گیا ان میں مرزا محمد افضل بیگ، کیشپ بندھو، سردار بدھ سنگھ، صوفی محمد اکبر، علی محمد طارق، شیام لال صراف، ماسٹر عبدالعزیز، گیانی سنت سنگھ اور مولانا مسعودی کے ساتھ دوسرے لیڈر بھی شامل تھے۔

اس موقع پر شیخ صاحب نے الحاق کے موضوع پر خیال آرائی کر کے اپنی دلی کیفیت کا بڑی ہوشیاری سے اعادہ کیا نظریاتی طور پر اپنے مخالفین سے مخاطب ہو کر کہا کہ "وہ پاکستان ریڈیو سے ایسی خبریں نشر نہ کرائیں جس سے اس پروپگنڈے کو تقویت ملے کہ شیخ صاحب اور حکومت کشمیر کے درمیان خفیہ معاہدہ طے پایا ہے۔ اس سے وہ ہمارے جذبات کو اُبھارتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اشتعال میں آ کر ہم کہہ دیں گے "جاؤ ہم ہندوستان میں شامل ہو جائیں گے۔"

بقول رشید تاثیر زیرک اور دانا کشمیری قوم شیخ عبداللہ کے ما فی الضمیر کو سمجھتے تھے۔ ان سے واشگاف الفاظ میں مسئلہ الحاق کے بارے میں وضاحت سے سُننا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس زمرہ کے خوش فہموں کو بساط سیاست کی باریکیوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے شیخ صاحب نے ۱۹/اکتوبر کو حضرت بل کی تقریر میں گورنر جنرل پاکستان محمد علی جناح پر شدید نکتہ چینی کی اور اُن کے ایک سابقہ بیان کو اپنے موضوع سخن کا محور بنایا جس میں کہا گیا تھا مسلم لیگ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینے والی پالیسی کو دیا تھی

عوام کو بنیادی حقوق کے خلاف سمجھتی ہے۔

اگر ہماری ریاست نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو اس اعلان کے رو سے ہمیں جاگیردارانہ نظام کا غلام رہنا پڑے گا۔

یہ کہتے ہوئے شیخ عبداللہ بھول گئے کہ ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کرنے والی تمام ریاستوں کے عوام نے اندرونی آزادی اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کی اُمید پر ہی ڈومینین سے الحاق کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے ان دنوں شیخ صاحب کے رگ و پے میں کانگریسی لیڈروں کی قربت اس حد تک سمو گئی تھی کہ فیل بے مہار کی طرح ابن الوقت اور چاپلوس کے واحد لیڈر کے نعرے سے جھومنے لگے جس سے ان کی مُدبرانہ صلاحیتوں کا کم اور وقتی جوش و خروش کا زیادہ مُظاہرہ ہونے لگا۔"

شیخ محمد عبداللہ کی تمام سزائیں معاف کر کے جب اُنہیں جیل سے رہا کیا گیا تو اُس کا سارا کریڈٹ انہوں نے کانگریسی رہنماؤں کو دیا۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریروں کے ذریعے پاکستان کو دشمن اور ہندوستان کو اپنا دوست کہنا شروع کیا تو بھارتی رہنماؤں نے اطمینان کا سانس لیا، پنڈت نہرو نے فوری طور پر پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ شیخ صاحب سے مل کر ان کے خیالات معلوم کر سکیں، پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے نام کاچرو صاحب کے ہاتھ ایک خط بھی روانہ کیا۔ ان دنوں پنڈت کاچرو آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ جب وہ سرینگر میں شیخ صاحب سے ملے تو انہوں نے پنڈت نہرو کو ایک خط لکھا۔

سرینگر ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پیارے پنڈت جی!

میں گزشتہ چار دن سے یہاں ہوں اور اُمید ہے کہ سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس آؤں گا۔ یہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) شیخ صاحب اور اُن کے نزدیکی ساتھیوں نے ہند یونین کے حق میں فیصلہ لیا ہے۔

(۲) مگر ابھی اس فیصلہ کا اعلان نہیں کیا گیا اور یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ابھی تک نیشنل کانفرنس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

(۳) نیشنل کانفرنس کے بیشتر لیڈر جیلوں میں ہی ہیں صرف شیخ عبداللہ کو رہا کیا گیا ہے۔

(۴) شیخ صاحب نے یہ کہا ہے کہ تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں اور ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کی میٹنگ منعقد ہونا ممکن بنائی جائے تاکہ عوام کے سامنے جو مسئلہ ہے اُس کا فیصلہ ہو سکے۔

(۵) فی الحال شیخ صاحب نے تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا ہے تاکہ نیشنل کانفرنس جو لا ابدی فیصلہ کرنے والی ہے اُس کے حق میں رائے عامہ تیار ہو سکے۔

(۶) تقاریر میں کہا جا رہا ہے کہ ہندو اور مسلمان کا قتل ہوا ہے وہ دونوں مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے الحاق کا فیصلہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کشمیریوں کی مصیبت کے وقت اور ان کی جدوجہد آزادی میں اگر کسی نے ساتھ دیا تو وہ گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور کانگریس ہی تھی۔ مسلمانوں نے یا مسلم لیگ نے یا مسٹر جناح نے کبھی ہماری حمایت نہیں کی یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح لوگوں کی نظروں میں ایسے پیش کیے جائیں کہ انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی مخالفت کی ہے اور وہ والیان ریاست کی طرفداری کرتے ہیں۔

(۷) اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ کشمیر نیشنل کانفرنس کا نصب العین یہ ہے کہ سرداری عوام کو منتقل ہو اور مہاراجہ صرف آئینی حکمراں رہے اور الحاق کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت بھی یہی اصول مدنظر رکھا جائے گا۔ مختصر یہ کہ وہ اس ڈومینین کے ساتھ الحاق کریں گے جو ان کے نصب العین کو حاصل کرنے میں مدد دے۔

(۸) ایک اہم بات جس کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے وہ یہ کہ ریاستی نظم و نسق بالکل درہم برہم ہو چکا ہے۔ خوف و ہراس چھایا ہوا ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی قابل شخص بات چیت کے لیے موجود نہیں ہے نا ہی مہاراجہ نے تاحال شیخ صاحب سے شروع کرنے کی جانب کوئی قدم بڑھایا۔

(۹) مہاراجہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کا نااہل ہے۔ شیخ صاحب نے مہاراجہ کو ایک عمدہ خط بھیجا ہے۔ مہاراجہ نے بھی شیخ عبداللہ اور بیگم عبداللہ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ مگر اس طرف مزید پیش رفت نہ حکومت کی طرف سے

ہوئی ہے اور نہ مہاراجہ کی جانب سے۔

(۱۰) ان حالات نے شیخ عبداللہ کو بے قرار کر دیا ہے اور اس کے ساتھیوں کی مسلسل نظربندی کی وجہ سے معاملہ اور بھی سنگین بنتا جا رہا ہے۔

(۱۱) شیخ صاحب یہ محسوس کرتے ہیں انہیں فوری طور پر کافی حد تک اقتدار منتقل کیا جائے ورنہ نیشنل کانفرنس کی پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی۔ لیگ کا مقابلہ کرنا ریاست میں امن و عامہ قائم رکھنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ہند یونین کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ تصفیہ کیا جائے۔

(۱۲) نیشنل کانفرنس کا بدل صرف مسلم فرقہ پرست جماعت ہی ہو سکتی ہے اس لیے نیشنل کانفرنس زور دے رہی ہے اسے ریاست کے انتظامیہ کے متعلق اعتماد میں لیا جائے اور نظم و نسق کے اختیارات سونپے جائیں۔

(۱۳) اقلیتوں کے ترقی پسند طبقہ کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں۔

(۱۴) کشمیر نہایت خطرناک حالات سے دوچار ہے اور جب تک کانگریس مضبوط قدم اٹھا کر مہاراجہ کو نیشنل کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتی تب تک کشمیر کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مسلم لیگ کے لیڈروں یا پرائیویٹ ہتھیار بندوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے نہیں روک سکتی۔

(۱۵) شیخ صاحب کو آج آپ کا خط مل گیا اور کل تک اس کا جواب تیار کر لیا جائے گا۔

(۱۶) غالباً میں سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس آؤں گا اور شیخ صاحب کا خط ساتھ ہی لیتا آؤں گا یہ ایک خط طویل خط ہو گا جس میں نیشنل کانفرنس کے کیس پر پوری روشنی ڈالی جائے گی۔

(۱۷) شیخ صاحب کی زبردست خواہش تھی کہ وہ دہلی آ کر آپ سے مل سکیں مگر یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ ابھی مزید چند روز اس کا دہلی آنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے انہوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں واپس جا کر آپ کو اور سردار پٹیل کو سب حالات سے آگاہ کروں۔

(۱۸) مجھے تو یہ یقین ہے کہ ہم سب سے زیادہ بہتر آپ خود ان حالات کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے ہم خیال بن سکیں گے۔

(۱۹) میرا خیال ہے کہ آپ یہاں کے حالات کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔

آپ کا

دوارکا ناتھ

وادی کشمیر میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قبائلی حملہ آور کشمیر پر بزور طاقت قبضہ کرنے کی کوشش نہ کرتے اور پاکستانی حکمران قبائلی حملہ آوروں کو یہاں بھیج کر تباہی نہیں چاہتے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ شامل ہو گیا ہوتا نہیں تو یہ ایک آزاد مملکت ہوتا دراصل شیخ عبداللہ نے قبائلی حملے کی آڑ میں اپنی تقریروں کے ذریعے یہی تاثر دیا جسے لوگوں نے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا۔ حالانکہ حالات اور واقعات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شیخ عبداللہ ہمیشہ کی طرح جھوٹ اور غلط باتیں بتا کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے، قبائلی حملہ ۲۲ اکتوبر کو ہوا جبکہ دوارکا ناتھ کاچرو ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پنڈت نہرو کے نام خط میں ایک طرح سے اس سازش کو ننگا کر رہا ہے جو بھارتی لیڈروں کے ساتھ شیخ عبداللہ کشمیری عوام کے خلاف کر رہے تھے۔ کشمیری عوام کے ساتھ دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے کہا جا رہا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے لیکن پنڈت نہرو کو دوارکا ناتھ کاچرو کے ذریعے اطلاع پہنچائی جا رہی ہے کہ ہم نے ہند یونین کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ابھی ہم اس کا اظہار نہیں کر رہے ہیں شیخ عبداللہ نے قبائلی حملے کے بعد متعدد بار اس بات کا برملا اظہار کیا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کر سکتے ہیں لوگوں سے اس بارے میں رائے لی جائے گی جبکہ پنڈت نہرو کو انہوں نے مطلع کیا کہ ہند یونین کے ساتھ الحاق کا جو لا ابدی فیصلہ ہم کرنے والے ہیں اس کے لیے رائے عامہ منظم ہو سکے۔

پاکستان اور پاکستانی لیڈروں کے بارے میں قبائلی حملے سے بہت پہلے شیخ عبداللہ کی نیت خراب تھی اور وہ پاکستان اور پاکستانی لیڈروں کو کشمیری عوام کے سامنے دشمن کے روپ میں پیش کر رہے تھے ان کی اس خراب نیت کا واضح ثبوت بھی اس خط میں مل جاتا ہے جبکہ پنڈت نہرو کو کاچرو صاحب کے ذریعے کہلوایا جا رہا ہے کہ شیخ صاحب تقریروں کے ذریعہ

یہ تاثر دلا رہے ہیں۔ الحاق کا فیصلہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کشمیریوں کی مصیبت کے وقت اور اُن کی جدوجہد آزادی میں اگر کسی نے ساتھ دیا تو وہ گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور کانگریس ہی تھی، مسلمانوں نے یا مسلم لیگ اور جناح نے کبھی ہماری حمایت نہیں کی، یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ اور جناح لوگوں کی نظروں میں ایسے پیش کیے جائیں (انہیں لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے) کہ انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی تحریک کی مخالفت کی ہے۔

اپنے اسی خط میں دوارکا ناتھ کاچرو نے پنڈت نہرو کو شیخ عبداللہ کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ شیخ صاحب یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں فوری طور پر کافی حد تک اقتدار منتقل کیا جائے ورنہ نیشنل کانفرنس کی پوزیشن بہت خراب ہو جائیگی۔ لیگ کا مقابلہ کرنے اور ریاست میں امن عامہ قائم رکھنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ہند یونین کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ تصفیہ کیا جا سکے۔

اس سے شیخ عبداللہ کی اقتدار کی بھوک واضح ہو جاتی ہے۔

بھارتی لیڈروں کو مہاراجہ سے انہیں اقتدار دلانے کا واسطہ دیا جا رہا ہے تاکہ مسلم لیگ کا کچومر نکال دیا جائے۔

دوارکا ناتھ کاچرو کے اس خط سے وہ سازش یقیناً ننگی ہو جاتی ہے جو کشمیری عوام کے خلاف شیخ عبداللہ بھارتی رہنماؤں کے ساتھ مل کر کر رہے تھے۔

مہاتما گاندھی ۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو دہلی کے لیے روانہ ہو گئے تھے راستے میں رات گزارنے کے بعد وہ راولپنڈی پہنچ گئے تھے۔ یہاں بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق اُن سے ملے، مہاتما گاندھی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ایک خط لکھ کر بخشی صاحب کو دیا اور خود گاندھی جی راولپنڈی سے پٹنہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ بقول بخشی غلام محمد، صادق صاحب کے ساتھ مشورہ کر کے میں نے یہ خط کھول کر دیکھنا چاہا۔ ایسا مشورہ کر کے ہم دونوں کی ایسی حالت ہو گئی جیسے ہمارے پاس چوری سے حاصل کی گئی کوئی شے تھی جسے ہم چھپا کر رکھنا چاہتے تھے۔ اس خط کو کھولنے کی جگہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم تنہائی میں جانے کے بجائے راولپنڈی کے پیرس ریسٹورنٹ میں آ گئے اور جب کمال ہوشیاری سے خط کو کھولنے کے لیے گوند کا حصہ پانی سے تر کیا تو ہمیں ایسا لگا ریسٹورنٹ میں بیٹھے

لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ خط کو کھول کر ہم نے ٹھیک طریقے سے اسے بند کیا۔ لیکن پنڈت جی کو جب یہ پیش کیا گیا تو انہوں نے میرے سامنے اس کے کھولنے کے شک کا اظہار کیا۔ میرے چہرے پر سے ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ لیکن میں نے ایسا ٹال دیا گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اس خط میں مہاتما گاندھی نے جواہر لال نہرو کو مہاراجہ ہری سنگھ، رام چند کاک اور بیگم عبداللہ سے بات چیت کی تفصیل لکھ دی تھی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے ہیں بیگم عبداللہ نے مجھے یقین دلایا ہے ہم پنڈت جواہر لال نہرو سے برسوں کیے گئے وعدے پر کاربند ہیں۔ بیگم صاحب کا کہنا ہے ہم مسلمان ہیں اور مسلمان جو وعدہ کرتا ہے اُس پر کاربند بھی رہتا ہے۔ ہم پنڈت جی کی امداد کے بے حد ممنون ہیں۔

مہاراجہ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں اور ورکروں کو رہا کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے شیخ عبداللہ سمیت چار ممبران کو وزارتی کونسل میں لینے کی حامی بھر لی اور یہ کام مہاراجہ نے میرے ذمہ رکھا کہ میں اس کے لیے شیخ عبداللہ کو راضی کر لوں، مگر میری مصروفیت تو آپ جانتے ہیں اس لیے پنڈت جی یہ کام آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔"

اس خط کے بارے میں مکمل تفصیل بخشی غلام محمد نے اپنی ڈائری میں (جو تحریک حریت پران کی کتاب بھی ہے) لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے ـــــــ ۱۰ر مئی ۱۹۵۴ء کو جب شیخ عبداللہ جیل میں نظر بند تھے میں نے مہاتما گاندھی کا یہ خط پنڈت جواہر لال جی سے حاصل کرنے کیلئے جانکی ناتھ زتشی کو بھیجدیا تاکہ اخبار میں اس خط کی اشاعت سے شیخ محمد عبداللہ اور بیگم عبداللہ کی پوزیشن مضحکہ خیز بنا دی جائے جو ۱۹۴۷ء میں ایک طرف ہندوستان کے ساتھ الحاق کے وعدے پر کاربند تھے دوسری طرف "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کر کے لوگوں کو ڈوگرہ فوجوں کے ہاتھوں مروا رہے تھے اور تیسری طرف مہاراجہ ہری سنگھ کی وزارت میں شامل ہونے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے ـــــــ پنڈت جواہر لال نہرو نے میرا یہ مشورہ ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس طرح ہم پر بھی الزام لگ سکتا ہے کہ ہم نے برصغیر کی تقسیم سے قبل شیخ عبداللہ کو بھارت کے ساتھ الحاق کے لیے راضی کر لیا تھا۔ پنڈت جی کا نظریہ درست تھا۔ اس لیے میں نے اس قسم کے دوسرے خطوط

وغیرہ کی اشاعت کا خیال دل سے نکال دیا۔

بخشی غلام محمد کی یہ ڈائری کہاں اور کس کے پاس ہے؟ اس امانت کے ساتھ کس نے خیانت کی؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمیں ان کے وارثین سے لینا ہوگا۔

دارِ فانی سے کوچ کرنے سے چند ماہ قبل انہوں نے مجھ سے کہا تھا یہ میں نے پیر افضل مخدومی کو نظرِ ثانی کے لیے دی ہے۔ مخدومی نے اپنی ڈائری میں اس کا ذکر کیا ہے۔



بخشی غلام محمد

اچھا کیا یہ تیری وفاؤں نے ورنہ ہم
بھولے ہوئے تھے دیر سے دار و رسن کی بات

کشمیر اور پاکستان کا معاہدہ الحاق

"کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دینے سے پہلے جب شیخ محمد عبداللہ لاہور میں تھے تو یہاں مسلم لیگ کے صدر کے ساتھ میاں امیرالدین نے ان کی صلاح کرادی، میاں صاحب نے شیخ عبداللہ کو یہاں تک آمادہ کیا کہ برصغیر کی تقسیم کی صورت میں وہ ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کریں گے۔ بات چیت ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی کہ کرپس مشن کی وادی میں آمد پر شیخ عبداللہ کو لاہور سے سرینگر آنا پڑا۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ وزارت کے معاملے میں اختلاف کرکے "کوئٹ کشمیر" کا نعرہ دیا جس کی پاداش میں انہیں گرفتار ہونا پڑا۔ شیخ صاحب کی گرفتاری پر محمد علی جناح نے کراچی میں بیان دیا تھا۔

"اس وقت جبکہ کشمیر میں دو ناراض گروپ ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے اور آپس میں سمجھوتہ کر رہے تھے شیخ صاحب کی گرفتاری سے اس عمل میں رکاوٹ آگئی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کے اس بیان کو عام نوعیت کا بیان سمجھ کر نظرانداز کیا گیا۔ لیکن جو لوگ جانتے تھے شیخ صاحب اور محمد علی جناح کے درمیان اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی وہ شیخ صاحب کی گرفتاری سے سخت مایوس ہوگئے۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری بھارت اپنے نقطۂ نظر سے اور پاکستان اپنے نقطۂ نظر سے ڈوگرہ راج کی ملامت اور مذمت کر رہے تھے دراصل شیخ صاحب دونوں کو دھوکہ میں رکھ کر دونوں کے ساتھ معاہدہ الحاق کرنے کا یقین دلا رہا تھا۔

اکتوبر کے مہینے میں جامع مسجد سرینگر میں مسلم کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت چوہدری غلام عباس خان نے کی، اللہ رکھا ساغر، آغا شوکت علی اور مولوی نورالدین نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ممانیت کے باوجود تقریریں کیں، پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا ـــــــ قلیل مدت کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔

مولوی عتیق اللہ مولوی یوسف شاہ سے لڑ پڑے کہ آپ نے میرے بیٹے کو گرفتار کروایا۔ دونوں مولویوں کے درمیان یہ لڑائی جھگڑا یہاں تک بڑھ گیا کہ مولوی یوسف شاہ کو مسلم کانفرنس سے علیحدہ کیا گیا۔ چوہدری حمیداللہ نے مولوی نورالدین کو مسلم کانفرنس کا صدر نامزد کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنی رہائی پر جب مولوی یوسف شاہ کے شنٹ اُوٹ ہونے اور مولوی نورالدین کے صدر مسلم کانفرنس بننے کی خبر سنی تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے خواجہ محمد عمر بٹ کے ذریعے مولوی نورالدین کو مبارکبادی کا پیغام بھیجا، اس کے جواب میں مولوی نورالدین کی قیادت میں مسلم کانفرنس کا ایک وفد مولانا مبارکی، منشی غلام رسول خاں، سید غلام شاہ شیخ صاحب سے صورہ میں ملاقی ہوا۔

دوسرے روز سویرے مولوی نورالدین پھر شیخ صاحب سے ملے اور ان دونوں کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ تک بالکل خفیہ ملاقات ہوئی، اگلے روز مولوی نورالدین لاہور روانہ ہو گئے لاہور سے وہ نواب افتخار حسین ممدوٹ کے ساتھ واپس آ گئے۔ یہ دونوں حضرات سیدھے شیخ صاحب کے گھر گئے یہاں ان تینوں کے درمیان چند روز تک کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ کئی حلقے ان کی ملاقاتوں پر مختلف تاویلیں کر رہے تھے۔ بعض لوگ ان ملاقاتوں کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور کئی اصحاب اندر ہی اندر کھیر پکنے کی بشارت دے رہے تھے۔ البتہ جانکار حلقوں کو معلوم تھا یہ پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کی کڑی جوڑنے اور بات چیت کو آگے بڑھانے کی ملاقاتیں ہیں۔ جو بات چیت شیخ صاحب کی گرفتاری کے کارن ادھوری رہ گئی تھیں۔

نواب ممدوٹ کے واپس چلے جانے کے بعد محمد دین تاثیر یہاں آئے اور چوہدری حمیداللہ کے ہمراہ شیخ صاحب سے ملے۔ اگلے روز یہ دونوں شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کا خلاصہ لے کر لاہور چلے گئے۔ لاہور میں یہ دونوں میاں امیرالدین کے

ہاں ٹھہرے۔

میاں امیرالدین جن کے بندگ و محال ہانجی پورہ کولگام کے رہنے والے تھے لاہور میں بس گئے تھے۔ میاں صاحب ایک اعلیٰ پایہ کی شخصیت کے مالک تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کو قریب لانے میں ایک اہم رول ادا کر چکے ہیں۔ ان کی داستان حیات " یاد ایام"، کشمیر کی تحریک حریت کے تاریک گوشوں پر خاصی روشنی ڈالتی ہے۔

میاں امیرالدین اور بریگیڈیر حبیب الرحمان پاکستانی وفد کی طرف سے یہاں آ گئے اور شیخ عبداللہ کے ساتھ بات چیت میں شامل ہو گئے۔

بات چیت کے نتائج سے جب دونوں طرف کے رہنما مطمئن ہو گئے تو پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کے معاہدے پر کاروائی شروع ہو گئی۔

پاکستان کی طرف سے مولوی نورالدین، چوہدری حمیداللہ، میاں امیرالدین اور بریگیڈیر حبیب الرحمٰن کی کوششوں سے ایک معاہدہ مکمل ہو گیا۔ معاہدہ کا یہ مسودہ لاہور سے سرینگر اور سرینگر سے لاہور جا کر ایک ہفتہ تک کانٹ چھانٹ ترمیم و تبدیلی کے مراحل سے گزر کر آخرکار دونوں فریق راضی ہو گئے۔

شیخ عبداللہ سے لاہور آنے کی تاریخ مانگی گئی۔ متفقہ طور پر تاریخ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۷ء مقرر ہوئی، لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کو ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دن کے ایک بجے پاکستان کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کے مسودہ پر دستخط کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں، پاکستانی ارکان میں اس مجلس میں شامل ہونے کے لیے قائداعظم کے ساتھ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور چوہدری محمد علی مقرر ہوئے۔ خان عبدالقیوم خاں کو استقبالیہ کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔



شیخ محمد عبداللہ   عبدالقیوم خاں

شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ یہاں سے مولوی نورالدین، چوہدری حمیداللہ خاں، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام احمد عشائی جا رہے تھے۔ (بخشی صاحب کی ڈائری کے مطابق مرزا محمد افضل بیگ بھی جا رہے تھے۔)

پاکستان کے ساتھ معاہدہ الحاق کی

شرائط حسب ذیل تھیں۔

(۱) پاکستان اور ریاست جموں وکشمیر کے درمیان پہلے مرحلے پر دو سال کا معاہدہ ہوگا۔
(۲) ریاست داخلی طور پر اپنے معاملات میں آزاد ہوگی۔
(۳) شیخ محمد عبداللہ خود اپنی کابینہ بنائیں گے۔
(۴) ریاست میں کوئی غیر کشمیری زمین وغیرہ خریدنے کا مجاز نہیں ہوگا۔
(۵) دو سال کے عرصے میں اگر کشمیری پاکستان سے مطمئن ہوئے تو مکمل الحاق عمل میں آئے گا۔
(۶) اگر اس عرصے میں پاکستان نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تو ریاست کو پاکستان سے علیحدہ رہنے کا اختیار حاصل ہوگا۔"

اس معاہدے کو اگرچہ دونوں طرف خفیہ رکھا گیا تھا اور لاہور میں شیخ عبداللہ کی آمد کا بڑی بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا کہ کسی طرح معاہدہ کا راز لیک ہوگیا۔ اس کا الزام اگرچہ بخشی غلام پر لگا لیکن انہوں نے اپنی ڈائری میں اس کی تردید کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے یہ راز اصل میں پاکستان میں ہی لیک ہوگیا جہاں کی مسلم لیگ میں ایک خاص لابی کانگریس کے لیے مخبری کر رہی تھی۔

چنانچہ کانگریس کو جب اس خفیہ زیر تکمیل معاہدے کے بارے میں معلومات فراہم ہوگئیں تو ان کی پاؤں تلے زمین نکل گئی انہیں سخت صدمہ ہوا اور شیخ عبداللہ کی بے وفائی کا انہیں بہت دکھ ہوا۔ کیونکہ اس طرح اُن کے اب تک کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر گیا تھا۔ کانگریسی لیڈر آپس میں مشورہ کرکے اس معاہدے پر عمل درآمد روکنے کے لیے ضروری کارروائی کرنے لگے، کافی سوچ بچار کے بعد دیوان چمن لال کو سرینگر روانہ کیا گیا اور اُن کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ تک یہ بات پہنچا دی کہ . . . . .

"ہم نے سُنا ہے آپ پاکستان جا رہے ہیں جہاں آپ کو گرفتار کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمیں معتبر ذرائع سے اس کی اطلاع مل چکی ہے چونکہ اطلاع مصدقہ ہے اس لیے آپ کو خبردار کیا جا رہا ہے۔"

یہ سن کر گویا شیخ صاحب کے اوپر آسمان ٹوٹ پڑا۔ انہیں زبردست دھچکا لگا۔ دیوان چمن لال کی بات کا اعتبار کرکے انہوں نے پاکستان نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پاکستانی لیڈروں کی

اس نیت اور اس حرکت سے شیخ صاحب کے دل میں محبت ایک دم نفرت میں بدل گئی۔

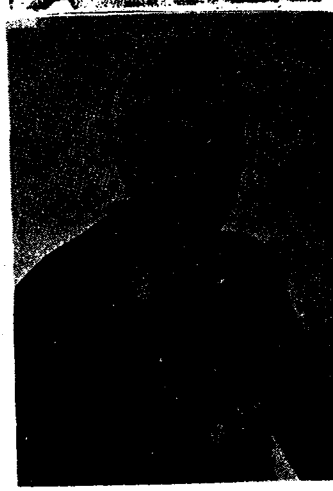
میاں امیر الدین نے اپنی کتاب "یاد ایام" میں معاہدہ کی عمل آوری میں رکاوٹ کی ذمہ داری پاکستانی لیڈروں پر عائد کی ہے۔ لیکن انہیں شاید معلوم نہ تھا کہ شیخ عبداللہ کو پاکستان جانے سے روکنے میں کانگریس نے کونسا رول ادا کیا۔ دیوان چمن لال شیخ عبداللہ کے خیالات اور نظریات بدلنے میں کامیاب ہوگئے تو دونوں بات چیت کرنے چشمہ شاہی گئے۔

ان دونوں کے پورے دن تک چشمہ شاہی کے گیسٹ ہاؤس میں رہنے کا چرچا ہوا تو مسلم لیگ نے شیخ عبداللہ پر کانگریس کے ساتھ ساز باز کا الزام لگایا۔

محمد دین تاثیر کی بیوی بلقیس تاثیر نے کشمیر کے ایک صحافی اور تاریخ نویس رشید تاثیر کو بتایا ہے۔ شیخ صاحب حسب وعدہ لاہور گئے تھے اور وہاں انہوں نے تین دنوں تک قیام کیا اور محمد علی جناح نے وہاں شیخ صاحب کو اس بات کا اشتعال دلایا کہ کشمیر ایک بلینک چیک ہے جو میری جیب میں ہے یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ جیل سے رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ پاکستان گئے ہی نہیں۔ بقول بخشی غلام محمد جب بھارتی لیڈروں نے ان کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ پاکستان میں آپ کی گرفتاری کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو انہیں پاکستان کے نام سے نفرت ہوگئی وہاں اُن کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پاکستان کی نفرت دل میں جاگزیں کرکے شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ چنانچہ اپنی بیگم کے ہمراہ جب انہوں نے مہاراجہ بہادر سے ملاقات کی اور پھر حضوری باغ کے پبلک جلسے میں کانگریس کی حمایت کرکے مسلم لیگ پر تابڑ توڑ حملے کیے تو شیخ صاحب کی زبانی دوسری بولی سن کر وہ ششدر ہوگئے اور انہیں یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ شیخ محمد عبداللہ کانگریس کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دوسری اور کوئی کارروائی کرنی چاہیے، پاکستانی رہنما شیخ محمد عبداللہ کا انتظار کر رہے تھے کہ یہاں آکر معاہدہ پر دستخط کریں گے لیکن اپنی تقریروں میں انہوں نے مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف جو کچھ بھی کہا اس سے معاہدہ یک طرفہ طور پر منسوخ ہوگیا۔





اوپر :۔ مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔
نیچے :۔ شیخ محمد عبداللہ انہوں نے ریاست کو غلام بنا دیا۔

یہ مانا تم وفا پیشہ ہو تم ہو خلق کے پیکر
مگر ہیں کس لیے خنجر تمہاری آستینوں میں

مہاراجہ ہری سنگھ کی آزادی
شیخ محمد عبداللہ کی غلامی

برصغیر تقسیم ہو کر ہندوستان اور پاکستان دو علیحدہ علیحدہ مملکت بن چکے تھے۔ جب شیخ عبداللہ معافی نامہ دے کر باہر آئے تو وہ اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر مستقبل کے بارے میں غور و خوض کرنے لگے۔ اسی دوران ٹھاکر بخت چند نے شیخ صاحب کو مہاراجہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا مشورہ دیا۔ شیخ صاحب نے یہ مشورہ قبول کر کے مہاراجہ بہادر سے ملنے کا وقت مانگا۔ جب انہیں وقت اور مقام کے بارے میں بتایا گیا تو شیخ صاحب دو دن تک خواجہ غلام احمد قرہ کے ہاں قد آدم آئینے کے سامنے مہاراجہ کی خدمت میں کورنش بجالانے کی پریکٹس کرتے رہے۔ خواجہ غلام محمد صادق نے انہیں بار بار آئینے کے سامنے سر خم کر کے تعظیم بجالانے کی ریہرسل کرتے دیکھا تو سخت برا منایا اور ان سے شکایت کر بیٹھا۔

"یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں آپ کے مرتبے کے شایان شان ہرگز نہیں ہے"

بہرحال شیخ عبداللہ اپنی بیگم کے ہمراہ مہاراجہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنی طرف سے مہاراجہ کو پیلے رنگ کے مخمل میں لپٹا مجمہ (ایک بڑی تھالی) پیش کی اس میں قسم قسم کی مٹھائیاں، کئی قیمتی شال اخروٹ کی لکڑی اور پیپر ماشی کے چند بہترین نمونے بھی تھے۔ اس کے علاوہ کئی اشرفیاں بھی انہوں نے مہاراجہ کی نذر کر دیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے درمیان ملاقات دیر تک جاری رہی شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ کے اس خیال "کشمیر کو آزاد اور خود مختار رہنا چاہیئے" کے ساتھ

اختلاف کیا، انہوں نے اس موقع پر جبکہ شورش زوروں پر تھی کوئی فیصلہ لینے کو جلد بازی سے تعبیر کیا۔

شیخ صاحب نے مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے مسلم کانفرنس کے لیڈروں کی سخت نکتہ چینی کی جو مہاراجہ پر زور ڈال رہے تھے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا جائے کیونکہ کانگریس لیڈروں نے اُن کے ذہن میں یہ بات بٹھادی تھی کہ پاکستان میں اُن گرفتاری کی تیاریاں ہورہی ہیں۔

مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو وزارت میں آنے کی آفر دہرائی تو انہوں نے اس مسئلہ کو فی الحال ملتوی رکھنے کو کہا کیونکہ ایک تو برصغیر میں ساری سیاسی صورت حال تبدیل ہوچکی تھی دوسرا مسلم کانفرنس نے ان کے خلاف الزامات کا ایک محاذ کھول دیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے درمیان یہ ملاقات جو ٹھاکر بخت چند اور ڈاکٹر چوپڑہ نے کرائی تھی۔ مہاراجہ کا خیال تھا شیخ صاحب مجھ پر مسلم اکثریت کے ناطے پاکستان کے ساتھ الحاق کرانے یا اس ریاست کو آزاد رکھنے پر زور دیں گے تو میں اسے قبول کرکے ایک طرح سے ان کے ساتھ دوستی کا آغاز کروں گا اور انہیں کیبنٹ میں شامل ہونے کے لیے راضی کرلوں گا۔ مگر یہاں اس کے برعکس ہوتے دیکھ کر مہاراجہ کو سخت حیرانی ہوئی، البتہ انہوں نے اس بارے میں اپنا فیصلہ محفوظ رکھا اور شیخ عبداللہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کرنے کی مہلت دیدی۔

اس ملاقات کے بارے میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنے اخبار "ہمدرد" میں ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا "کشمیر چھوڑ دو تحریک کا شاندار آغاز اور بدترین انجام چشم بینا کے لیے عبرتناک ہے"

"شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ دے کر ملک کے اندر اور باہر ایک انقلاب بپا کر دیا۔ انہوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کو کشمیر سے چلے جانے کو کہا۔ یہ تحریک کا ایک ایسا موڑ تھا جہاں پر شیخ عبداللہ ہر نگاہ کا تارا بن گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ غیر مسلموں نے اس نعرے پر ان کا ساتھ نہیں دیا مگر تحریک کا یہ نکتہ عروج تھا۔

کاش! شیخ عبداللہ "کشمیر چھوڑ دو تحریک میں"، چونکہ وہ اس نعرے کی آڑ میں مہاراجہ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ نعرہ اسی چاہت کی نذر ہوگیا۔ سب سے

افسوس ناک پہلو اس کا یہ ہے کہ مہاراجہ اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتا ہے۔ اور ایسا اس ملک کے بارے میں ہم بھی چاہتے ہیں۔ مگر کشمیری عوام کا لیڈر جو اس نظریئے کی مخالفت کر رہا ہے۔ ایسی بات ہے جس پر حیرت اور تعجب اس لیے نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی نیت ابتدا سے ہی صاف نہیں رہی"

بقول رام چندر کاک (رام چند کاک کی کتاب "فریڈم سٹرگل ان کشمیر" کا مسودہ جو اُن کی انگریز نژاد بیوی مارگریٹ کاک کے پاس ہے اور جسے چھاپنے کے لیے وہ لندن لے گئی ہے برسوں گزرنے کے باوجود یہ کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے) مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو آزاد اور خود مختار ڈکلیئر کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اور اس اسکیم پر انہوں نے مہر چند مہاجن کے ساتھ مجھے بھی لگایا تھا۔ ہندوستانی رہنما اس اسکیم کو رکواتے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور اس کے لیے یہ شیخ عبداللہ کو بطور حربہ استعمال میں لا رہے تھے۔ چنانچہ رہنمایان کشمیر اور نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور اس اسکیم کو کسی بھی طرح پروان چڑھنے نہیں دیا۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا انہیں صرف اپنے مفادات عزیز ہیں اور بس ــــــ، اپنے مفادات کے حصول کے لیے اگر کشمیری قوم ہندوستان کی غلام بھی بن جاتی ہے تو ان کی بلا سے ــــــ، عام لوگ سمجھ رہے تھے ان کا شیر کشمیر عوام کی آزادی کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں سے لڑ رہا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اُن کی غلامی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کی غلامی سے نکال کر مہاراجہ جواہر لال نہرو کی غلامی میں رکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور میں اس ملک کے مستقبل سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کرکے یہ جنگ و جدل اور دشمنی کی آماجگاہ نہ بنے مگر شیخ عبداللہ مستقبل سے لاپرواہ ہوکر صرف اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ کر رہے تھے ان کے پیچھے لوگ تھے اور لوگوں کے بل بوتے پر وہ تحریک پر حاوی رہے یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے تحریک حریت کے ساتھ جو کچھ کیا ایسا ایک بدترین دشمن بھی نہیں کرسکتا کشمیری عوام کے اعتماد کے ساتھ انہوں نے جو کھلواڑ کیا ایسی مثال کہیں ملنی مشکل ہے۔"

یاد رہے ۱۹۴۸ء میں شیخ محمد عبداللہ نے رام چند کاک کو مسلم لیگ اور پاکستان کا ساتھ دینے کے جرم میں گرفتار کروایا انہیں گھاس کی رسی میں بندھوا کر سڑک سڑک گھمایا، نیشنل

کانفرنسیوں سے ان پر تھوکوایا گیا انہیں ذلیل و رسوا کر کے اُن پر مقدمہ چلایا اور انہیں دو سال کی سزا دلائی گئی۔

رام چند کاک کی گرفتاری پر ایک دانشور نے کیا خوب کہا۔

"ایک مسلمان لیڈر نے ایک ہندو حاکم کو مسلمانوں کا ساتھ دینے پر سزا کا مستحق ٹھہرایا۔" (KASHMIR PAPERS.P.56)

رام چند کاک پہلا کشمیری تھا جو ڈوگرہ راج میں وزیر اعظم کے عہدے پر تعینات ہوا۔ انہوں نے انسپکٹر جنرل کسٹم سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا، ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو رام چند کاک چیف سیکرٹری بن گئے۔ اس موقع پر نیشنل کانفرنس نے بحیثیت جماعت ان کے تقرر پر خیر مقدم کیا اور انہیں مبارک باد دی، چیف سیکرٹری سے انہیں ترقی دے کر وزیر بے قلمدان بنایا گیا۔ کشمیر اور کشمیریوں کے بارے میں اُن کے پاس مستقبل کا ایک شاندار نقش تھا۔ جو کشمیر اور کشمیریوں کے ہر دل عزیز رہنما نے مٹا کر ہی دم لیا۔


مسٹر رام چند کاک

مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنی تقریروں میں جہاں کانگریس کی بے حد تعریفیں کیں وہاں مسلم لیگ کی زبردست نکتہ چینی کی گئی اپنی ایک تقریر میں انہوں نے فرمایا۔

"میری غیر حاضری میں برصغیر تقسیم ہو گیا اور پاکستان وجود میں آگیا۔ اگرچہ پہلے یہ ایک خواب دکھائی دیتا تھا لیکن یہ خواب آج ہمارے سامنے تعبیر کے روپ میں ہے۔ انگریزوں نے برصغیر کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے کہ مسلم ریاستیں

پاکستان میں شامل کرنے کی گنجائش رکھی ہے، اگرچہ حیدر آباد، جوناگڑھ اور کشمیر کو اپنا فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہے لیکن ہمیں جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اس پر کافی سوچ بچار کرنا پڑے گا۔ پاکستان ابھی تو نمائدہ ہے اور اس کے پاس ایسے وسائل نہیں جہاں ہم پنپ سکیں، نظریاتی طور پر ہمیں مسلم لیگ کے ساتھ کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔ مسلم لیگ کے نظریئے کے ساتھ ہمارا نظریہ میل نہیں کھاتا، کانگریس نے ہماری تحریک میں کافی مدد کی ہے ہماری امیدیں کانگریس کے ساتھ وابستہ ہیں میں مہاراجہ بہادر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کریں۔ (یعنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان نہ کریں۔)

شیخ عبداللہ کی تقریر کا لب و لہجہ دیکھ کر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس، کشمیر سوشلسٹ پارٹی اور جموں و کشمیر کسان مزدور کانفرنس نے سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے مہاراجہ سے مانگ کی کہ اگر انہیں عوامی رجحانات کے بارے میں کوئی شک و شبہہ ہے تو وہ بالغ رائے دہندگی کے اصول کی بنیاد پر کشمیر میں ریفرینڈم کرالے۔ ان تینوں پارٹیوں کے سربراہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ سے مخاطب ہو کر اس قسم کے بیانات محض غلط فہمی کی بنیاد پر دیئے، کیونکہ یہ پارٹیاں سمجھ رہی تھیں شیخ عبداللہ کی زبان سے شاید یہ سب کچھ مہاراجہ ہری سنگھ بول رہے ہیں کیونکہ مہاراجہ بہادر سے حالیہ ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ کا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔

شیخ عبداللہ جہاں کھلے بندوں کانگریس کی حمایت کر رہے تھے وہاں مسلم لیگ کو خوب آڑے ہاتھوں لے رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی حمایت میں جلسے جلوس نکال رہے تھے۔ مسلم کانفرنس پاکستان کے حق میں مظاہرے کر رہے تھے۔ اس شور و شر سے حکومت عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی مہاراجہ نے وزیر اعظم کے ذریعے، مسلم کانفرنس، کشمیر سوشلسٹ پارٹی اور جموں و کشمیر کسان مزدور کانفرنس کے ایک ایک نمائندے کو دفتر پر بلوا کر انہیں مہاراجہ بہادر کے خیالات سے آگاہ کرایا اور ان تک یہ بات پہنچا دی کہ مہاراجہ بہادر کے ساتھ ملاقات کے دوران خود شیخ صاحب نے پاکستان کے ساتھ الحاق نہ کرنے اور خود مختاری کے خیال کو ملتوی رکھنے کا مشورہ دیا حالانکہ مشورہ مہاراجہ بہادر نے ابھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمیں ہدایت دی ہے کہ جوں اور توں معاہدہ

کے تحت فی الحال ڈاک، تار اور مواصلات کے محکمے پاکستان کی تحویل میں دئے جائیں۔ جس پر عمل کیا گیا ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ جو اس وقت تک براہ راست وائسرائے ہند کی نگرانی میں تھے حکومت پاکستان و ہندوستان کے سربراہوں کو اپنی حکومت کے اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ ریاست جموں و کشمیر کی حکومت ان تمام مسلوں پر دو ممالک کی حکومتوں سے اسٹینڈ اسٹیل یعنی جوں کا توں معاملہ کرنا چاہتی ہے۔ جن پر ہندوستان سے جانے والی انگریز حکومت سے معاہدہ ہے۔

ڈوگرہ حکومت نے موجودہ حالات کو برقرار رکھنے اور نئے معاہدوں کے وجود میں آنے تک موجودہ انتظامات برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سلسلے میں جموں و کشمیر کے وزیر اعظم کی طرف سے پاکستان کو ایک برقیہ کے ذریعے مطلع کیا۔

"ریاست جموں و کشمیر، حکومت پاکستان کے ساتھ ان سبھی امورات کے بارے میں جوں کا توں معاہدے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت ریاست اور برطانوی ہند کے درمیان نافذ العمل ہیں۔ ہماری تجویز ہے کہ نئے معاہدوں کی تشکیل اور تفصیلات کے طے ہونے تک موجودہ معاہدات برقرار رکھے جائیں گے۔"

پاکستان نے ۱۵ اگست کو وزیر اعظم جموں و کشمیر کو اپنے جوابی تار کے ذریعے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور تفصیلات طے ہونے اور نئے معاہدے تشکیل پانے تک موجود انتظامات کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت جموں و کشمیر کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کرنے کی رضامندی دے دی۔

پاکستان نے ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو اس معاہدے پر دستخط کر دیئے لیکن بھارت نے اس معاہدہ کو نامنظور کر دیا تھا کیوں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

شیخ عبداللہ کی مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف مہم چلانے پر مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر چوہدری حمید اللہ خاں نے شیخ عبداللہ پر الزام لگایا کہ

"..... شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کی تحریک کو کانگریس کے ہاتھوں تین لاکھ

روپے میں بیچ دیا ہے۔ کانگریس نے یہ تین لاکھ روپے دینے کا انہیں وعدہ کیا ہے لیکن میں شیخ صاحب کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ اس جھانسے میں نہ آئے کیونکہ کانگریس نے ایسا ہی وعدہ خان غفار خان کے ساتھ بھی کیا تھا جس طرح افغانوں کے پاکستان میں جانے کے بعد غفار خاں کو کچھ نہیں ملا اسی طرح ان کو بھی نہیں ملے گا ایک وقت آئے گا جب انہیں اس سودے بازی کا افسوس ہوگا۔ میرا ان سے یہی مشورہ ہے وہ اس حرکت سے باز آئیں۔"

اس موقع پر عبدالسلام دلال اور عبدالغنی رینیٹھو نے شیخ عبداللہ پر تحریک کے ساتھ غداری کرنے کا الزام لگایا۔ اجلاس کے فوراً بعد چوہدری حمید اللہ خاں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک چھٹی لکھ کر بھیجدی جس میں ان سے کشمیر کی خود مختاری کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ خود مختاری کے اعلان کے ساتھ ان سے قانون ساز ادارہ بنانے کی بھی تاکید کی گئی۔

شیخ عبداللہ کی کانگریس نوازی کے چرچے ہونے لگے تو مسلم کانفرنس کے بعض عہدیداروں نے فیصلہ کر لیا کہ شیخ عبداللہ سے ذاتی طور پر مل کر انہیں اس حرکت سے باز رکھا جائے چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی میں کرنل عدالت خان، مولوی عبدالرحیم، مولوی نورالدین، نور محمد، محمد مقبول حکاک، شیخ عبدالصمد، مفتی جلال الدین، پیر حسام الدین گیلانی، نصراللہ خاں، غلام حسن انقلابی، شیخ غلام محمد زندہ دل، غلام محمد زرگر، مقبول شاہ، سیف الدین، غلام رسول ریشی، حکیم قاسم علی، غلام حسن مخدومی، علی محمد ...انی، احمد علی خطائی، حکیم غلام قادر اور دوسرے شامل تھے۔

میٹنگ میں شامل افراد کے لیے دائرہ وان کا انتظام غلام محمد حکین نے کیا۔ میٹنگ کے لیے خفیہ طور پر گاڑہ پاچی پورہ میں علی محمد بٹ کا مکان منتخب کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ اگرچہ یہاں اکیلے آنے کو کہا گیا تھا لیکن وہ اپنے ساتھ بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق اور غلام قادر گاندربلی کے ہمراہ آگئے۔ رات بھر بحث و مباحثہ کے بعد شیخ صاحب پاکستان کے ساتھ الحاق پر راضی نہیں ہوئے انہوں نے یہیں پر انکشاف کیا کہ میں اب تحریک سے دستبردار ہو کر مہاراجہ کی وزارت میں رام لال بترہ کی جگہ ہی وزیر اعظم کا عہدہ قبول کروں گا اور ساری فوج کو مہاراجہ بہادر کی تحویل میں

رکھنے کا فیصلہ قبول کروں گا۔

بقول خواجہ غلام محمد صادق جس کی تصدیق غلام محمد چکن کر چکے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ کے ساتھ وزارت میں شامل ہونے کی ایک مدت کی رازداری طشت ازبام کر دی اور مہاراجہ کے ساتھ وزارت سازی میں فوج کو اُن کی ہی تحویل میں رکھنے کا تنازعہ یہ کہہ کر حل کر دیا کہ اسے مہاراجہ بہادر کی تحویل میں رکھنے کا فیصلہ قبول کروں گا۔

شیخ صاحب کی زبانی مہاراجہ کا ڈپٹی وزیر اعظم بننے اور تحریک سے دستبردار ہونے کی خبر سن کر سب لوگ ہکا بکا رہ گئے البتہ خواجہ غلام محمد صادق نے یکایک ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"شیخ صاحب ——— ! کیا یہ سب کچھ اسی اقتدار کے لیے ہو رہا تھا کیا اس تحریک کا مدعا و مقصد بس یہی ایک اقتدار تھا۔"

شیخ عبداللہ کی زبانی اس قسم کا انکشاف ہونے کے بعد اس پر کئی دنوں تک تبصرے ہوئے بعض مبصرین کا کہنا تھا اگر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قبائلی وارد کشمیر ہونے کی وجہ سے مہاراجہ کو یہاں سے بھاگنا نہ پڑتا تو اقتدار کا اتاؤلا شیخ محمد عبداللہ پنڈت نہرو کے ساتھ کیا گیا عہد و پیماں کیسے پورا کرتے جبکہ مہاراجہ کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو" کا سپہ سالار ڈپٹی وزیر اعظم بننے کی تیاری کر رہا تھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ ساری دنیا سمجھ رہی تھی۔ شیخ عبداللہ شخصی حکومت کے ساتھ لڑ کر ریاست کو آزادی دلانے کی جدوجہد میں برسرپیکار ہیں۔ لیکن خود شیخ صاحب قوم کو آزادی دلانے کے بجائے خود کو اقتدار دلانے کے لیے مہاراجہ بہادر کے ساتھ سودا طے کر رہے تھے۔

اس طرح شیخ عبداللہ کانگریس کو بھی دھوکہ دے رہا تھا جس کا وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو گواہ بنا کر بھارت کے ساتھ الحاق پر کاربند تھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نہ صرف اس راز سے واقف تھا بلکہ وہ اس سازش میں برابر کا شریک بھی تھا۔

برصغیر کی تقسیم سے متعلق دستاویز یعنی "انتقال اقتدار" کی بارہویں جلد میں درج ہے۔

"مہاراجہ ہری سنگھ پنڈت نہرو سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس نفرت کی پاداش میں مہاراجہ بھارت کے بجائے ریاست کا الحاق پاکستان سے

کرنا چاہتے تھے ...."

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یکم اگست ۱۹۴۷ء کی اپنی رپورٹ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ الحاق کے بارے میں صرف پاکستان کے حق میں تھے نہیں تو وہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتے تھے۔ سردار پٹیل، مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو نے ایک سازش تیار کی تاکہ مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق کرنے سے باز رکھا جائے اسی سازش کے نتیجے میں یکم اگست کو مہاتما گاندھی کشمیر روانہ کیے گئے۔ مہاتما گاندھی کو کشمیر روانہ کرنے اور مہاراجہ ہری سنگھ کو منانے میں میرا بھی ہاتھ تھا

کانگریسی لیڈروں کے دباؤ، خوشامد، چاپلوسی اور دوسرے تمام حربوں کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ ہندوستان کے ساتھ ریاست کا الحاق کرنے کے لیے راضی نہیں ہو سکے انہوں نے اپنے ڈپٹی وزیر اعظم رام لال بترہ کو لاہور اور دہلی روانہ کیا تاکہ ہندوستان اور پاکستان کے حکمران ریاست کو آزاد ڈکلیئر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

لاہور اور دہلی کے اپنے مشن کے بارے میں رام لال بترہ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء پریس کانفرنس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ہم ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ باوجود لگاتار دباؤ کے ہمارا ارادہ نہ تو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے اور نہ پاکستان کے ساتھ، مہاراجہ ہری سنگھ اور اُن کی کابینہ نے فیصلہ لیا ہے کہ ہم اپنے ملک کو آزاد اور خود مختار رکھیں۔ جموں و کشمیر مشرق کا سویزرلینڈ بنایا جائے گا جو بالکل ناطرفدار ملک ہے چونکہ کشمیر کی آمدنی کا ذریعہ سیاحت پر منحصر ہے اس لیے ہمارا خیال ہے جس ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ہوں وہاں سیاح نہیں آ سکتے۔ ہمارے ملک کی سرحدیں چھ ممالک سے ملتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے ساتھ رہنا ہے کوئی ہمارے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرے اور جب تک پنجاب میں امن قائم نہ ہو جائے تب تک اس مسئلہ کا تصفیہ نہ کیا جائے۔"

رام لال بترہ ڈپٹی وزیر اعظم کے اس پریس بیان نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کو شش و پنج میں ڈال دیا۔ پاکستانی حکمرانوں نے مہاراجہ کے اس نظریئے کی مخالفت کی، کانگریسی لیڈروں کی تو اس بیان سے نیند حرام ہو گئی۔ انہیں مہاراجہ ہری سنگھ کی

اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور وہ فوری طور پر اس کا تدارک کرنے کی حکمت عمل کرنے لگے۔

کافی غور و خوض کے بعد کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس میں ریاست کو بزور طاقت حاصل کرنے اور مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

اس بات کی تصدیق پریم ناتھ بزاز کے اس انٹرویو سے ملتی ہے جو انہوں نے ایڈیٹر، "سرینگر ٹائمز"، صوفی غلام محمد کو دیا جو ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء کے اخبار میں موجود ہے۔



پریم ناتھ بزاز

"پاکستان نے کشمیر پر قبائلی حملہ اس لیے کرایا کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا ہندوستان کشمیر پر قبضہ کرنے والا ہے۔ پاکستان نے بہ حالت مجبوری اپنے قبائلی کشمیر میں داخل کرائے ——— ۱۹۴۷ء سے اب تک بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اگر قبائلی کشمیر پر حملہ نہ کرتے تو ہندوستان کوئی مداخلت نہیں کرتا جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔"

اس انٹرویو کے منظر عام پر آنے کے بعد جب میں اُن سے ذاتی طور پر ملا تو انہوں نے یہ بتانے میں کوئی تامل نہیں کیا کہ ——"قبائلی حملہ سے قبل میں پورے ۱۴ دنوں تک دہلی میں مقیم تھا۔ پنڈت نہرو کے ہاں میرا آنا جانا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو مجھے اپنے گھر کا ایک فرد مانتے تھے۔ قبائلی حملے سے قبل کشمیر پر بھارت کی طرف سے حملے کی تیاری میں نے خود دیکھ لی' مہاراجہ ہری سنگھ کو پکڑ کر دہلی لانے کا بھی پروگرام بن رہا تھا۔ قبائلیوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی اچانک بھارتیوں کا پروگرام بدل گیا۔ اب انہوں نے کشمیر کو بزور طاقت ہڑپنے کے بجائے مہاراجہ کو خوفزدہ کرکے وہاں سے بھگانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ شیخ عبداللہ کو سامنے لایا جا سکے ———"

صاف ظاہر ہے مہاراجہ ریاست کی آزادی چاہتا تھا جبکہ شیخ عبداللہ اس ریاست کی غلامی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اعتراف کر لیا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتا تھا وہ دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتا تھا اس فیصلے کے اعلان میں وہ محض اس لیے پس و پیش کر رہا تھا کہ کہیں اس فیصلے کی آڑ میں کوئی ملک اس پر حملہ نہ کرے وہ آزادی اور خود مختاری کے اعلان سے قبل اپنے ملک کے تحفظ کی گارنٹی چاہتا تھا۔ جبکہ ہندوستان اور پاکستان اس کو نگلنا چاہتا تھا۔ مہاراجہ کا خیال تھا ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات میں کشمیر کی ترقی مضمر ہے۔ خود میری بھی یہی چاہت تھی کہ یہ ملک آزاد اور خود مختار بن کر ایک مثالی ملک بن جائے مگر قبائلیوں کی آمد کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کا خواب چکنا چور کر دیا۔



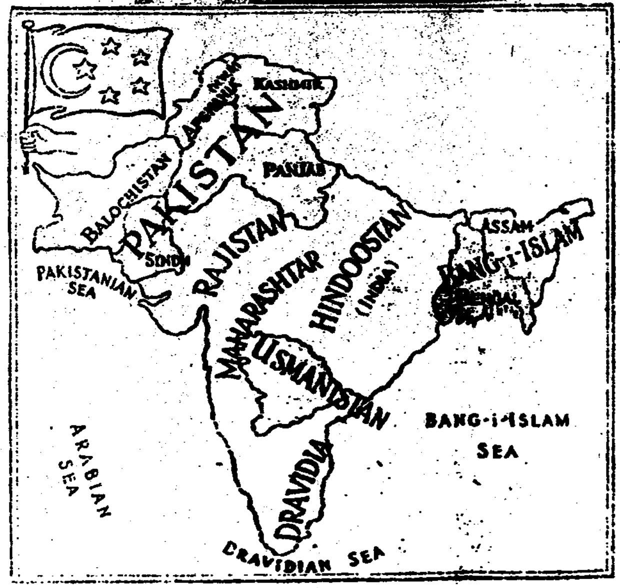
برصغیر کی تقسیم سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ کی مشترکہ کابینہ ۱۹۴۲ء خان لیاقت علی خان اور پنڈت جواہر لال نہرو و منسٹر میں



India's Last Viceroy and Vicereine

Lord and Lady Mountbatten arrived in Delhi on March 22, 1947 to preside over the coming Independence of India. After long and difficult negotiations with Mahatma Gandhi





چوہدری رحمت علی اور اُن کے تصور کا پاکستان

اور بجھ جائیں گی شمعیں جو ہوا تیز چلی
لا کے رکھدو سرِ محفل کوئی خورشید اب کے

برصغیر کی تقسیم، پاکستان کا وجود اور مسئلہ کشمیر کا جنم

برصغیر کو تقسیم کر کے آزادی دلانے اور ہندو مسلم کی اکثریت والی ریاستوں اور صوبوں کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کے لیے وائسرائے ہند جنرل ویول جب طرفداری سے کام لینے لگے تو قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی طرفداری پر سخت اعتراض کیا اور دو ٹوک الفاظ میں سرکار انگلشیہ سے کہہ دیا اس طرح تقسیم ملک کی کارروائی میں ہم ساتھ نہیں دے سکیں گے۔

سرکار انگلشیہ نے اس موقع پر تنازعہ مختصر کرنے کے لیے وائسرائے لارڈ ویول کی واپسی کے آرڈر جاری کیے اور اُن کی جگہ برطانیہ کے بحری بیڑے کے کمانڈر انچیف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا اور اُسے ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ تقسیم سے متعلق بات چیت کے مشن پر روانہ کیا۔

مارچ ۱۹۴۷ء کے اختتام اور اپریل کے شروع میں وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنے نئے عہدے کا چارج سنبھالا اور وہ برصغیر کی تقسیم کے کام میں جٹ گیا۔

برصغیر کی تقسیم کیونکہ ناگزیر بن گئی ان حالات کو جاننے کے لیے جب لارڈ مونٹ بیٹن نے ماضی کے ورق پلٹنے شروع کیے تو انہیں یہ جاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ محمد علی جناح کو کانگریس نے ۱۹۳۷ء میں بدظن کیا۔

کانگریس پارٹی نے ان صوبوں میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا تعاون لینے سے انکار کیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔

"مڈنائٹ فریڈم" کے مصنفین لیری کولنس اور دامنک لیپیر نے اس بارے میں لکھا ہے۔

"جناح خود پسند اور خود دار تھے۔ کانگریس کا یہ قدم انہیں ایک ذاتی سانحہ جیسا معلوم ہوا۔ انہیں اسی دن سے ہمیشہ کے لیے یقین ہو گیا کہ کانگریس کی قیادت میں ہندوستان میں اُن کے اور اُن کی مسلم لیگ کے ساتھ کبھی انصاف نہیں ہو سکے گا۔

ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرنے کے بجائے جناح ایک ایسے سانچے میں ڈھل گئے کہ اُن کی ضد نے پاکستان بنوا کر ہی دم لیا۔"

حالانکہ یہ مسٹر جناح ہی تھے جنہوں نے ۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی کی پاکستان کی تجویز ایک ناممکن خواب کہہ کر رد کیا تھا۔

پاکستان کے قیام کا تصور تحریری صورت میں پہلی بار پیش کرنے والا ایک طالب علم چوہدری رحمت علی ہی تھا۔

۸ر جنوری ۱۹۳۳ء کو لندن گول میز کانفرنس کے موقعہ پر چوہدری رحمت علی نے کانفرنس کے ہندو مسلم مندوبین اور پارلیمنٹ کے انگریز ممبران میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا جو فل اسکیپ ٹائپ کے ساڑھے چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا عنوان انہوں نے NOW OR NEVER (ابھی ورنہ کبھی نہیں) رکھا تھا۔

اس میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔

"ہندوستان کے شمال مغربی مسلم اکثریتی پانچ صوبوں میں پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ، اور بلوچستان پر مشتمل ایک آزاد خود مختار مملکت (پاکستان) قائم کی جائے۔"

اس کانفرنس میں محمد علی جناح، سر ظفر اللہ خاں اور علامہ اقبال بھی موجود تھے۔

اس کے بعد یکم اگست ۱۹۳۳ء کو لندن کے ممبر اور جوئینٹ پارلیمنٹری سلکٹ کمیٹی نے چوہدری رحمت علی کے مطالبہ پاکستان کے بارے میں مسلم وفد کے ارکان جن میں عبداللہ یوسف علی سر محمد یعقوب، ایچ۔ ایس۔ سہروردی، ڈاکٹر خلیفہ، شجاع الدین، حاجی رشید الدین اور سر ظفر اللہ بھی موجود تھے، مشورہ کیا۔ انہوں نے متفقہ طور نظریہ پاکستان مسترد کیا۔ اور اسے ناقابل عمل منصوبہ قرار دیا۔

ایک ناقابلِ عمل منصوبہ عمل میں کیوں آ گیا؟ اس کے لیے انگریزوں نے کانگریس

کے بعض لیڈروں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں مسلم لیگ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کی رو سے کل ہند مسلم لیگ کے صدر کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ اگر ایسا کوئی راستہ جو اُن کی دانست میں ضروری ہو اس خیال کے پیش نظر اختیار کریں کہ کوئی ایسی موزوں متبادل صورت نکالی جائے جس کے ذریعے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔

صدر مسلم لیگ نے مجلس عاملہ کی رضامندی اور ایما پر مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ ان حضرات کی پیش کردہ مختلف اسکیموں کا جائزہ لیا جا سکے جو ہندوستان اور دیگر ممالک کی دستوری نشوونما سے بخوبی آگاہ ہیں۔

صدر :- محمد علی جناح ۔ کنوینیر :- نواب زادہ لیاقت علی خاں

ممبران :- سر سکندر حیات خاں، نواب محمد اسماعیل خان، سید عبدالعزیز، سر عبداللہ ہارون خواجہ ناظم الدین، عبدالمتین چوہدری اور سردار اورنگ زیب خان۔

اس تشکیل شدہ کمیٹی نے اسلامی وطن قائم کرنے کے لیے ان علاقوں کو چن لیا۔

اوّل :- شمالی مغربی علاقہ جس میں سندھ، بلوچستان، پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، بہاولپور، خیرپور شامل تھے۔

دوئم :- شمالی مشرقی علاقہ جس میں بنگال اور آسام کے مسلم اکثریت کے علاقے شامل تھے۔

سوئم :- دہلی، لکھنؤ، یو۔ پی، اور بہار کے مسلم علاقوں کو شامل کیا جانا پیش نظر رکھا گیا۔

چہارم :- دکن کا علاقہ جس میں حیدرآباد دکن مدراس تک یا بیجاپور کے راستے مغربی ساحل تک کا علاقہ پاکستان مانا جاتا اور باقی سب ہندوؤں کا علاقہ مانا جاتا۔

لیکن اوّلاذکر کو ہی ترجیح دی گئی

اس طرح تقسیم ہند جب ناگزیر بن گیا تو کانگریس اور مسلم لیگ کے دعوے اور جوابی دعوے سن کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تقسیم کی لکیر کھینچنے لگے۔

قبل اس کے کہ ایک لکیر کھینچ کر دو مملکتوں کو الگ الگ کر دیا جاتا پنڈت جواہرلال نہرو نے ایک ایسی حکمت عملی اپنائی جس کے کارن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نہ صرف پنڈت نہرو کے دوست بن گئے بلکہ نہرو کی مرضی کے مطابق تقسیم کی لکیر کھینچ دی گئی۔

پنڈت نہرو نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کے باوجود لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان میں آزادی کے بعد بھی رہنے اور بھارت و پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل جیسا بڑا عہدہ انہیں اڈوانس میں پیش کر کے زیر بار احسان کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ ابھی جیل میں نظر بند تھے کہ برصغیر کی تقسیم پر عملی جامہ پہنایا جانے لگا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے ساتھ بات چیت کر کے دونوں طرف کے لیڈروں کو ایک سمجھوتہ پر آمادہ کیا جس کی بنیاد پر برطانوی حکومت نے برصغیر کو آزادی دینے کا ایک مسودہ قانون پاس کر دیا۔ جسے انڈین انڈی پنڈنس ایکٹ کا نام دیا گیا اس مسودہ قانون کی رو سے ہندوستان کو تقسیم کر کے بعض شرائط کے تحت مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل اس کے انتہائی مغرب اور انتہائی مشرق کے علاقوں کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) صوبہ پنجاب جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت ہے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اس صوبے کی ہندو اکثریت کے ضلعے ہندوستان میں رہیں صوبوں کی تقسیم کا معاملہ ایک با اختیار ٹریبونل کے سپرد کیا جائے۔

۲۔ شمال مغرب سرحدی صوبے میں اس بات پر ریفرنڈم کروایا جائے کہ کیا اس صوبے کے لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں ریفرنڈم میں پٹھانوں نے خان عبدالغفار خاں کی مرضی کے خلاف پاکستان کے حق میں فیصلہ دیدیا۔

(۳) صوبہ بنگال کو بھی مسلم اکثریت کے علاقوں کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۴) برصغیر میں جو ریاستیں تھیں اُن کے مستقبل کا فیصلہ ریاستوں کے حکمران کرنے کے مجاز قرار دیئے گئے البتہ انہیں اپنی اپنی ریاست کی رعایا کی خواہشات اور جغرافیائی اور دوسرے حالات مدنظر رکھنے کو کہا گیا۔

(۵) مسلم اکثریت کی ریاستیں حیدرآباد، جوناگڑھ اور کشمیر کو ریفرنڈم کے تابع رکھ دیا گیا۔ صوبوں کی تقسیم کے لیے یہ اصول طے پایا کہ جس ضلعے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ پاکستان کو دیتے جائیں گے اور جس ضلعے میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوگی وہ ہندوستان میں شامل رہیں گے۔ (چنانچہ "ریڈ کلف کمیشن" نے جسے

پنجاب کی تقسیم کا کام سونپا گیا۔ ضلع گورداسپور کے سوا سارے پنجاب کی تقسیم اسی اصول کے تحت عمل میں لائی گئی۔ لیکن ضلع گورداسپور جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت تھی کو تحصیلوں کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا۔ اس طرح وہ تحصیل پٹھان کوٹ بھی شامل تھا اس کو ہندوستان میں رکھنے کی گنجائش پیدا کی گئی۔ اگر طے شدہ اصول کے تحت گورداسپور کا ضلع پاکستان کو دیا جاتا تو ریاست جموں و کشمیر اور ہندوستان کے درمیان سرحدی رشتہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا گورداسپور کو اصولوں کے بجائے ضرورتوں کے مطابق تقسیم کیا گیا۔

محمد علی جناح نے اس فیصلے کو منظور کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری۔ جناح صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی چند وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ وہ اس موقع پر تقسیم میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وائسرائے جنرل ڈیول کے ساتھ اختلافات کر کے ان کی شکایت پر انہیں واپس انگلستان بھیجدیا گیا تھا۔ اب وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کر کے سرکار انگلشیہ کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن لاہور ہندوستان کو دینا چاہتے تھے اس صورت میں اگر محمد علی جناح گورداسپور کی تقسیم اصولوں پر کرانے پر بضد ہوتے تو وائسرائے ترپ کا پتہ استعمال کر کے لاہور کا مسئلہ کھڑا کر دیتے۔

گورداسپور کے بارے میں اصولوں کی بات چھوڑ کر ہی لاہور پاکستان کو تفویض کیا گیا۔

تیسری اور اہم وجہ یہ تھی کہ قائداعظم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ نے الحاق کے بارے میں بہت پہلے ایک عہد و پیماں کیا ہے اور اس عہد و پیماں کو مدنظر رکھ کر ہی وائسرائے گورداسپور کی تقسیم کے بارے میں کشمیر کے راستے کا پورا پورا خیال رکھے ہوئے ہیں۔ جناح صاحب اس خوش فہمی میں تھے کہ مسلم اکثریت کے ناطے کشمیر کے پاکستان کے ساتھ شامل ہوتے میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں لہٰذا گورداسپور کی پوزیشن پر نہ انہوں نے دھیان دیا اور نہ اُسے زیادہ اہمیت دی۔

ہاں! جب اصولوں کو چھوڑ کر ضرورت کے مطابق گورداسپور کی تقسیم ایک گہری سازش

ثابت ہوئی تب جناح صاحب کو اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کے بارے میں ایک بیان میں فرمایا۔

"کشمیر کا مسئلہ ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے لیکن اس حقیقت کو کوئی انصاف پسند قوم اور ملک نظرانداز نہیں کرسکتا کہ کشمیر تمدنی، ثقافتی، مذہبی، جغرافیائی معاشرتی اور سیاسی طور پر پاکستان کا ایک حصّہ ہے۔ جب بھی اور جس نقطۂ نظر سے بھی نقشہ پر نظر ڈالی جائے گی یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی کہ کشمیر سیاسی اور دفاعی حیثیت سے پاکستان کی شہہ رگ ہے۔ کوئی ملک اور قوم اسے برداشت نہیں کرسکتی کہ اپنی شہہ رگ دشمن کی تلوار کے نیچے دے دے۔ کشمیر پاکستان کا حصّہ ہے ایک ایسا حصّہ جسے پاکستان سے الگ نہیں کیا جاسکتا، مجھے یہ کہنے میں قطعاً ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ گرداسپور کے ایک ایسے حصّے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا محض اس لیے ہندوستان کے حوالے کردیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے، پاکستان نے ریڈ کلف ایوارڈ کو دیانتداری سے تسلیم کیا تھا لیکن ہندوستان کی نیت میں فتور تھا اس فتور کا منظہر کشمیر کا جھگڑا ہے۔"

کہا جاتا ہے ریڈ کلف ایوارڈ میں گرداس پور کو بھارت میں شامل کرنے میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر نواب افتخار حسین ممدوٹ کا ہاتھ رہا ہے۔ سید نور احمد نے اپنی کتاب "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" میں ان پر الزام لگایا ہے کہ یہ سب کچھ نواب ممدوٹ کے ایماء پر کیا گیا جو تحصیل وار تقسیم کی صورت میں اپنی ریاست "ممدوٹ"، جو تحصیل فیروز پور میں واقع تھی، محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ تحصیلوار تقسیم ہونے کی صورت میں تحصیل فیروز پور مسلم اکثریت کی حامل ہونے کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہوسکتی تھی۔ محض ذاتی مفاد کی خاطر تحصیل پٹھانکوٹ جیسی اہم تحصیل بھارت کے حوالہ کردی گئی۔

ممکن ہے اس الزام میں کچھ وزن ہو لیکن تقسیم کی ساری کارروائی محض اس غدر پر ہرگز منحصر نہیں کیونکہ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے لاہور کے بارے میں محمد علی جناح کو اس طرح الجھا کر رکھدیا کہ وہ گرداسپور کی اہمیت بھول گئے۔ اگر گرداسپور

تقسیم کے بارے میں لارڈ مونٹ بیٹن کی سازش کا انہیں ذرہ بھر بھی شک ہوتا تو نواب ممدوٹ کو وہ ہرگز خاطر میں نہیں لاتے۔

وائسرائے نے لاہور کا یکّہ اپنے پاس رکھ کر جناح صاحب سے گرداسپور کا پتّا پھینکنے کے لیے مجبور کیا۔ اس طرح "مسئلہ کشمیر" کا جنم ہوا۔ جو ہنوز انجمن اقوام متحدہ میں لٹکا ہوا ہے اور دو ممالک ہندوستان اور پاکستان "مسئلہ کشمیر" کی وجہ سے پچھلے چالیس برسوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔



برصغیر کی تقسیم کے بارے میں گول میز کانفرنس۔
عبدالرب نشتر، لیاقت علی خاں، محمد علی جناح، لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔
جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، سردار بلدیو سنگھ اور دوسرے۔





اوپر:۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ ماؤنٹ بیٹن، مہاتما گاندھی کو ہندوستان کی تقسیم کے لیے منا رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی ملک کی تقسیم پر ناراض نظر آ رہے ہیں۔
نیچے:۔ محمد علی جناح پاکستان کو قبول کر کے انگریزوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔



اوپر: لارڈ مونٹ بیٹن دہلی میں عوامی اجتماع کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر رہے ہیں۔

نیچے: لارڈ مونٹ بیٹن اپنی بیوی کے ہمراہ کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل کے عہدہ کا حلف دلانے جا رہے ہیں۔

کیا خبر تھی شاخ سے پتہ اُڑا لے جائے گا
جسم کے صندل سے وہ خوشبو چرا لے جائے گا

وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن کی سازش

سرکار انگلشیہ کی طرف سے جب لارڈ ویول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان تشریف لائے تو پنڈت نہرو نے انہیں ایسا اپنایا کہ لارڈ مونٹ بیٹن پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنا دوست کہنے کے لیے مجبور ہو گئے لارڈ مونٹ بیٹن اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پنڈت نہرو نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کی دوستی اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کی پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ قریبی تعلقات تقسیم ملک میں بہت کام آئے۔ ملک کی تقسیم کی جب بات چیت ہو رہی تھی اور مہاتما گاندھی تقسیم کی سخت مخالفت کر رہے تھے تو لارڈ مونٹ بیٹن نے جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل سے کہدیا۔



لارڈ مونٹ بیٹن

"جناح کو رخصت کرنے (یعنی اپنا الگ حصہ دینے) کے بعد ہندو اکثریت کے علاقوں میں مضبوط مرکزی حکومت قائم ہو سکے گی اگر مرکز مضبوط نہ ہو تو جس اشتراکی نظام کو نہرو ہندوستان میں قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟"

نہرو اور پٹیل کا ہمنوا بننے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو کانگریس ہائی کمانڈ میں جگہ پانے میں کیا دِقت ہوسکتی تھی۔

پٹیل کی یہ دلیل تھی کہ "جناح کو پاکستان دیدو، فرق کیا پڑے گا۔ پانچ سات سال سے زیادہ پاکستان چلنے والا نہیں۔ مسلم لیگ خود ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹائے گی کہ حکومت کی باگ ڈور آپ لوگ خود ہی سنبھالیں۔" (مڈنائٹ فریڈم)

اس قسم کی بات چیت میں لارڈ مونٹ بیٹن کی شرکت ان کی طرفداری کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

مئی ۱۹۴۷ء میں جب لارڈ مونٹ شملہ گئے اور تنہائی میں ملک کی تقسیم کا چارٹر بنانے لگے تو انہوں نے تقسیم ملک کا یہ چارٹر مشتہر کرنے سے قبل نہرو کو دکھانے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ انہوں نے اپنے دوست کو فوری طور شملہ بلایا اور انہیں تقسیم ملک کا چارٹر پڑھنے کو دیا۔ اس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بنگال کو خود مختاری کا درجہ دے کر وہاں کے لوگوں کی رائے کی مرضی پر فیصلہ محفوظ رکھدیا تھا۔

پنڈت نہرو نے اس کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ اس طرح دوسرے صوبے بھی خود مختاری کا مطالبہ کریں گے۔ اس صورت میں اگر اُن کا پیارا کشمیر ہاتھ سے نکل گیا یا حیدرآباد نے پاکستان میں ملنے کا فیصلہ کیا تو ہندوستان کے وسط میں ایک ایسی ریاست بن جائے گی جسے ہندوستان کبھی ہضم نہیں کرسکے گا۔ کشمیر، حیدرآباد اور بنگال کی دیکھا دیکھی دیگر ریاستیں بھی ہندوستان کے بجائے پاکستان میں ملنے کا یا آزاد رہنے کا فیصلہ کرسکتی ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے پنڈت نہرو کی دلیل تسلیم کرکے بنگال کی تقسیم کا فیصلہ کرلیا اور مشرقی بنگال کا وہ حصّہ پاکستان کے لیے رکھ دیا جس کے بارے میں انہوں نے اپنے دوست نہرو سے کہہ دیا۔

"جناح کی یہ ریاست (مشرقی بنگال) زیادہ دن چلے گی نہیں، چوتھائی صدی گزرتے گزرتے مشرقی بنگال پاکستان سے الگ ہوجائے گا۔"

لارڈ مونٹ بیٹن نے مشرقی بنگال کی یہی بات بعد میں راج گوپال آچاریہ کو بھی بتادی اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ تقسیم ملک کے دوران کشمیر، مشرقی بنگال، حیدرآباد

اور جوناگڑھ کے بارے میں لارڈ مونٹ بیٹن اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان کیا UNDER STENDING تھی۔ انہوں نے مشرقی بنگال کو پاکستان سے الگ کرنے کا جو وقت مقرر کیا تھا اُس کے اندر اندر اس پلان پر کارروائی کی گئی۔ کشمیر کے بارے میں تقسیم سے پہلے کانگریس کی کیا پالیسی تھی؟ یہ جاننے کے لیے ماضی کو ٹٹولنا پڑتا ہے۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل برٹش گورنمنٹ نے گلگت اور بلتستان کا علاقہ جموں وکشمیر گورنمنٹ کو واپس کیا یہ سب پنڈت نہرو اور لارڈ مونٹ بیٹن کی کوششوں سے ہوا کانگریس کو خدشہ تھا کہ اگر یہ علاقہ پہلے ہی شامل نہ کیا گیا تو تقسیم کے بعد مسلم اکثریت کی بنا پر یہ خود بخود پاکستان میں شامل ہوجائے گا۔ چونکہ کشمیر کو پاکستان سے باہر رکھنا ہے لہٰذا گلگت اور بلتستان اس میں شامل کیا جائے تاکہ فوجی لحاظ سے اہم ترین علاقے بھارت کے قبضے میں آجائیں۔ سرکار انگلشیہ نے یہ علاقے روس اور چین کی پیش قدمی روکنے کے لیے اپنی تحویل میں لیے تھے اب اسے کشمیر کی آڑ میں بھارت کے لیے رکھ دیئے گئے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی طرفداری اس بات سے بھی ثابت ہوجاتی ہے جب ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں نے مل کر اسے اپنے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا تو مونٹ بیٹن نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان میں ضم ہوجائیں جودھپور اور جسلمیر کے راجوں نے دہلی میں محمد علی جناح سے خفیہ ملاقات کی اور پوچھا کہ ہماری آبادی کی اکثریت ہندو ہے لیکن اس کے باوجود اگر ہم آپ کے پاکستان میں شامل ہوں تو آپ ہمیں کیا سہولتیں دیں گے؟

جناح صاحب نے ان دو مہاراجوں کے سامنے سادہ کاغذ رکھدیا کہ جو جو رعائتیں اور سہولتیں آپ چاہتے ہیں لکھ دیجئے میں دستخط کیے دیتا ہوں۔

رعائتیں اور سہولتیں مرتب کرنے کے لیے دونوں راجاؤں نے تھوڑا سا وقت مانگا اور وہ مشورہ کرنے کے لیے ہوٹل (جہاں وہ قیام پذیر تھے) چلے گئے۔ وہاں انہوں نے وی۔ پی مینن کو ان کے انتظار میں پایا۔ وی۔ پی مینن کو سی۔ آئی۔ ڈی سے پتہ چلا تھا کہ وہ جناح صاحب سے مل کر آئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے دونوں مہاراجوں سے کہا کہ وائسرائے آپ سے اپنی رہائش گاہ پر فوراً ملنا چاہتے ہیں۔

جودھپور کے مہاراجہ اسی وقت وائسرائے سے ملنے گیا جبکہ جسلمیر کے راجہ

نے فی الحال آرام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

وی۔ پی مینن نے جب مہاراجہ جودھپور کو وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن سے ملایا تو ان سے عاجزی سے کہا آپ فوراً اس ضدی مہاراجہ کو سمجھائیے ——— ، چنانچہ وائسرائے نے مہاراجہ جودھپور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"صرف اپنے ذاتی فائدے کے لیے اپنی ریاست کی ہندو اکثریت کو پاکستان میں گھسیٹ لے جانا محض بے وقوفی ہے۔ میں اور مسٹر مینن سردار پٹیل کو سمجھائیں گے کہ وہ آپ کی سہولتوں کا خیال رکھیں۔"

اس موقعہ پر مہاراجہ نے غصہ سے وی۔ پی مینن پر پستول سے حملہ کیا اگر مونٹ بیٹن مہاراجہ کو فوراً نہ روکتے تو گولی سے وی۔ پی۔ مینن کی کھوپڑی اڑ گئی ہوتی۔

تقسیم ملک کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے ایک کانگریسی نیتا کی طرح نہ صرف سوچتے، فیصلہ کرتے بلکہ ہر معاملے میں ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھتے تھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کے سیاسی مشیر وی۔ پی۔ مینن نے اپنی کتاب "دی اسٹوری آف انٹروگیشن آف انڈین اسٹیٹس" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ

"مملکت امور ریاست منظم کرنے کے بعد انہوں نے اور سردار پٹیل نے مل کر ریاست کو بھارت میں شامل کرنے کا ایک وسیع منصوبہ تیار کر کے مونٹ بیٹن کے سامنے پیش کیا اور مونٹ بیٹن نے اس منصوبہ کی تکمیل میں انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔"

اس سے اس بات کی تصدیق ملتی ہے کہ کانگریس کے رہنماؤں نے لارڈ مونٹ بیٹن سے اپنی مرضی کا تقسیم نامہ تیار کروایا تھا جو اُن کی طرف سے جاری کیا گیا۔ وی۔ پی مینن نے لارڈ مونٹ بیٹن سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"...... اس گفتگو کے دو ایک روز بعد میں نے لارڈ مونٹ بیٹن سے ملاقات کی اور سردار پٹیل سے جو پلان طے پایا تھا اس کے بارے میں مفصل بات چیت کی، میں نے کہا جب تک آپ کی مدد شامل حال نہ ہو امورِ سہ گانہ (دفاع، امور خارجہ، اور رسل و رسائل) میں ریاستیں انڈین یونین سے الحاق نہیں کریں گی اور یہ آپ کے تدبّر کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

اگر آپ ریاستوں کو اس پر آمادہ کریں۔ لارڈ صاحب سے میں نے یہ بھی کہا کہ تقسیم کا زخم آسانی سے مندمل ہو سکتا ہے اگر ریاستیں حکومت ہند کے پرچم تلے آجائیں، آپ کے اس عظیم کارنامے کو آنے والی نسلیں سپاس و تحسین کے الفاظ میں یاد کریں گی۔

میرے ان الفاظ سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ ملک کو بنیادی اتحاد اسی طرح (لارڈ مونٹ بیٹن کا مسکا کرنے سے) مل سکتا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے جواب دیا کہ وہ خود بھی یہی سوچ رہے ہیں۔"

لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کی طرفداری اور پاکستان کی مخالفت میں اس حد تک کیوں گئے؟ کہ مغربی ممالک کے بعض سرکردہ سیاست دانوں کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ لارڈ مونٹ بیٹن نے تقسیم ملک میں جانبداری سے کام لیا۔

اس کے بارے میں برصغیر کی تقسیم سے متعلق دستاویزات اگرچہ خاموش ہیں۔ لیکن بہت گہرائی تک جانے کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کے مطابق میرا اپنا خیال ہے برصغیر کی تقسیم کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے زبردست ڈپلومیسی سے کام لے کر پہلی فرصت میں لارڈ مونٹ بیٹن کو اپنا دوست بنا لیا اس کے بعد ان سے یہ وعدہ کیا کہ انہیں تقسیم ملک کے فوراً بعد ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بنا دیا جائے گا۔ ، اس طرح سے پنڈت نہرو نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے لیے گورنر جنرل کا عہدہ بحال کر کے انہوں نے ان کا اعتماد حاصل کر لیا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے لیے زیر بار احسان کیا۔

تقسیم ملک کے بعد پنڈت نہرو وائسرائے کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنانے کا مجاز تھا انہوں نے یہ حد پاکستان تک بڑھا کر وائسرائے کی نظروں میں پاکستانی حکمرانوں کا خاص طور پر محمد علی جناح کو بدظن اور بدگمان کرانے کا سامان مہیا کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے میری یہ تجویز محمد علی جناح کسی بھی صورت میں نہیں مانیں گے اس طرح وائسرائے کے سامنے مجھے سر اُٹھا کر کہنے کا موقع ملے گا۔

"دیکھا جناب! آپ کے بارے میں ہمارے کیا وچار ہیں۔ ہم آپ کو اپنے ملک کا سب سے بڑا عہدہ دے رہے ہیں جبکہ جناح آپ کو خاطر میں ہی نہیں لاتے ہیں۔"

چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی ——— تقسیم ملک کے اعلان کے بعد پنڈت نہرو جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملے اور اُن کے سامنے ہندوستان کے گورنر جنرل رہنے کی پیش کش کی تو یہ ایسی تجویز تھی جو کسی ہندوستانی نے اب تک کسی انگریز کے سامنے نہیں رکھی سامراج کی تاریخ میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ اور یہ بھی اُس وقت جب انگریزوں کو ملک سے نکالا جا رہا تھا۔

یہ دراصل ایک بہت بڑے عہدے کی رشوت تھی۔

بقول لیری کولنس اور دامنک لیپیر آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وہ منصب پیش کیا جس سے بڑا عہدہ آزاد ہندوستان پیش نہیں کر سکتا تھا۔ دیگر الفاظ میں آزاد ہندوستان نے وائسرائے کے جو اختیارات چھینے تھے وہ دوسری صورت میں اُنہیں واپس کیے جا رہے تھے۔ پنڈت نہرو کی تجویز پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سوچ میں پڑ گئے۔ بات یہ تھی کہ جب تک ایسی ہی پیش کش مسٹر جناح کی طرف سے بھی نہ ہو وہ اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے لیکن جناح نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یہ تجویز رد کر دی، انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا پاکستان کے پہلے گورنر جنرل وہ خود بننا چاہتے ہیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔

"لیکن یہ آپ کی بھول ہے ہندوستان اور پاکستان دونوں نے انگلستان کے نمونے کا جمہوری نظام اختیار کیا ہے۔ اس میں حکومت کے سارے اختیارات وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہوتے ہیں گورنر جنرل تو برائے نام اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔

پاکستان کا گورنر جنرل میں بنوں گا اور وزیر اعظم کو وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے گورنر جنرل کے اختیارات کو برائے نام کہہ کر بھی اس عہدے کو قبول کیا، محمد علی جناح کا رویہ انہیں بے حد ناگوار گزرا جس کا بدلہ ان سے مسئلہ کشمیر کے بارے میں لیا گیا۔

اس کا ثبوت اس ٹیلیفون رپورٹ سے مل جاتا ہے جو قبائلی حملہ کے دوران ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ کے دوران جنرل آکنلک نے لاہور سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ محمد علی جناح نے مسلح فوج کو کشمیر بھیجنے کے جو احکامات جاری کیے تھے وہ

احکامات جناح سے واپس لینے کے لیے میں کامیاب ہو گیا۔

دراصل یہ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی مرضی تھی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن تقسیم ملک کے بعد دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ گورنر جنرل ہوں اس کا برملا اظہار مسٹر ایٹلی نے ایکٹ آزادیٔ ہند کا مسودہ ایوان عام میں پیش کرنے کے دوران کیا، چونکہ قائد اعظم محمد علی جناح نے ان کی یہ تجویز ماننے سے انکار کیا اس لیے انہیں ایسا سبق دیا گیا جو تقسیم ملک کی صورت میں نمایاں ہے۔

تقسیم ملک کے بارے میں سرکار انگلشیہ یعنی وزیر اعظم ایٹلی ہندوستان کی طرفداری اور پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کے مفادات کی رکھوالی کیوں کر رہا تھا؟ غور طلب مسئلہ ہے؟

تقسیم ملک کے متعلق کئی کتابیں معرض وجود میں آئی ہیں اور کم از کم ہر ایک کتاب میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت نہرو کے خفیہ تعلقات کے اشارے ملتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنے موافق فیصلے وائسرائے سے کرا سکے ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام جس میں طرفداری کی جھلک صاف دکھائی دیتے رہی ہو سرکار انگلشیہ کی مرضی کے بغیر کیا ایسا ممکن تھا ——— ؟ میرے خیال میں نہیں۔

سرکار انگلشیہ اس قسم کی بدنامی کیوں مول لے رہی تھی؟ اس لیے کہ کانگریس نے تقسیم ملک کے بعد دولت مشترکہ میں شامل ہونا قبول کر لیا تھا۔ اس طرح کا وعدہ کر کے کانگریسی رہنماؤں نے سرکار انگلشیہ کی مرضی کا اعادہ کر کے ایسے مراعات حاصل کر لیے جن میں بنگال اور پنجاب کی تقسیم نیز گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلات کی تقسیم شامل تھی تاکہ ریاست کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا راستہ ہموار ہو سکے۔

برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی طرف سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہدایت مل گئی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستان کی سالمیت قائم رکھی جائے اور فریقین کو کیبنٹ مشن پلان کے مطابق اختیارات کے انتقال پر رضامند کیا جائے کہ ہندوستانی افواج کی تقسیم کی نوبت نہ آئے اور دفاع کا یہ ادارہ آل انڈیا بنیاد پر قائم رہے اور دونوں ممالک برطانیہ اور ہندوستان بحر ہند کی حفاظت میں تعاون کرنے کا معاہدہ کریں۔

ظاہر ہے کہ ایٹلی وزارت کی اس ہدایت میں برطانوی مفاد کی حفاظت کی غرض

مضمر تھی تاکہ بحرِ ہند کے علاقہ میں روس کے اثر کے نفوذ کو روکا جاسکے اور برطانیہ کے ہندوستان اور مشرق بعید کے تجارتی راستے محفوظ رہیں کانگریس کی اس ساری یقین دہانی نے انہیں اپنے موافق فیصلے کرانے میں بڑی مدد دی۔

یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں ہندوستان کے لیے برطانیہ اتنی اہمیت نہیں رکھ سکا جتنا کہ روس، لیکن روسی خطرے کا ہوا کھڑا کر کے تقسیم ملک کے دوران کانگریس نے برطانیہ سرکار سے جو چاہا حاصل کر لیا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے چیف آف اسٹاف لارڈ اسمے نے اپنے DEMOIRS میں تسلیم کیا ہے کہ تقسیم ملک کی جس تجویز کی منظوری برطانیہ وزارت سے حاصل کی گئی تھی اس کے مطابق کلکتہ کو ہندوستان میں شامل رکھا گیا تھا یہ بات مسلم لیگ سے مخفی رکھی گئی اور ظاہر یہ کیا گیا کہ کلکتہ کے متعلق فیصلہ باؤنڈری کمیشن کرے گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ کلکتہ ہندوستان میں شامل رکھنے کا فیصلہ بالا بالا ہو چکا تھا اور برطانوی کیبنٹ اس پر فیصلہ صادر کر چکی تھی ظاہر طور پر اس تنازعے کو بھی بنگال باؤنڈری کمیشن کے سپرد کیا گیا اور ریڈ کلف سے کلکتہ کے متعلق فیصلہ ہندوستان کے حق میں کرایا گیا۔

ریڈ کلف کمیشن کا ڈھونگ تحصیل گرداسپور اور بٹالہ کی تقسیم میں بھی سر چڑھ کر بولا۔ ریاست جموں و کشمیر پر تسلط قائم کرنے اور تحصیل گورداسپور اور بٹالہ کو جہاں مسلم آبادی کی اکثریت تھی ہندوستان میں شامل کرنے کے لیے شملہ میں ایک خفیہ سمجھوتہ کیا گیا جہاں لارڈ مونٹ بیٹن لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن اور نہرو نے ایک ساتھ چوبیس گھنٹے گزارے۔



سیرل ریڈکلف

سر سیرل ریڈکلف ایوارڈ کے بارے میں حکومت برطانیہ نے جو کارروائی کی وہ بذاتِ خود ایک مشکوک کارروائی تھی حدبندی کی اہم ذمہ داری کو پہلے اقوام متحدہ کے سپرد کیے جانے کا منشا تھا قائد اعظم نے یہ تجویز منظور کی لیکن پنڈت نہرو نے اسے نامنظور کر دیا اس پر سرکار انگلشیہ کی

طرف سے ریڈ کلف کا نام تجویز ہوا۔ سر سیرل ریڈ کلف بیرسٹر ضرور تھے لیکن ابھی وہ پریکٹس کے دور سے گزر رہے تھے۔ اس لیے اس منصب کے لیے سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ کا تقرر مناسب سمجھا گیا مگر یہ بھی نامنظور کیا گیا۔ اس کے بعد سر ظفر اللہ خاں کی تجویز پر وزیر اعظم ایٹلی نے انگلستان کی پریوی کونسل کے تین جج صاحبان کو حدبندی کمیشن میں بطور اراکین شامل کیے جانے کی تجویز منظور کی لیکن لارڈ مونٹ بیٹن نے اس میں اڑچن ڈال دی اور قرعہ فال ریڈ کلف پر پڑا، کیونکہ لارڈ مونٹ بیٹن ان میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔

ریڈ کلف کمیشن کے اراکین میں جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ شامل کیے گئے۔

حدبندی کی ذمہ داری کو اقوام متحدہ کے سپرد کیے جانے کی مخالفت اور سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ کے بجائے ایک جونیئر وکیل سیرل ریڈ کلف کو بنگال اور پنجاب کو تقسیم کے لیے بھیجنے کی جو تجویز لارڈ مونٹ بیٹن کی تھی وہ اس وقت رنگ لائی جب ایوارڈ کے سامنے کانگریس اور مسلم لیگ اپنا کیس پیش کرنے سے پہلے ریڈ کلف نے حدبندی لکیر کھینچ لی تھی۔ جسٹس دین محمد نے دو دن قبل جبکہ دونوں ممالک کے وفود سیرل ریڈ کلف سے ملنے والے تھے۔ سر ظفر اللہ خاں سے کہا۔

"تم اپنی طرف سے تحریری بیان تیار کرو اور جیسے بن پڑے بحث بھی کرنا لیکن میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ یہ سب کارروائی محض ایک کھیل ہے حدبندی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سیرل ریڈ کلف اس لائن کا ہوائی جہاز کے ذریعے کل معائنہ کرنا چاہتا ہے۔ پائلٹ کو اس پرواز کے لیے جو تحریری ہدایات دی گئیں وہ میں نے دیکھی ہیں۔ تحریری ہدایت کے کاغذ پر پرواز کے لیے ایک لائن لگی ہوئی ہے مجھے یقین ہے کہ جس لائن پر پرواز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے بالا بالا وہی حدبندی کی لائن پہلے سے طے پا گئی ہے۔"

اس راز کے انکشاف پر سر ظفر اللہ خاں پریشان ہو گئے اور انہوں نے اس کی اطلاع قائد اعظم کو دینا چاہی جو کہ ان دنوں دہلی میں قیام پذیر تھے۔ دہلی ٹیلیفون کے ذریعے اس قسم کی باتیں بھیجنا مناسب نہ سمجھ کر سیرل ریڈ کلف کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو

یہ اڑچن آ گئی کہ انہیں تو دونوں طرف سے ایمپائر تسلیم کیا گیا ہے اور اُن کے فیصلے کی پابندی لازمی ہے۔ لہٰذا اب کیا کیا جا سکتا ہے۔"

بحرحال وقت مقررہ پر کمیشن کے سامنے بحث شروع ہوئی بھارت کی طرف سے مسٹر موتی لال ستیلواڑ اور اُن کے مشیر بخشی ٹیک چند تھے۔ بحث و مباحثہ کے بعد جب موتی لال ستیلواڑ، شیخ عبدالحق ایڈووکیٹ کے ہاں گئے تو انہوں نے چائے نوشی کے دوران شیخ عبدالحق کے سامنے صاف صاف کہہ دیا۔

"اگر حدبندی کا فیصلہ بحث میں پیش کردہ دلائل کی بنا پر ہوا تو تم لوگ بازی لے جاؤ گے لیکن کمیشن کی کاروائی ایک ڈھونگ اور کمیشن کے روبرو بحث و مباحثہ بالکل لاحاصل ہے۔"

چنانچہ، راگست کو پنجاب کی تقسیم کا اعلان ہوا تو مسلم لیگ ششدر ہو گئی۔ سیرل ریڈکلف نے پنجاب کی تقسیم پر جو لائن لگا دی تھی یہ وہی لائن تھی جو جسٹس دین محمد پائلیٹ کے ذریعے ہاتھ لگ گئی تھی اور اسے دیکھ کر انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ باؤنڈری کمیشن ایک ڈھونگ ہے اور جو لائن پرواز کی ہدایت والے نقشہ میں دکھائی گئی ہے وہی لائن بالا بالا پنجاب کی تقسیم کے لیے حدبندی کی لائن مقرر کی جا چکی ہے۔ جس کے مطابق مسلم آبادی کے اکثریت والے کئی علاقے بالخصوص گرداسپور اور بٹالہ پاکستان کے بجائے ہندوستان میں شامل کیے گئے۔

جس دن ریڈکلف نے پنجاب باؤنڈری کمیشن کے اراکین پر اپنے معائنے کے ارادے کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے ہی نقشہ لارڈ ماونٹ بیٹن کے چیف آف اسٹاف لارڈ اسمے کے دفتر میں تیار کیا گیا تھا۔ جسٹس دین محمد کو جب اس راز کا پہلے ہی پتہ چلا تو انہوں نے قائداعظم کے پاس جا کر حدبندی کمیشن سے مستعفی ہونے کی اجازت چاہی قائداعظم نے کمیشن سے مستعفی ہونے کی اجازت نہیں دی لیکن ۸ راگست ۱۹۴۷ء کو جسٹس دین محمد کی رپورٹ کی بنا پر قائداعظم نے چوہدری محمد علی کے ذریعے لارڈ اسمے کو ایک احتجاجی پیغام بھیجا۔ اس بارے میں چوہدری محمد علی "دی امرجنسی آف پاکستان" میں لکھتے ہیں۔

"قائداعظم کا پیغام لے کر جب میں لارڈ اسمے سے ملنے وائسرائے ہاؤس گیا اسمے اس وقت ریڈکلف سے مذاکرات میں مصروف تھے۔ جب انہیں قائداعظم کا پیغام

پہنچایا تو انہوں نے اس میں درج الزامات سے صاف انکار کیا، اسمے کے کمرے میں ایک نقشہ لٹک رہا تھا میں نے اسمے کو اشارے سے نقشے کے قریب بلایا تاکہ نقشے میں اپنی بات کی وضاحت کر سکوں، میں نے دیکھا اس نقشے پر صوبہ پنجاب میں پنسل سے ایک لکیر لگی ہوئی ہے جو بالکل اس رپورٹ کے مطابق تھی جو جسٹس دین محمد کے ذریعے قائداعظم کو ملی تھی، میں نے اسمے سے کہا قائداعظم کو جو رپورٹ ملی ہے اس کی وضاحت کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے نقشے پر پنسل سے لگی ہوئی لائن خود منہ سے بول رہی ہے۔" اسمے کا رنگ فق ہوا اور وہ کھسیانہ ہو کر کہنے لگا۔

"میرے نقشے میں یہ کس نے گڑبڑ کی ہے۔"

پنجاب کے نقشے میں یہ گڑبڑ اور پنجاب کی تقسیم میں یہ ہیرا پھیری محض کشمیر کی وجہ سے کی گئی "کشمیر کے بارے میں آل انڈیا کانگریس نے جہاں شیخ محمد عبداللہ کو پہلے ہی اعتماد میں لیا تھا وہاں لارڈ ماونٹ بیٹن کو بھی اس سازش کا شریک کار بنا دیا چنانچہ اسی سلسلے میں لارڈ ماونٹ بیٹن ۴ار جون ۱۹۴۷ء کو سرینگر آ گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ملاقات کے دوران انہوں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ ۱۴ راگست سے پہلے پہلے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے۔ کیونکہ نظام حیدرآباد اور مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے اپنے ملک کو آزاد رکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ان دونوں مہاراجوں کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ

"نظام حیدرآباد کی رعایا ہندو اکثریت مسلمان حکمرانوں کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن وہ اپنی ریاست کو آزاد رکھنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہی ایک خواب ملک کے دوسرے سرے پر ایک اور طاقت ور مہاراجہ کے دماغ میں پل رہا تھا کشمیر کا راجہ ہری سنگھ برہمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن ریاست کی اکثریت مسلمان تھی، کشمیر اپنی خوبصورتی کے علاوہ فوجی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اس کی سرحد چین اور افغانستان سے ملتی ہیں اور مستقبل میں پاکستان سے بھی ملنے والی تھی (پاکستان ابھی بنا نہیں تھا، نظام حیدرآباد کی طرح مہاراجہ ہری سنگھ بھی ریاست کو آزاد رکھنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔"

ان دونوں ریاستوں کی آزادی اور حق خودارادیت ایک خواب سے تعبیر

کرکے اپنی نیت کا فتور واضح کرکے ان دونوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تاریخ کا ایک اہم باب بن گیا ہے چنانچہ اسی خواب کو ملیامیٹ کرنے جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن سرینگر تشریف لائے تو ان کے اس دورے کے بارے میں غلط رپورٹیں منصۂ شہود پر لائی گئیں۔ ایک جھوٹ یہ بولا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ ۱۴ اگست تک کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس دورے کا حال ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے ایک اجلاس میں تقریر کے دوران بیان کیا تھا جو ان کے پریس اتاشی ایلن کیمبل جانسن کی ڈائری "مشن ود ماؤنٹ بیٹن" کے ذریعے ہم تک پہنچا، وہ لکھتے ہیں۔

"ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ پر زور دیا کہ تمہاری رعایا جس ملک سے الحاق چاہتی ہے اس کے ساتھ الحاق کرو!"

یہ حقیقت سے بعید بیان ہے اور گمراہ کن بھی جبکہ انہوں نے مہاراجہ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے پر زور دیا تھا۔ اس کی تصدیق رام چند کاک نے کی ہے۔ خود لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے "ٹرانسفر آف پاور" میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ کہ

"کشمیر کے الحاق کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت نہرو کے ساتھ میری دوستی بہت کام آئی یہ اسی دوستی کا نتیجہ تھا کہ جس نے کشمیر کی تقدیر بدلنے میں اہم رول ادا کیا۔"

دراصل کیمبل جانسن اور ایسے دوسرے برطانوی اور ہندوستانی مصنفین نے کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کردار کو صاف رکھنے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریاست میں فوجیں بھیجنے سے قبل مہاراجہ سے دستاویز الحاق حاصل کرنے کا مشورہ کانگریس کو دے کر اپنے بارے میں تمام خوش فہمیاں دور کر دیں۔

کہا جا رہا ہے کہ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو انہوں نے تابع رائے شماری رکھدیا۔ لیکن کسی کو یہ کہنے کی اخلاقی جرأت نہ ہوئی کہ اس رائے شماری کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان بات چیت سے وہ پورے باخبر تھے اور جانتے تھے الحاق کو تابع رائے شماری رکھنا محض ایک دکھاوا ہے تاکہ پاکستان کے ساتھ بیرونی دنیا کا منہ بند رکھا جا سکے۔

کشمیر کی رائے شماری اور بنگال و پنجاب کی تقسیم کے بارے میں وہ کھلا ذہن رکھتے تھے وہ جانتے تھے۔ رائے شماری نہیں ہوگی، کشمیر کے لیے پاکستان کا راستہ نہیں رہے گا اور مشرقی بنگال پاکستان کے ساتھ نہیں رہ سکے گا۔

کشمیر کے بارے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حقیقی نظریئے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ الحاق کے بعد سٹیٹسمین STATESMAN کے ایڈیٹر مسٹر آئین اسٹیفن نے اخبار میں ایک زبردست اداریہ لکھا جس میں کشمیر میں بھارت کے اقدام کو غلط ٹھہرایا گیا تھا اس پر ماؤنٹ بیٹن نے اسٹیفن کو اپنے دفتر میں طلب کرکے ان کی سرزنش کی اور بتایا۔

"جعلسازی اور جھانسے کی بنیاد پر قوم تعمیر نہیں ہوتی، جناح ایبٹ آباد میں بیٹھ کر کشمیر کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن انہیں مایوسی ہوگی۔!"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی سازش اور بھارت کی طرفداری کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب کشمیر میں جنگ زوروں پر تھی اور بھارت فوجی اقدام سے مایوس ہو کر سلامتی کونسل میں مسئلہ پیش کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو ماؤنٹ بیٹن نے اپنے پریس اتاشی کیمبل جانسن سے کہا۔

نہرو کے بارے میں، میں بہت مشوش ہو رہا ہوں مجھے خوف اس بات کا ہے کہ کہیں وہ خوشامد اور چاپلوسی کے زیر اثر آکر کشمیر کے معاملے میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ (مشن ود ماؤنٹ بیٹن)

جب قائد اعظم نے انہیں پاکستان کا گورنر جنرل بنانے سے انکار کیا تو اُن کے پندار پر یہ ایسی کاری ضرب پڑی کہ وہ بوکھلا گئے اور وہ قائد اعظم کے ساتھ بدزبانی اور دھمکیوں پر اتر آئے۔ یہ گفتگو ۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ دو دن بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائد اعظم کے انکاری فیصلے کی رپورٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کو بھیجدی اس میں گفتگو کو ایک BOMBSHELL قرار دیتے ہوئے لکھا۔

"میں نے ان (قائد اعظم) سے دریافت کیا معلوم ہے آپ کو یہ انکار کتنا مہنگا پڑے گا؟ انہوں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

ہاں! ASSETS کی تقسیم میں غالباً کروڑوں روپے کا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔"

میں نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"کروڑوں کا نہیں بلکہ آپ سارے ASSETS کھو بیٹھیں گے اور پاکستان کا مستقبل بھی!" (لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی رپورٹ ۱۱ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۴۷ء)

اس دھمکی جو اس رپورٹ میں نمایاں ہے اس سے نہ صرف مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کی سازش آجاگر ہوتی ہے۔ بلکہ انتقام کے طور پر پاکستان کا مستقبل تباہ کرنے کا عزم بھی جھلکتا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ان عزائم کو اگر ہم اس کڑی کے ساتھ جوڑ دیں جو سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پاکستان کے وجود پر ظاہر کیے تھے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔

تقسیم ملک کی تجویز کے ساتھ مہاتما گاندھی نے صاف انکار کر دیا تو یہ سردار پٹیل ہی تھے جنہوں نے کہا تھا۔

"ان کو (جناح صاحب) پاکستان لینے دو، فرق کیا پڑتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ پاکستان چھ سات سال چلے گا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے لیڈر خود بخود ہمارے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اس ملک کو آپ ہی سنبھالیں"

دراصل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگریسی نیتاؤں کے درمیان یہ بات طے پا چکی تھی کہ پاکستان چلنے والا نہیں اور نہ ہی اسے چلنے دیا جائے گا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے پہلے مرحلے پر پاکستان کو وہ کروڑوں روپے روک دئے گئے جو تقسیم کی صورت میں اس کے حصے میں آئے تھے۔ اس کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں کا قتل ہوا۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علیخان کے قتل کو اس سازش کے ساتھ جوڑنے کی تحریک ہمیں شیخ محمد عبداللہ کے اس بیان سے ملتی ہے جو ریاست کا ایڈمنسٹریٹر بن کر انہوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات کے بارے دیا ہے۔

"سردار پٹیل نہیں چاہتے تھے میں ریاست کا خود مختار حاکم بن جاؤں وہ مجھے مہاراجہ ہری سنگھ کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ پنڈت نہرو کے ساتھ اس بات پر ان کے اختلافات بڑھ گئے جس کے کارن انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ پنڈت نہرو کی ہدایت پر میں انہیں منانے گیا میں نے انہیں اپنی طرف سے پورا بھروسہ دیا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو ہندوستان کے خلاف ہو' انہوں نے مجھے اور باتوں کے علاوہ بتایا تم پاکستان کا خیال ذہن سے نکال دو، یہ زیادہ دیر تک چلنے والا نہیں، جناح زیادہ دیر تک

اب جیے گا نہیں اور لیاقت علی خان اب رہے گا نہیں۔ پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا تم اپنی ساری توجہ ہندوستان کے ساتھ مبذول کرو!"

شیخ محمد عبداللہ کا یہ بیان ان کی کتاب "آتش چنار" سے حذف کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت برسوں تک چھپائی جا سکتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے نہیں۔

یہ ساری کاروائی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے انتقام میں مضمر تھا۔ انہوں نے پاکستان سے ایسا انتقام لیا جو تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اپنانے میں نہرو نے جو رول ادا کیا اس سے صاف دکھائی دیتا ہے وہ جناح کے مقابلے میں زبردست دوراندیش تھے۔



پنڈت جواہر لال نہرو کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے دوستی اور ان کی بیوی کے ساتھ خاص تعلقات نے مسئلہ کشمیر پر ایک خاص اثر ڈالا۔



ایک تاریخی تصویر ـــــ جبکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی میں بانیٔ پاکستان کو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف دلوایا حلف اٹھانے کے بعد جناح صاحب آئین ساز اسمبلی کے ممبروں کے سامنے انتقالِ اقتدار کی دستاویز پڑھ رہے ہیں

لارڈ مونٹ بیٹن کے چہرے سے صاف عیاں ہے وہ کتنا ناراض ہے۔ ان کے ماتھے کی شکن انتقامی جذبے کو اجاگر کر رہے ہیں۔





اوپر:۔ جموں سے پاکستان جانے والے رفیوجی۔
نیچے:۔ جموں میں رفیوجی کیمپ میں مہاجرین کو امداد دی جارہی ہے۔
شیخ صاحب نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا تو اپنے آپ کو مرکزی سرکار کی نظر میں مشکوک بنا دیا۔



پاٹیشن میں برصغیر کے عوام کی اتھل پتھل کا ایک منظر۔

تری رہبری کا یہ فیض ہے قدم اہل شوق کے رُک گئے
نہ کہیں جواز سفر ملا نہ کوئی دلیل قیام ہے

عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام

علاقہ پونچھ میں حالات خراب ہونے لگے اور بغاوت کی چنگاریاں سلگنے لگیں تو کشمیر دربار نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے وزیراعظم رام چند کاک کو پونچھ روانہ کیا لیکن یہاں کے لوگوں نے کوئیٹ کشمیر" تحریک کی پاداش میں لیڈران قوم کی گرفتاریوں کے خلاف بطور احتجاج وزیراعظم سے نے سے صاف انکار کیا اور بات چیت کے لیے مہاراجہ کو بھیجنے کے لیے کہا۔ ڈوگرہ راج کے خلاف ندری میں سدھن بڑے سرگرم تھے ان کے لیڈر سردار محمد ابراہیم خاں اور صوبیدار خان محمد خاں یاں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ رام چند کاک کی ناکام واپسی کے بعد مہاراج ہری سنگھ نے ات خود سدھنتی کے عوام سے ملنے کا فیصلہ کر لیا مہاراجہ کے اس فیصلے سے کانگریس کو تشویش تق ہو گئی۔

سردار محمد ابراہیم خاں، خان محمد خان اور خان عبدالقیوم خان مہاراجہ کے ساتھ بات چیت نے کے لیے راولاکوٹ آئے انہوں نے بڑے پیمانے پر مہاراجہ کے سواگت کی تیاریاں کیں یہ لوگ پنے ساتھ علاقہ باغ اور سدھنتی سے تعلق رکھنے والے دوسری جنگ عظیم کے ریٹائرڈ سپاہیوں اور فسروں کو بھی لائے تاکہ وہ مہاراجہ کا گارڈ آف آنر پیش کر سکیں، دلی میں پنڈت نہرو کو مہاراجہ استقبال کی تیاریوں کی اطلاع مل گئی تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے فوری طور لارڈ نٹ بیٹن کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ چنانچہ لارڈ صاحب نے اپنا خاص ایلچی روانہ کیا جنہوں نے اجہ ہری سنگھ کے انگریز صلح کار سے رابطہ قایم کیا۔ یہ صلح کار مہاراجہ کے پونچھ دورے کے ران ان کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ اس صلح کار نے مہاراجہ کو گیسٹ ہاؤس میں بتایا ہمیں ابھی ابھی اع ملی ہے سردار ابراہیم خان سابقہ فوجیوں کی مدد سے مہاراجہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے لا ہے وہ ہم سب کو گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا آگے جانے اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے وگرام منسوخ کیا جائے۔ مہاراجہ صلح کار کی باتوں میں آ گیا اور تحصیل باغ و سدھنتی کے عوام سے ملے

بغیر ہی پونچھ چلا گیا۔

جب ان لوگوں کو پتہ چلا مہاراجہ ان سے ملے بغیر روانہ ہو چکا ہے تو انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ سردار محمد ابراہیم خاں اور خان عبدالقیوم خاں نے استقبال کے لیے آئے ہوئے عوامی اجتماع میں فرمایا۔ "جو مہاراجہ ہم سے ملاقات کرنے کے لیے تیار نہیں ہم ان کے احکامات ماننے کے لیے



تیار نہیں ہیں۔" عوام کے سامنے انہوں نے حلف لے لیا ہم مہاراجہ سے اس توہین کا بدلہ لیں گے۔ سردار محمد ابراہیم خان نے سابقہ فوجیوں اور بعض جوانوں کی ایک پلٹن تیار کر لی اسے آزاد فوج کا نام دیا گیا۔ چنانچہ

جونا گڈھ کے مقام پر یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عارضی متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا اور نواب جونا گڈھ کو معزول کیا گیا، مفتی ضیاء الدین ضیاؔ کو عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا صدر بنانے کی تجویز پیش کی گئی لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا، کافی غور و خوض کے بعد قرعہ فال خواجہ غلام نبی گلکار انور کے نام پڑا۔



۲؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات کے مقام پر ایک اور میٹنگ ہوئی جس کی صدارت غضنفر علی خاں نے کی، ملک عبدالرحیم خادم، گجراتی پلیڈر سے متوازی حکومت کا مسودہ تیار کرایا گیا اور اس کے نقول امیر عالم صاحب کوٹلی، چوہدری رحیم داد صاحب اور مرزا صاحب لاہور کو بھیجدیئے گئے۔

۳؍اکتوبر کو بمقام پیرس ہوٹل ریلوے پل راولپنڈی میں کارکنوں کی میٹنگیں ہوئیں۔ آخر مسودہ پاس ہو کر خواجہ غلام نبی گلکار انور سے بحیثیت صدر دستخط لیے گئے اور عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان ہوا، مہاراجہ ہری سنگھ کے نام اِن کی معزولی کا تار راولپنڈی تار گھر سے دے دیا گیا۔ اس تار کے نقول ہندوستان

اور پاکستان کے اخبارات کے علاوہ پاکستان انٹرنیشنل کو بھی بھیجدیئے گئے۔

پاکستان ٹائمز کے نمائندے مسٹر بشارت اور احمد گل کوثر مدیر اخبار "ہمارا کشمیر"، مظفرآباد نے ممبران کیبنٹ کی اجازت سے سردار محمد ابراہیم خان پرائم منسٹر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا بیان تیار کر کے شائع کر دیا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور بانی صدر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے بیان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کے ایک بجے رات کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی کے ساتھ عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام بمقام مظفرآباد عمل لایا گیا اور غلام نبی گلکار اس حکومت کا پہلا صدر رہے۔

۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل راولپنڈی حسب ذیل وزیر اور عہدیدار مقرر ہوئے۔

صدر عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" غلام نبی گلکار انور

پرائم منسٹر: سردار محمد ابراہیم خاں

وزیر مالیات:۔ سید نذیر حسین شاہ

وزیر دفاع:۔ مولوی غلام حیدر جنڈالوی

چیف پبلسٹی آفیسر:۔ گل احمد خان کوثر

میٹنگ میں یہ فیصلہ بھی لیا گیا کہ خواجہ غلام نبی گلکار کو سرینگر روانہ کر دیا جائے اور ان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انڈر گراؤنڈ حکومت میں جس کو چاہے وزیر بنا سکتے ہیں۔ ۴ اور ۵؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مظفرآباد ریڈیو سے پے در پے عارضی "جمہوریہ حکومت کشمیر" کے قیام کا اعلان ہوتا رہا۔

۶؍اکتوبر کو گلکار صاحب سرینگر کی طرف روانہ ہوئے تو دومیل پل کے پاس انہیں عبدالرحیم درانی ملے جن کو عارضی صدر ڈیفنس سیکرٹری نامزد کر کے انہیں کشمیر چھوڑ دینے کو کہا خواجہ غلام الدین وانی کو بھی لاہور جانے کی ہدایت دی گئی۔

خواجہ غلام نبی گلکار ۸؍اکتوبر کو شیخ عبداللہ سے ان کے آبائی گھر صورہ میں ملے ان کے درمیان خفیہ مٹنگوں کے کئی دور ہوئے یہاں پر عارضی حکومت کے لیے جو وزیر اور عہدیدار نامزد کیے گئے۔ ان وزراء اور عہدیدا ان کے بارے میں اخبار "ہمارا کشمیر" مظفرآباد سے جو تفصیلات ملی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

وزیرتعلیم ،مسٹرعلیم (ڈاکٹرنذرالاسلام پی ایچ ڈی)

وزیرزراعت :۔ مسٹرفہیم (اندرون کشمیرسے پوشیدہ)

وزیر عدل وانصاف (اندرون کشمیرسے پوشیدہ)

وزیرصحت وصفائی :۔مسٹرلقمان (ڈاکٹر وزیر احمد خاں)

وزیرصنعت وحرفت (اندرون کشمیرسے۔پوشیدہ)

گورنرکشمیر:۔ (اندرون کشمیرسے۔ پوشیدہ)

ڈائریکٹرریشم خانہ (پوشیدہ)

ڈائریکٹرمیڈیکل سروس : (ڈاکٹربشیرمحمود وانی پونچھ)

چیف انجینئر (خلیفہ عبدالمنان صاحب)

انسپکٹرجنرل آف پولیس : (مسٹرحکیم صاحب)

سیکرٹری فارٹرانسپورٹ : (مسٹررحمت اللہ آف چراغ دین اینڈسنز)

ڈپٹی پبلسٹی آفیسر:۔ (خواجہ عبدالغفارڈار)

انڈرگراؤنڈ گورنمنٹ کی تشکیل جوراولپنڈی اوراس کے علاوہ صورہ سرینگرمیں ترتیب دی گئی فوجی رضاکاروں کومنظم کرنے کے لیے مسٹرجون (فلکشمس نام) کوبحیثیت کمانڈرانچیف مقررکیا گیا اورمہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کی سکیم کی تعمیل میں غوروخوض کیا گیا۔ اس اسکیم کوپایہ تکمیل تک پہچانے کے لیے کیپٹن بدرالدین، کیپٹن جمال الدین، مرزامیاں عبدالرشید ایم۔ایل۔اے کے علاوہ اورکئی ریٹائرڈ فوجی آفیسروں کا تعاون حاصل کیا گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کاآپریشن کارونیشن ہوٹل لال چوک کے ایک کمرے میں ترتیب دیا گیا۔

شیخ محمدعبداللہ کو محمدعلی جناح سے ملنے کے لیے دن اوروقت مقررکیا گیا۔

جہادکشمیرسے پہلے عارضی ''جمہوریہ حکومت کشمیر'' کے چیف پبلسٹی آفیسراحمدگل کوثر کی طرف سے ایک مفصل منشورتیارکرلیا گیاجس کا اعلان جنگی بگل بجتے ہی کیا جانا تھا۔یہ ایک قسم کاسیاسی منشورتھا جس میں جہاد کی غرض وغائت اورکشمیرکوفتح کرنے کے بعد نظم ونسق کی تشکیل اوراہل کشمیرکی حق خودارادیت وغیرہ سب شامل تھا۔یہ مسودہ نامور

شاعرفیض احمدفیض سابقہ ایڈیٹر ''پاکستان ٹائمز'' کی مدد سے تیارکیا گیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کے ساتھ ان کی وفادارفوج کے ساتھ برسرپیکار ہونے کی صورت میں گولی کا جواب گولی سے دینے کے لیے لاہورسے خفیہ طورپربندوقیں پستول اوردستی بم منگوائے گئے، جولاہورسے روانہ ہونے کے باوجودسرینگرپہنچ نہیں پارہے تھے۔ بخشی ~~غلام محمد اور~~ غلام محمدصادق، سوہن لال موٹرکمپنی کے ڈرائیورغلام محمدڈار کی مدد سے راولپنڈی روانہ ہوگئے تھے۔ یہ دونوں سامان حرب حاصل کرکے سرینگرروانہ کررہے تھے لیکن یہ سامان کہاں گیا اس کے بارے میں کسی کوکوئی پتہ نہ چل سکا۔

غلام نبی گلکارکی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کی معذولی کے حکم کے ساتھ ہی ڈوگرہ حکومت چوکنا ہوگئی چنانچہ میرپوراورپونچھ کمک روانہ کی گئی تاکہ کسی بھی قسم کی شورش کودبایا جاسکے۔ڈوگرہ حکومت نے راولپنڈی سے سرینگرتک راستے پرنگرانی کا ایک جال بچھادیا تھا۔اس لیے اندازہ یہی کیا جاسکتا کرجوگولہ بارودلاہورسے سرینگرآرہا تھا وہ راستے میں ہی پکڑا جاتا تھا۔

حکومت کی طرف سے میرپوراورپونچھ فوجی کمک بھیجنے سے وہاں کی صورت حال سخت نازک ہوگئی۔ ان علاقہ جات میں مسلمان نہتے ہونے کے باوجود بے جگری سے ڈوگرہ فوج کا مقابلہ کررہے تھے۔

مسلم کانفرنس کی قیادت نے پونچھ، میرپوراورمظفرآباد کے علاقوں میں آزادی کی تحریک کومنظم کرنے کی کوشش کی اورکشمیری مسلمانوں میں یہ جذبہ بیدارکیا کہ اب وہ مہاراجہ کی غلامی کسی بھی صورت میں برداشت نہ کریں، چنانچہ ریاست کا ایک بڑاحصہ ڈوگرہ راج کے چنگل سے آزادکرلیا گیا۔

اسی دوران سرینگرمیں غلام نبی گلکارانور کی گرفتاری کی خبرپھیلتے ہی یہ مسئلہ سامنے آیا کہ اب کن کوصدربنایا جائے۔ پاکستان گورنمنٹ کی یہ خواہش تھی کہ ''عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر'' کا صدرپڑھا لکھا اورمعروف سیاستداں ہونا چاہیے انہوں نے اپنی طرف سے اس کے لیے تین نام تجویزکیے۔

(۱) میرواعظ مولوی یوسف شاہ (۲) چوہدری حمیداللہ خان (۳) سردارمحمدابراہیم خان چوہدری حمیداللہ خاں نے اس پیش کش کوقبول کرنے سے انکارکیا کیونکہ ان کے کنبے

کے افراد سرینگر اور جموں میں ہونے کے سبب وہ مصائب کے شکار بنائے جاسکتے۔ مولوی یوسف شاہ کے بارے میں اختلافات کی گنجائش موجود تھی لہٰذا سردار محمد ابراہیم خاں صدر منتخب ہوئے۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان نے رات کے خبروں کے بلیٹن میں یہ خبر بھی نشر کی کہ ترار کھل میں مجاہدین آزادی نے سردار ابراہیم خاں کی قیادت میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت "آزاد کشمیر" کے نام سے قائم کی ہے۔ ساتھ ہی صدر آزاد کشمیر کا یہ اعلان بھی نشر ہوا۔

"آج سے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت ساری ریاست میں منسوخ ہوتی ہے اور نئی حکومت ریاست کا نظم و نسق سنبھال چکی ہے۔ یہ حکومت اپنے عوام کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرے گی، ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے تمام غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرے گی "آزاد کشمیر" کی حکومت ہند سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اس حکومت کو تسلیم کرے اور اس کی امداد کرے کیونکہ یہی عوام کی جائز اور صحیح حکومت ہے۔"

اس کے ساتھ ہی "آزاد کشمیر" حکومت کی نشریات شروع ہوئیں۔ سردار محمد ابراہیم خان کابینہ کا اعلان ہوا۔

سردار محمد ابراہیم خاں۔ صدر
سید علی شاہ ۔ ڈیفنس منسٹر
چوہدری عبدالرحمان خاں ۔ ریونیو منسٹر
ثناءاللہ شمیم ۔ وزیر سول سپلائیز
خواجہ غلام الدین وانی ۔ ہوم منسٹر
میر واعظ یوسف شاہ ۔ وزیر تعلیم
سید نذیر حسین شاہ ۔ وزیر خزانہ

بعد میں اس کیبنٹ میں توسیع کی گئی۔

حکومت آزاد کشمیر صدر مقام دریائے جہلم کے قریب پونچھ کے ایک قصبے پلندری کو مقرر کیا گیا۔ پونچھ شہر کے ساتھ سارا علاقہ، ضلع راجوری اور ضلع میرپور سے اکھنور تک کا سارا علاقہ ڈوگرہ تسلط سے آزاد ہو چکا تھا۔ اکھنور کے فوجی کیمپ کا گولہ بارود اور ہتھیار

مجاہدین کے ہاتھ لگ گیا۔

جموں شہر ڈوگرہ راج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بھمبر شہر میں وہاں کے شہریوں نے ڈوگرہ سپاہیوں کو شکست فاش دے کر بھگا دیا تھا اُدھر مظفرآباد سے آزاد فوج قبائلیوں کی مدد سے مظفرآباد کو ڈوگرہ سپاہیوں سے خالی کرا کر سرینگر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

چھکوٹی کے مقام پر انہوں نے اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ یہاں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے مجاہدین بندوارہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

اُدھر گلگت کی طرف پورا گلگت ان کے قبضے میں تھا۔ لداخ کا کچھ علاقہ بھی اُن کے کنٹرول میں آ گیا تھا۔

سردار محمد ابراہیم خاں نے اپنی کتاب "دی کشمیر ساگا۔" میں لکھا ہے۔

"آزاد فوج تعداد کے لحاظ سے بے حد قلیل تھی اور ہتھیار تو ان کے پاس نہ ہونے کے برابر تھے اس کے باوجود آزاد فوج کا اس قدر وسیع و عریض علاقے ڈوگرہ راج سے آزاد کرا لینا ایک معجزہ سے کچھ کم نہ تھا ـــــ لیکن تاریخ میں اس طرح معجزوں کی مثالیں بھی کم نہیں۔"

میجر جنرل فضل مقیم کی کتاب "دی اسٹوری آف دی پاکستان آرمی" میں لکھا ہے۔ ۲۲ر اکتوبر کو کشمیری مجاہدین کی امداد کے لیے شمال مغربی سرحدی صوبے سے قبائلی مجاہدین ریاست میں داخل ہوئے ـــ ریاستی مسلمانوں کی حالت زار کی داستانیں سن کر پاکستان کے مسلمانوں کا زیادہ دیر تک خاموش تماشائی بنے رہنا مشکل تھا۔ اس کے باوجود حکومت پاکستان نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ اس کی فوجی مداخلت سے بھارت کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ اپنے شہریوں کو ریاستی مسلمانوں کی مدد کے لیے جانے سے مثبت طور پر روکا۔ لیکن قبائلی مجاہدین نے جو براہِ راست حکومت پاکستان کے انتظامی کنٹرول میں نہیں تھے۔ حکومت کے اِن احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ریاست کے حدود میں داخل ہو گئے۔

میجر جنرل فضل مقیم کی یہ دلیل ناقابل فہم ہے کیونکہ قبائلیوں کو کشمیر کی مہم پر روانہ کرنا پاکستانی حکمرانوں کا ایک پلان تھا۔ جس پر باضابطہ غور کر کے عمل کیا گیا۔ اِن حالات سے مہاراجہ کو سخت تشویش لاحق ہو گئی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے کہ کیا کیا جائے، فوجی کارروائی کے باوجود کئی علاقے ان کے کنٹرول سے نکل گئے۔



دائیں؛ غلام احمد عشائی، شیخ محمد عبداللہ، سعدالدین شال (بائیں)

تحریک حریت کے دوران شیخ محمد عبداللہ پچھلی صف کے لیڈر رہے۔
کانگریس نے انہیں پچھلی صف سے اٹھا کر اگلی صف میں لایا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کشمیر پر حملے کی شروعات
شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیاں

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے فیصلے سے جب ہندوستان اور پاکستان کو ڈپٹی وزیراعظم رام لال بترہ کی طرف سے آگاہ کیا گیا تو دونوں ممالک بزور طاقت کشمیر پر چڑھائی کرنے کی کارروائی کرنے لگے۔ اس بارے میں دونوں ممالک ایک دوسرے پر سبقت لینا چاہتے تھے۔

پونچھ راجوری اور میرپور میں ڈوگرہ فوجوں کے ساتھ ساتھ انگریز فوج مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی تھی ان علاقوں کے مسلمانوں کو فوجی نرغے سے بچانے کے لیے قبائلی پٹھان مقامی آبادی کی مدد کر رہی تھی کہ ہندوستان نے کشمیر پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا قبل اس کے کہ وہ اس کارروائی پر عمل کرتے پاکستان کو اس کی اطلاع مل گئی۔

۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستانی حکمرانوں نے ایک ہنگامی میٹنگ بلائی اس کی صدارت نوابزادہ لیاقت علی خاں نے کی، میٹنگ میں نواب افتخار حسین ممدوٹ، چوہدری علی محمد، قربان علی، سکندر مرزا، خان عبدالقیوم خاں، سردار شوکت حیات خاں، میجر اکبر خاں، برگیڈیر شیر خاں، شاہد حمید اور کرنل خورشید انور شامل تھے۔ میٹنگ میں طے پایا کہ میرپور اور پونچھ کی عوامی تحریک اور اس میں قبائلی پٹھانوں کی مداخلت کی آڑ میں کشمیر پر فوجی حملہ کیا جائے۔

سردار شوکت حیات خاں اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے ایک مشورہ دیا کہ حملہ سے پہلے ایک وفد کشمیر بھیجدیا جائے تاکہ ایک بار اور شیخ عبداللہ کے خیالات سے آگاہی ہوسکے جو یک طرفہ طور پر معاہدہ کو توڑ چکے تھے۔

چنانچہ محمد دین تاثیر اور شیخ صادق حسن کو سرینگر روانہ کیا گیا۔

یہ دونوں حضرات سرینگر میں شیخ عبداللہ سے ملے اور انہیں اس بات کے لیے راضی کرنے لگے کہ وہ پاکستان جاکر وہاں مسلم لیگ کے لیڈروں سے آمنے سامنے بات چیت کرے شیخ عبداللہ کے دل میں جو گرفتاری کا خدشہ تھا اور جو خدشہ ان کے دل میں ڈال دیا گیا تھا وہ انہیں پاکستان جانے سے روک رہا تھا۔

شیخ صاحب اگر ان دونوں اصحاب کے سامنے اپنا خدشہ ظاہر کرتے یا ان سے پاکستانی حکمرانوں کی شکایت کرتے تو شاید بات کھل جاتی لیکن شیخ صاحب دوسری بولی بول رہے تھے ـــــ، وہ کسی بھی صورت میں پاکستان جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

آخر کافی لے دے کے بعد انہوں نے اپنی طرف سے خواجہ غلام محمد صادق کو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ غلام محمد صادق لاہور پہنچ کر جب پاکستانی لیڈروں سے ملے تو ان کی آمد سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، چنانچہ پاکستانی لیڈروں کو اس بات کا سخت افسوس ہوا کہ انہوں نے ۱۱ ستمبر کی فوجی کارروائی کو ملتوی کیوں رکھا۔

ادھر محمد دین تاثیر اور شیخ صادق حسن جب شیخ صاحب کو پاکستان آنے کے لیے منا رہے تھے تو شیخ صاحب کو دہلی سے پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک پیغام ملا جس میں ان سے فوری طور پر دہلی آنے کی تاکید کی گئی تھی۔

شیخ صاحب مخمصے میں پڑ گئے ... "میں اِدھر جاؤں یا اُدھر جاؤں۔"

کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پاکستان کے بجائے ہندوستان جائے گا۔ اب ان کی نظروں میں پاکستان کے بجائے ہندوستان کے لیڈر قابل بھروسہ تھے۔ ہندوستان نے انہیں پاکستان میں گرفتار کیے جانے کا جو انجکشن دیا تھا وہ ان کی رگ رگ میں سرائت کر گیا تھا۔

ڈاکٹر تاثیر نے جب نا اُمید ہو کر ان سے پوچھا۔ "کیا آپ پاکستان نہیں آئیں گے؟" تو شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں! میں اُن ٹانگہ بانوں کے پاس نہیں جاؤں گا، اُن پر کوئی بھروسہ نہیں۔"

چنانچہ وہ دہلی کے لیے روانہ ہو گئے ـــــ دہلی ایئرپورٹ پر ان کا شاندار گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔

اس وقت شیخ محمد عبداللہ نہ کوئی سربراہ مملکت تھا نہ کسی ملک کا وزیر اعظم لیکن اُن کا جو شاندار گارڈ آف آنر اور استقبال کروا کر انہیں وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کا خصوصی مہمان بنانے کا اعزاز بخشا گیا یہ محض پاکستان کو نیچا دکھانے اور پاکستانی لیڈروں کو جلانے کے لیے تھا۔ بھارت نے شیخ عبداللہ کو حاصل کر کے پاکستان کے لیے جیتی ہوئی بازی ہار میں بدل دی ۔ پنڈت نہرو کی سرکاری کوٹھی ۱۷ یارک روڈ پر شیخ عبداللہ کی خوب مہمان نوازی کی گئی۔ رات کو دیر تک دونوں محو گفتگو رہے۔ کافی دیر کے بعد پنڈت نہرو نے اٹھ کر "گڈ نائٹ" کہا اور وہ اپنے سونے کے کمرے میں گئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے دروازہ کھول کر شیخ صاحب سے پوچھا۔

"آپ کچھ انجوائے تو نہیں کریں گے۔"

شیخ صاحب نے آج کی رات آرام کرنے کا اظہار کیا۔

صبح جب شیخ صاحب ناشتہ کی میز پر آئے تو پنڈت جی نے ان کو پدما جانائیڈو سے متعارف کرایا اور شیخ صاحب سے کہا جب تک آپ یہاں رہیں گے یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔



جواہر لال نہرو ـ شیخ عبداللہ ـ پدما جانائیڈو

اگلے روز ناشتہ کی میز پر ان کے ساتھ مردولا سارا بائی تھی۔ مردولا سارا بائی نے شیخ صاحب کو اپنا دوست بنایا اور مرتے دم تک ان کے ساتھ یہ دوستی نبھائی۔ دوسرے دن شام کو خواجہ غلام محمد صادق لاہور سے دہلی آئے تو پنڈت جی کی کوٹھی پر صادق صاحب نے شیخ صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجدی، صادق صاحب کو کچھ دیر کے لیے انتظار کرایا گیا۔ کمرے سے وجے لکشمی پنڈت باہر آ گئی تو صادق صاحب کو اندر بلایا گیا۔

ابھی صادق صاحب شیخ عبداللہ سے شیک ہینڈ کر ہی رہے تھے کہ پنڈت جی آ گئے اور صادق صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"کہو، پاکستان سے کیا خبر لائے ہو؟"

تینوں آمنے سامنے جب بیٹھ گئے، تو صادق صاحب شیخ صاحب سے کشمیری میں بولے "شیخ صاحب! وہ آپ کی وعدہ خلافی پر ناراض ہیں لیکن پھر بھی آپ کو بلا رہے ہیں اور بڑی امیدوں سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ محمد علی جناح نے تاکید کی ہے کہ آپ مجھ سے لاہور راولپنڈی یا پشاور جہاں آپ کی مرضی ہو مجھ سے ملیں، انہوں نے مجھے آپ کے لیے ایک خط بھی دیا۔"

صادق صاحب شیخ عبداللہ سے کشمیری میں اس لیے بولے تاکہ پنڈت جی سمجھ نہ سکیں لیکن شیخ صاحب نے فوراً صادق صاحب کی زبانی سنی باتیں پنڈت جی کو اردو میں بتا دیں اور یہ بھی بتا دیا یہ میرے لیے وہاں سے ایک خط لائے ہیں۔"

شیخ صاحب کے اس طریقہ اظہار نے صادق صاحب کی پوزیشن کچھ مضحکہ خیز بنا دی خط کے بارے میں وہ جو راز داری رکھنا چاہتے تھے وہ انہوں نے طشت از بام کر دی۔ اب صادق صاحب کو خط پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ انہوں نے اندرونی جیب سے خط نکال کر شیخ صاحب کو پیش کیا جسے انہوں نے پنڈت جی کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔

اس خط میں نوابزادہ لیاقت علی خاں نے محمد علی جناح کی طرف سے شیخ صاحب کو پاکستان آنے کی دعوت دی تھی اور ان سے تاکید کی تھی کہ آپ بھارت کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے میں فریق نہ بنیں تاکہ پاکستان کے کاز کو نقصان نہ پہنچ سکے ہم اس بات کو پھر دہراتے ہیں کہ اگر کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جائے گا تو پاکستان دفاع، رسل و رسائل اور خارجہ پالیسی کے معاملات کے علاوہ اور کسی بات کا طالب نہیں ہوگا۔ پاکستان خارجہ پالیسی مرتب کرنے میں کشمیر کے مشوروں اور مفادات کا پورا خیال رکھے گا۔

شیخ عبداللہ ابھی خط پڑھ ہی رہے تھے کہ پنڈت پریم ناتھ بزاز اندر داخل ہوئے خط مکمل ہوا تو پنڈت نہرو نے پنڈت پریم ناتھ بزاز کو ساری صورت حال سے آگاہی دلائی۔

پاکستانی لیڈروں کو شیخ عبداللہ کی ان کی دعوت ٹھکرا کر دہلی جانے کی حرکت نے سخت مشتعل کر دیا۔ وہ بھارتی لیڈروں کے ساتھ شیخ عبداللہ کی اس سازش کا توڑ کرنے کے لیے فوج کشی کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ نے جو وعدہ پاکستان کے ساتھ کیا تھا یہی وعدہ وہ ہندوستان سے بھی

کر چکا تھا۔ ان دونوں میں سے انہوں نے صرف بھارت کے ساتھ کیے گئے وعدے کا پاس کیوں کیا ــــ؟

صاف ظاہر ہے کہ آپ ابتدا سے نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ناقابل اعتبار سمجھ رہے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی اور کانگریس کے نظریات کی پیروی میں شیخ عبداللہ بھارت کے ان لیڈروں پر یقیناً سبقت لے گئے جنہوں نے مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ دراصل ملک کی تقسیم شیخ صاحب کے انا کے خلاف تھی۔ پاکستان کا وجود ان کے نظریئے کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا۔ ان کا ذہن برسوں سے کانگریس کے سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ وہ صرف کانگریس کا نظریہ قبول کر چکا تھا۔ تمام حالات پر وہ کانگریس کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور سیاسی طور پر وہ صرف کانگریس کے ہی ہمنوا رہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نیشنل کانفرنس میں رہ کر وہ کانگریس کے لیے کام کر رہے تھے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔ چونکہ مسلم لیگ کا نظریہ ان کے اپنے نظریئے کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے کشمیر کے بارے میں کانگریس کی ہر بات انہیں میٹھی اور مسلم لیگ کی بات کڑوی لگتی تھی۔

پنڈت نہرو نے کشمیر کو بھارت کا سر قرار دیا اور کہا اس سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت کوئی حقیقت نہیں شیخ صاحب نے تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا۔ محمد علی جناح نے کشمیر کو بلینک چیک کہا تو شیخ صاحب نے انہیں آستین کا سانپ کہا۔

یہاں شیخ عبداللہ پر کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا اور پنڈت نہرو کی کوٹھی پر شیخ عبداللہ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے جو روپیوں کی تھیلی پیش کی گئی اس کو بھی سودا بازی نہیں کہا جا سکتا، ایک ایسا شخص جو ذات پات اور رنگ اور نسل کے تفرقات سے دور ہو وہ مسلم لیگیوں کی بات کیسے مان سکتا تھا۔ جبکہ مسلم لیگ کو ذہنی طور پر کبھی انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔

ان حالات میں پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے راغب کرنا انہیں ایک غلط قدم اٹھانے کی طرف مائل کرنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ ورنہ اگر دوسری صورت ہوتی تو پاکستان میں ان کی گرفتاری کا شوشہ ان پر کوئی خاص

اثر نہیں کرتا، کم از کم وہ اس کی حقیقت جاننے کی ضرور کوشش کرتے۔

چونکہ انہیں لوگوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی اور عام لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے ہر صحیح اور غلط فیصلے پر آمنّا و صدقنا کر رہے تھے لہٰذا انہیں ان کے فیصلے سے باز رکھنا محال تھا۔ البتہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کے ان نظریات کے ساتھ بہت سارے لوگ اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن شیخ صاحب ایسے لوگوں سے نپٹنا خوب جانتے تھے۔

شیخ صاحب کے پاس سرینگر کے ڈرائیوروں، ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں کی جو پلٹن تھی وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج سے ہرگز کم نہ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیخ صاحب کی فوج سامان حرب سے مبرّا تھی لیکن وہ مخالفین کو دبانے اور زیر کرنے کے لیے کافی تھی ـــــ شیخ عبداللہ نے وقت وقت پر اس پلٹن کو استعمال میں لا کر مخالفین کو دبا کر رکھ دیا۔

حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ اگر شیخ عبداللہ کے پاس سرینگر کے ڈرائیوروں ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں کی پلٹن نہ ہوتی تو ریاست کے حالات آج بالکل مختلف ہوتے۔ مسلم کانفرنس کے مقابلے میں نیشنل کانفرنس الیکشن ہار جاتی تھی، لیکن اس پلٹن کے سامنے مسلم کانفرنس بے بس تھی۔

ریاست کے بیشتر لوگ شیخ عبداللہ پر کشمیریوں کی تقدیر کے ساتھ کھیلنے کا جو الزام لگا رہے ہیں اس الزام کا جتنا ذمہ دار شیخ محمد عبداللہ ہیں اس سے کہیں زیادہ یہی ڈرائیور اور قصائی ہیں۔

سرینگر کے ڈرائیوروں، ٹانگہ بانوں، قصائیوں اور پھیری والوں نے اپنے کمانڈر کے اشارے پر یہاں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کو کہیں بھی ٹکنے نہیں دیا۔ مسلم کانفرنسیوں اور مسلم لیگیوں کو اس پلٹن کے ہاتھ نہ صرف زدوکوب کرایا گیا بلکہ جہاں کہیں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کا پرچم، بورڈ اور بینر نظر آیا اس کو اکھاڑ کر پھینکوا دیا اور تب تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک اس پلٹن کے ہاتھوں وادی میں مسلم اتحاد کو نیست و نابود نہ کروایا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کوئی پس و پیش نہیں اگر شیخ عبداللہ کو سرینگر کے ڈرائیور، ٹانگہ بان، قصائی اور پھیری والے ساتھ نہ دیتے تو ہندوستان اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا، کشمیر یا تو آزاد اور خودمختار ہوتا نہیں تو اس کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوا ہوتا اور یہ ضروری نہیں

کہ یہ سب کشمیر کے مفاد میں ہوتا۔

شیخ محمد عبداللہ اصل میں چاہتے کیا تھے اور کرتے کیا تھے؟ اس کے بارے میں کوئی بھی شخص حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، شیخ عبداللہ کو سمجھنا جتنا دشوار معاملہ ہے اتنا اور کوئی معاملہ نہیں۔

۱۹۴۷ء کا سال کشمیر کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سال شیخ محمد عبداللہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہے تھے۔

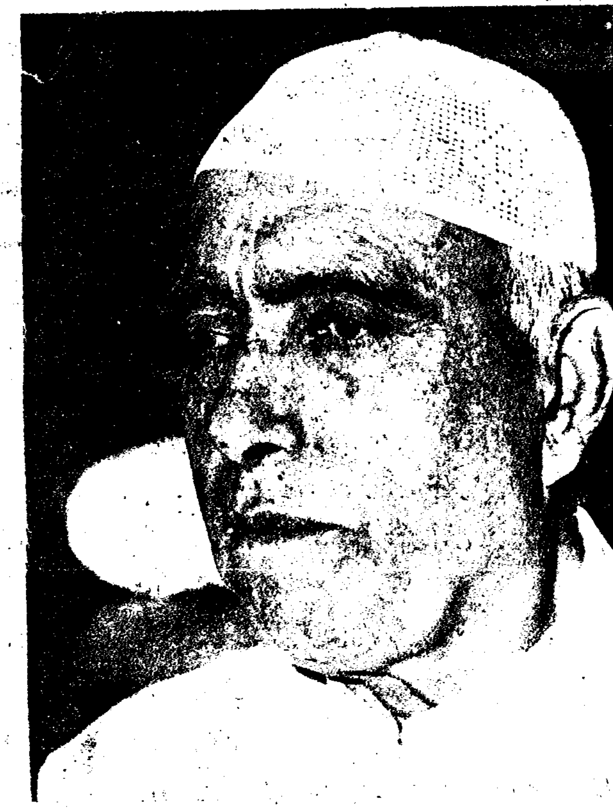
بھارتی رہنماؤں کے ساتھ عہد و پیماں کے باوجود وہ الحاق کے بارے میں پاکستان کے ساتھ سازباز کر کے بھارت کو دغا دے رہے تھے۔ اور اس کے لیے غلام احمد جوکر کے گھر میں باضابطہ میٹنگیں ہو رہی تھیں۔ ان میٹنگوں میں چوہدری حمید اللہ خان، مولوی نورالدین غلام نبی گلکار، غلام احمد قرہ، عبدالغنی ترالی، مولوی عبدالرحیم، عبدالسلام دلال، شیخ صادق حسن، صوفی محمد اکبر منشی نصیرالدین اور دوسرے احباب شامل ہوتے تھے۔ ہندوستان اور پاکستان کو چھوڑ کر کشمیر کو آزاد رکھنے کا پلان ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" میں بن رہا تھا۔ یہاں ان کے ساتھ غلام احمد عشائی، بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ، پیر افضل مخدومی بی۔ پی۔ ایل۔ بیدی، ڈاکٹر اشرف، ڈاکٹر فل ایڈ مینڈز، مس سٹا در وغیرہ شامل ہوا کرتے تھے اور اس طرح ہندوستان کے ساتھ پاکستان کو بھی فریب دیا جا رہا تھا۔

تیسرا محاذ انہوں نے لال چوک کے ہوٹل "دد کارونیشن" میں کھولا تھا یہاں مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرانے کا پلان بن رہا تھا اور تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد کشمیر کا مہاراجہ بننے کا راستہ ہموار کیا جا رہا تھا۔ ہوٹل کارونیشن کی میٹنگوں میں ان کے ساتھ مولوی غلام نبی ہمدانی، مولوی محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، غلام محی الدین زہر، ماسٹر یعقوب علی اور سردار گوہر رحمان ہوا کرتے تھے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کو ہٹانے کے لیے جو محاذ کام کر رہا تھا اس کے نزدیک ہی دوسرا خفیہ محاذ بھی کھولا گیا تھا اور اس خفیہ محاذ پر مہاراجہ کے ساتھ صلح کر کے وزارتی کونسل میں شامل ہونے کا پلان بن رہا تھا۔

اس طرح آزادی اور خودمختاری کا لباس پہن کر منہ میں رام رام اور بغل میں چھری دبا کر بیک وقت کئی ناؤ پر سوار ہو کر بھارت کے ساتھ وعدہ وفائی اور پاکستان کے ساتھ

الحاق پر کام ہو رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک میٹنگ میں شرکت کی جاتی تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ صبح کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کی میٹنگ میں شریک ہوئے تو دن کو آزادی کا پلان بنایا اور شام کو پاکستان کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کر لیا، بیچ میں اگر کچھ وقت بچا تو مہاراجہ ہری سنگھ کا دوست یا دشمن بننے کے فیصلے میں گزر گیا۔ یہ پریشانی کا ایسا عالم تھا جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔
شیخ محمد عبداللہ کو بحیثیت ایک قومی لیڈر تسلیم کرکے اور ان پر بھرپور اعتبار کرکے کشمیری قوم کے حصے میں اول اور آخر یہی پریشانی آگئی ــــــ اور بس۔!



شیخ محمد عبداللہ

باب ـــــ ۴

کشمیر پر قبائلی حملہ اس کے اسباب اور دستاویز الحاق

رہِ حیات سراسر بھری ہے کانٹوں سے
قدم قدم پہ مصیبت ہے آدمی کے لیے

جُز

میری صورت دیکھ کر محفل پریشاں ہو گئی
اب زباں پر شکوۂ بیداد لانا ہے فضول

کشمیر میں قبائلیوں کے آمد کی وجوہات

برصغیر کی تقسیم کا اعلان کرنے کے ساتھ سرکار انگلشیہ نے ریاستوں کے سراہوں کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر کسی وجہ سے یوم آزادی یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک اپنی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ نہ کر پائیں انہیں دو ملکوں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے جون کا توں معاہدہ STAND STELL AGREMENT کر لینا چاہیے تاکہ رسل و رسائل اور ڈاک و تار کا سلسلہ برقرار رکھا جا سکے اس ہدایت پر مہاراجہ بہادر نے پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ہندوستان نے اس معاہدے میں کوئی دلچسپی نہیں لی، انہوں نے کوئی بھی معاہدہ کرنے سے قبل سیاسی قیدیوں کی رہائی پر زور لگا دیا۔ کیونکہ شیخ عبداللہ کی عدم موجودگی میں یہاں اُن کے مفاد کی رکھوالی کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ مہاراجہ بہادر نے بھارت کی یہ رائے محفوظ رکھ کر پاکستان کے ساتھ عارضی معاہدہ کر لیا اس طرح ڈاک و تار اور کئی دوسرے محکموں پر پاکستانی پرچم لہرانے لگے (قبائلی حملے کی صورت میں جب بھارت کے حق میں پانسہ پلٹا تو ان محکموں کے ملازمین پر عوامی حکومت نے پاکستانی جھنڈے لہرانے کا مذلہ اُتار کر انہیں نوکریوں سے خارج کر دیا۔) برصغیر کی تقسیم کے وقت نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ اور مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری غلام عباس خاں جیل میں تھے۔ شیخ عبداللہ "کوئٹ کشمیر" اور چوہدری عباس "آزاد کشمیر" کی تحریک کے سلسلے میں مقید تھے۔

کانگریس نے شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور اس کے

کے لیے شیخ عبداللہ اور مہاراجہ کے درمیان صلح کرانے میں تیزی لائی، مہاراجہ بہادر نے یہ کہہ کر ان کی رہائی نامنظور کر دی کیونکہ انہیں باضابطہ طور پر عدالت نے سزا کا مرتکب ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن، مہاتما گاندھی، سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی کی ذاتی مداخلت کی وجہ سے یہ صورت نکل آئی کہ اگر شیخ عبداللہ مہاراجہ کا تابعدار رہنے کا اقرار کر کے ایک معافی نامہ لکھ کر دیں تو ان کی رہائی کی صورت نکل سکتی ہے۔

برصغیر کی تقسیم سے قبل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سازش کے بارے میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے اس کا آغاز اصل میں ۱۹۳۵ء میں ہوا اور اس نے حتمی صورت ۱۹۳۹ء میں حاصل کر لی اور برصغیر کی تقسیم ۱۹۴۷ء کو اسے مکمل طور پر دونوں طرف قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ وعدہ توڑ کر جب شیخ عبداللہ پاکستان جانے کے بجائے ہندوستان گئے اور دہلی میں پنڈت جواہر لال نہرو کے خاص مہمان بن گئے تو انہوں نے کشمیر پر بزور طاقت قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس دوران جموں، میرپور، پونچھ اور مظفرآباد میں مسلمانوں کے قتل عام اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے اور انہیں زندہ جلانے کے واقعات اخبارات میں شائع ہو گئے تو پاکستان کے مسلمان مشتعل ہوئے اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے مطالبے کرنے لگے۔

مسلمان مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے پاکستان میں داخل ہوئے تو ان کی زبانی مظالم کی لرزہ خیز داستانیں سن کر مظاہرے ہونے لگے اور حکومت سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ علاقہ جموں کے بیشتر مسلمانوں کا خاتمہ ہونے کے بعد اب کشمیری مسلمانوں کی مدد کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھائے۔

دراصل تقسیم ملک کے ساتھ ہی پورے صوبہ جموں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ جموں میں پاکستانی سرحدوں سے ملحقہ علاقوں میں قتل و غارت کا یہ عالم تھا جدھر دیکھو لاشیں ہی لاشیں ہیں۔ زمینوں پر فصلوں کی طرح لاشیں پڑیں مل گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ مہاجرین نے پاکستان سرحد پار کر کے پناہ لی تھی۔

۱۸ اکتوبر کے روز صرف ایک دن میں اور وہ بھی جموں شہر میں چار ہزار مسلمان قتل کیے گئے۔ آر۔ ایس۔ ایس کے رضاکار اور سکھ جوان سارے صوبہ جموں میں تلواروں

کرپانوں، رائفلوں اور آٹومیٹک ہتھیاروں سے لیس دندناتے پھرتے تھے اور جہاں کہیں مسلمان نظر آیا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یورپ کے ایک نامور مصنف لارڈ برڈوڈ نے لکھا ہے۔

"مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا ریاست میں جنگل کے اس قانون کی عملداری کے نتیجے میں ۵ لاکھ مسلمانوں کو اپنا گھربار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی اکتوبر کے اختتام تک پاکستان پہنچنے والے مہاجرین کی تعداد دس لاکھ ہو چکی تھی"

جموں کے مسلمان اقلیت میں تھے۔ اس لیے اس طرح کا کوئی جارحانہ اقدام کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے تھے جس طرح کہ پونچھ میرپور اور مظفرآباد کے مسلمان کر رہے تھے۔ اس کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے کمال بہادری کے ساتھ ڈوگروں کا مقابلہ کیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ تعداد اور اسباب میں قلیل ہونے کے سبب جان تو دے سکتے تھے لیکن ڈوگروں کو شکست نہیں دے سکتے۔

جموں کے مسلمان خاک اور خون کے آخری دنوں میں منظم ہو چکے تھے اور چند محفوظ مقامات پر قبضہ کر کے مدافعت کر رہے تھے۔ اکتوبر کے آخر میں انڈین ہائی کورٹ کے ایک جج کنور دلیپ سنگھ نے مقامی مسلمانوں سے کہا کہ اگر وہ مقابلے سے باز آئیں تو انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔

دراصل یہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کا پلان تھا۔ کیونکہ وہ جموں کے دورے پر آتے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اس یقین دہانی پر ہتھیار ڈال دیئے۔

۶ نومبر کو ستر ٹرکوں میں مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر مشتمل قافلہ پاکستان کے لیے روانہ ہوا اور جب قافلہ کوہالہ پل کے قریب پہنچا جو کشمیر اور مغربی پنجاب کی سرحد کے قریب ہے ان ٹرکوں کو روک دیا گیا۔ ایک ایک ٹرک میں کوئی ستر اور اسّی مرد و زن سوار تھے۔ ان سبھوں کو ٹرکوں سے اترنے کو کہا گیا اور پھر پہاڑی کے ایک درے کے پاس لے جا کر انہیں لائنوں میں کھڑا کیا گیا۔ حسین کنواری جوان لڑکیوں کو چن چن کر الگ کیا گیا اور باقی تمام جانوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

انسانی خون میں اپنے پاؤں ڈبو کر جب وہ ان کنواری جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے لینے لگے تو یہ منظر...... اس کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

وہ جوان کنواری لڑکی جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ اور بہن بھائی قتل کیے گئے ہوں اور اس کی عصمت لوٹنے کے لیے اسے زندہ رکھا گیا ہو، اس کی حالت کا اندازہ کرنا اور پھر ضبط تحریر میں لانا ـــــ کم از کم میرے لیے نہایت ہی مشکل ہے۔

مسٹر آئن اسٹیفن جو "اسٹیٹسمین" کے ایڈیٹر تھے۔ اپنی کتاب HORNED MOON میں لکھتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے خزاں تک تقریباً ۵ لاکھ مسلمانوں کی یہ آبادی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی ان میں سے تو دو لاکھ کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔"

لندن ٹائمز ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں نام و نشان مٹنے والے مسلمانوں کی تعداد ۲ لاکھ ۳۷ ہزار بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے ۱۵ اکتوبر سے گاؤں کے گاؤں جن میں سالیان، جنداله، سمیال، کوٹلی، نول دتا، چیراله اور ان سے ملحق دیہات شامل تھے۔ ان میں آگ لگائی گئی اور ان کے مکین زندہ جلائے گئے۔ مشکل سے ایک فیصد مسلمان زندہ بچ گئے۔ کشمیر ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر جی۔ کے۔ ریڈی نے لکھا ہے۔

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے پاکستان کی طرف جانے والے بے بس اور نہتے مسلمان مہاجرین کو غنڈوں اور سپاہیوں کے ہاتھوں گولیوں کی بوچھاڑ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ راج پور کے گاؤں میں، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے میرا اضطراب اور بھی سوا ہو گیا۔ میں نے دیکھا یہاں ریاست کے بعض آفیسروں اور فوجی حکام ایک مسلح جتھے کو مسلمان مہاجرین پر حملہ آور ہونے اور انہیں ختم کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ پورے راستے میں یہ منظر میں نے دیکھا کہ ریاست کے ہندو آفیسران نہایت آزادانہ طور پر ڈوگروں کے ہاتھوں اسلحہ اور گولہ بارود تقسیم کر رہے ہیں۔

جموں کے جس ہوٹل میں مجھے رکھا گیا تھا وہاں میں نے صرف ایک رات کو ۲۶ گاؤں جلتے دیکھے۔ ساری رات ہوٹل کے قریب مسلمان مہاجر کیمپوں میں آٹومیٹک ہتھیاروں کے چلنے اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ چاروں طرف خون آگ اور دھواں نظر آ رہا تھا۔"

لارڈ برڈ ووڈ اپنی کتاب "دو قومیں اور کشمیر" میں لکھتے ہیں۔

"جموں کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے آر۔ ایس۔ ایس کے رضاکار پورے صوبے میں پھیل چکے تھے۔ ان کے ساتھ امرتسر سے سکھوں کی ایک بہت بڑی کھیپ درآمد کی گئی تھی۔ اگست کے آخر میں، ہزار رائیفلیں جو جموں کے قلعوں میں بارود کے ساتھ موجود تھیں ان میں تقسیم کی گئیں اور انہیں آٹومیٹک ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دی گئی بعد میں چیف آف آرمی سٹاف برگیڈیر اسکاٹ نے شہادت دی کہ اسے جموں سے مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

ان سارے خونی واقعات کو سن کر اور کچھ کچھ دیکھ کر پاکستان کے مسلمان سخت جذباتی ہو گئے۔ پاکستان کے کئی شہروں میں کشمیر کے مسلمانوں کے بچاؤ میں مظاہرے ہونے لگے۔ وسط اکتوبر میں لیاقت علی خاں نے ایک تار کے ذریعے مسلمانوں پر اس ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج کیا اور مہاراجہ سے مطالبہ کیا کہ اس کی حکومت ٹھوس اقدام کے ذریعے اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے نہ صرف پاکستان کو مورد الزام ٹھہرایا بلکہ پاکستان کو معنی خیز انداز میں دھمکی بھی دی۔

وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے جواب میں لکھا۔

"پاکستان کے باشندے کشمیر کے حدود میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ کشمیری باغیوں کی مدد کر رہے ہیں اگر ان پاکستانی باشندوں کو واپس نہ بلایا گیا تو میری حکومت کشمیر سے باہر مدد طلب کرنے کے لیے مجبور ہو گی۔"

وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے اس الزام کی صاف الفاظ میں تردید کی اور تحقیقات کی تجویز جو کشمیر گورنمنٹ نے پیش کی تھی اسے اپنی منظوری دیدی۔ لیکن مہر چند مہاجن نے فوری طور پر تحقیقات کی تجویز واپس لے لی اور باہر سے امداد حاصل کرنے کی دھمکی کو "دوستانہ امداد" حاصل کرنے کی تجویز میں بدل دی۔ "روڈ ٹو کشمیر" نامی کتاب کے مصنف کے مطابق قائداعظم نے سخت احتجاج کیا اور لکھا، باہر سے امداد حاصل کرنے کی دھمکی یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی حکومت کا حقیقی مقصد محض انڈین یونین میں شامل ہونے کے لیے موقع تلاش کرنا ہے۔"

مہر چند مہاجن دراصل اس قسم کے حالات پیدا کر رہا تھا جس کے جواز میں بھارت سے امداد طلب کر کے اس کے ساتھ ملنے کا موقع ملے۔

قائداعظم نے اپنے خط میں یہ دعوت بھی دی حکومت کشمیر کو اگر پاکستان سے کوئی شکایت ہے تو اس کی حکومت کا کوئی نمائندہ کراچی آکر حکومت پاکستان سے تفصیلی گفتگو کرے نیز غیر جانبدارانہ تحقیقات عمل میں لائی جائے۔" اس کے بعد کئی تاریں کشمیر گورنمنٹ کو دی گئیں لیکن کوئی جواب نہیں گیا۔

وزیراعظم مہرچند مہاجن نے بھارت کا ایجنٹ بن کر ساری صورت حال سے مہاراجہ کو بے خبر رکھا، بھارت مہاراجہ ہری سنگھ کی ڈانواڈول پالیسی سے بدظن ہوچکا تھا اور وہ بزور طاقت کشمیر پر قبضہ کرنے کا تہیہ کرچکا تھا۔ اور اس کارروائی میں مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری بھی شامل تھی۔ اس ساری کارروائی کے بارے میں مہرچند مہاجن کو اعتماد میں لیا گیا تھا۔

انہوں نے بھارتی فوج کو کشمیر میں لانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈال کر فوجی امداد کی گنجائش پیدا کر رہا تھا ــــ پاکستان کو اس کی شہہ مل گئی تھی۔

ان واقعات کے بعد پاکستان کے لیے ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ کشمیر پر حملہ کرنے کی پہل کریں۔ ڈیلی ٹیلیگراف لندن کے نمائندے نے ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا ہے۔

"قبائلیوں کے ابتدائی حملے کی دو وجوہات تھیں جموں میں ان کی ہم مذہب بھائیوں پر ظلم و تشدد کی لرزہ خیز داستانیں اور ریاست میں بغاوت کی حوصلہ افزا خبریں۔"

چنانچہ پاکستان کے قبائلی جتھوں کو مسلح کرکے کشمیر کی چڑھائی پر بھیج دیا گیا۔

نیک ناموں نے ڈبو دی ناؤ ننگ و نام کی
اور جو بدنام تھے بدنام ہی رہتے رہے

کشمیر پر قبائلی پٹھانوں کا حملہ

کشمیر پر قبائلی حملے کی وجوہات میں علاقہ جموں کے مسلمانوں کا قتل عام اور ہندوستان کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرکے کشمیر پر بزور طاقت قبضہ کرنے کے انکشاف کا جو جواز ملتا ہے اس میں شیخ عبداللہ سے انتقام لینا بھی خارج از امکان نہیں۔ کیونکہ اُن کی نظروں میں شیخ عبداللہ علاقہ جموں کے لاکھوں مسلمانوں کے قتل اور غارت گری میں غیر مسلموں کا شریک کار بن گیا تھا۔

خان عبدالقیوم خاں نے ہندوؤں سے دوستی اور مسلمان سے دشمنی کرنے کا شیخ عبداللہ پر الزام لگایا اور کرنل خورشید انور کی سربراہی میں ریاست پر مسلح حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چوہدری محمد علی اور سر ظفر اللہ نے شیخ عبداللہ کی وعدہ خلافی اور بے اعتنائی کا سخت نوٹس لیا اور انہوں نے کشمیر کو بزور طاقت حاصل کرنے کا عزم کیا۔

اس سلسلے میں محمد علی جناح سے رائے مانگی گئی تو انہوں نے کشمیر پر یلغار کرنے سے پہلے بھارت کا راستہ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ شیخ عبداللہ کے دہلی کے قیام کے دوران قبائلیوں کا ایک جتھہ پونچھ میں ڈوگرہ فوجیوں سے برسرپیکار تھا۔ پونچھ کے ساتھ ساتھ یہ قبائلی میرپور علاقے میں بھی پھیل چکے تھے۔ قبائلی پٹھانوں کی اس نقل و حرکت پر بھارتی رہنما نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں لارڈ مونٹ بیٹن نے جنرل ڈیگلس گریسی کو پہلے ہی اپنے اعتماد میں لیا تھا۔ اس کے علاوہ پنجاب کے ڈپٹی کمشنر ایم۔ ایم احمد کو بھی اپنا ہم خیال بنایا گیا تھا۔

کشمیر کو بھارت کے ساتھ ملانے کی صورت میں پاکستانی حکمرانوں کی شرارت سے لارڈ مونٹ بیٹن، سردار ولبھ بھائی پٹیل، پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ عبداللہ پورے واقف تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس کی پہلے ہی پیش بندی کرلی تھی۔ میجر امیر افضل کی ڈائری کے مطابق محمد علی جناح نے جب پنجاب میں نواب ممدوٹ اور سرحد میں خان عبدالقیوم خان سے رابطہ قائم کیا کہ وہ کشمیر اور جموں میں رضاکار بھیجیں اس پر فیصلہ ہوا کہ ایک ہی دن میں صوبہ سرحد کے مجاہدین ایبٹ آباد سے مظفر آباد کے علاقہ میں اور پنجاب کے رضاکار سیالکوٹ، ظفروال اور شکرگڑھ سے جموں کے علاقے میں داخل ہو جائیں گے۔

سرحد پار کے مجاہدین نے تو مقررہ وقت پر مظفر آباد سے سرینگر کی طرف کوچ کرنا شروع کیا مگر سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر ایم۔ ایم احمد نے پنجاب کے مجاہدین کو جموں کی طرف جانے سے روکا۔ انہوں نے سیالکوٹ سے فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد بھیج دیا اور اس کی جگہ ۱۵ پنجاب رجمنٹ کو انبالہ سے لایا گیا۔ اس ساری کارروائی کا مقصد وقت ضائع کرنا تھا۔

ان تمام حالات سے محمد علی جناح کو بالکل بے خبر رکھدیا گیا۔

جب جناح صاحب نے پوچھا پنجاب کے مجاہدین نے جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کیوں نہیں کیا؟ تو انہیں بتایا گیا پنجاب سے مجاہدین ادھر جانے کے لیے تیار نہیں۔

محمد علی جناح نے پاکستانی فوج کے انگریز کمانڈر انچیف میسروی سے راولپنڈی میں فون کیا وہ نہ ملا۔ ان کے ڈپٹی کمانڈر انچیف جنرل گریسی سے کہا گیا کہ فوج کشمیر میں داخل ہو جائے اس کے لیے یہ عذر پیش کیا گیا کہ پہلے سر کلاڈ آکنلک سے مشورہ کرنا ضروری ہے جنرل گریسی کے ایں ٹال مٹول نے جو وہ لارڈ مونٹ بیٹن کی ہدایت پر کر رہے تھے پاکستان کے لیے مشکل ترین صورت حال پیدا کر دی۔

بقول ایڈمرل احسن لیاقت علی خاں نے فوری طور پر کابینہ کی میٹنگ بلائی جو کئی گھنٹے تک کسی فیصلے تک نہ پہنچ سکی، جب قائداعظم نے لیاقت علی خاں سے پوچھا فوج کیوں ریاست میں داخل نہیں کی گئی تو انہیں معقول جواب نہیں دیا گیا۔

انہیں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جنرل گریسی اس میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔

مختار احمد نے اپنی کتاب "مسئلہ کشمیر" میں لکھا ہے "فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک کی

اجازت کے بغیر کمانڈر انچیف جنرل گریسی کی طرف سے بھارتی فوجوں کے خلاف کارروائی سے انکار کا کوئی جواز نہیں تھا چونکہ ۳۰ جون کو افواج کی تقسیم کا طریق کار طے کرنے کے لیے پارٹیشن کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں وائسرائے ہند اور بھارتی نمائندوں کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک تھے اس اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ جب تک افواج کی تقسیم مکمل نہ ہو جائے فیلڈ مارشل آکنلک دونوں ممالک کی افواج کے سپریم کمانڈر رہوں گے لیکن اس دوران انہیں ملٹری آپریشن کے اختیارات حاصل نہیں ہونگے چونکہ افواج کی تقسیم مکمل ہو چکی تھی اور وہ اختیارات سے محروم ہو چکے تھے لہٰذا ان کی اجازت حاصل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لیے بھی کہ جس وقت جنرل گریسی نے قائداعظم کے سامنے یہ عذر رکھا کہ وہ سپریم کمانڈر آکنلک کی مرضی کے بغیر کشمیر میں فوجیں نہیں بھیج سکتا اس وقت سر آکنلک کو سپریم کمانڈر کے عہدے سے اپنی معزولی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس صورت میں وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ جنرل گریسی کو اس کی اجازت کی ضرورت پڑتی۔

راولپنڈی میں برٹش آفیسروں کا رویہ تو یہ تھا اور ادھر دہلی میں بھارتی فوج کا کمانڈر انچیف سر راب لاک ہارٹ نہ صرف یہ کہ جنگ میں حصہ لے رہا تھا بلکہ شمال مغربی سرحد میں اپنے سابقہ فوجی تجربات سے بھی انہیں مستفید کر رہا تھا ایک اور انگریز افسر میجر جنرل سر ڈڈلے رسل نے کشمیر پر بھارتی حملے کی کمان خود سنبھال رکھی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر انگریز جنرلوں نے بھارت کی طرف سے جنگ کا آغاز کرنے کے لیے سپریم کمانڈر کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تو پاکستانی کمانڈر انچیف کو اس اجازت کی کیا ضرورت تھی؟"

اس کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کانگریسی سیاست کے ایک مہرے کی حیثیت سے کھل کر سامنے آچکا تھا۔

بھارتی فوج جب دھڑا دھڑ جہازوں کے ذریعے سرینگر ایئر پورٹ پر اترنے لگی اور جہاز آسمان کی فضاؤں میں گن گرج پیدا کرکے قبائلیوں کا حوصلہ پست کرنے لگے تو پاکستان اپنا ہوائی بیڑا حرکت میں لانے کے بارے میں صلاح مشورہ کر رہا تھا۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے اس کی اطلاع برطانوی سرکار کو ہاٹ لائن پر بھیجدی تاکہ وہ

مداخلت کرکے انگریز فوج کو اس میں ملوث نہ کرے کیونکہ پاکستانی فوج کی کمانڈ اس وقت انگریز آفیسروں کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ کلیمنٹ ایٹلی نے لیاقت علی خاں کو متنبہ کیا کہ اگر پاکستان کے ہوائی جہاز ہندوستانی ہوائی جہازوں کے مقابلے میں آئے تو وہ پاکستانی فوج سے اپنے آفیسر واپس بلالیں گے۔

اس اطلاع کے ملتے ہی پاکستانی حکمران انگریزوں کی خاص طور پر لارڈ مونٹ بیٹن کی اس سازش سے واقف ہو گئے اور محمد علی جناح نے ایک ہنگامی میٹنگ میں فرمایا۔

"مجھے یہ کہنے میں اب کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ گورداسپور کے ایک ایسے حصے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا محض اس لیے بھارت کے حوالہ کیا گیا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے، پاکستان نے ریڈ کلف ایوارڈ کو دیانتداری سے قبول کیا تھا لیکن دوسری طرف شروع ہی سے نیت میں فتور تھا اور کشمیر کا جھگڑا اسی فتور کا نتیجہ ہے۔ ...."

دراصل لارڈ مونٹ بیٹن تمام حالات سے واقف تھا۔ اس لیے انہوں نے پاکستان کے اڑنے کے سارے پر پہلے ہی کاٹ دئے تھے۔ وہ بغیر پر اُڑنے لگا تو اُسے فوری طور پر اپنی لمزوری کا احساس ہو گیا۔

دراصل پاکستان میں مقیم انگریز سول اور فوجی آفیسر بھارت کے لیے مخبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ جب قبائلی خفیہ طور پر کشمیر کی طرف پیش قدمی کرنے کی تیاری کرنے لگے تو فوری طور پر اس کی اطلاع دہلی پہنچا دی گئی۔ انڈین کمانڈر انچیف کو یہ اطلاع پاکستان کے انگریز فوجی آفیسروں نے پہنچا دی۔ وی۔ پی۔ مینن نے اپنی کتاب "کشمیر اور جونا گڈھ" کی کہانی میں لکھا ہے سر جارج کننگھم گورنر صوبہ سرحد نے جنرل لاک ہارٹ کو جو ہندوستانی فوج کے کمانڈر انچیف تھے اور کننگھم سے پہلے صوبہ سرحد کے گورنر بھی رہ چکے تھے بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا کہ قبائلی پٹھان نقل و حرکت شروع کر رہے ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن کے پریس اٹاشی مسٹر کیمبل جانسن نے بھی اپنی ڈائری میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ میٹنگ میں جنرل لاک ہارٹ نے ایک ٹیلی گرام پڑھ کر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستانی فوج کے ہیڈ کوارٹر سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ تقریباً ۵ ہزار قبائلی

پٹھان مظفر آباد اور ڈومل پر قابض ہو گئے ہیں۔

اس طرح دہلی کو قبائلی پٹھان کی آمد کی اطلاع ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملی۔ ۲۵ر اکتوبر کو انڈین ڈیفنس کمیٹی کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا گیا۔ جس میں بھارتی کابینہ کے ممبران، محکمہ ریاستی امور کے سیکرٹری مسٹر وی۔ پی۔ مینن، انڈین ایر فورس اور آرمی کمانڈر انچیف اور گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن شریک تھے۔ دفاعی کمیٹی کے شرکا میں سے بیشتر کی یہ رائے تھی کہ مہاراجہ کی مدد کے لیے فوری طور پر فوج بھیجدی جائے بلکہ تینوں فوجوں کے سربراہ کو حکم بھی دیا گیا کہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت کی سکیم تیار کر کے کمیٹی میں پیش کریں۔ اس کے بعد آرمی، نیوی اور ایر فورس کے کمانڈر انچیف کا دستخط شدہ خط جاری کیا گیا اس میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ۲۵ر اکتوبر کی صبح کو ہمیں ہدایت دی گئی ہے کہ کشمیر میں سڑک اور فضا کے ذریعے فوجیں بھیجنے کا نقشہ تیار کریں۔ ۲۵ر اکتوبر کی سہ پہر کو تینوں شاخوں کے سربراہوں نے انڈین آرمی اور ایر فورس کا ایک ایک سٹاف آفیسر بذریعہ طیارہ سرینگر بھیجا۔

یہ ساری کاروائی اس وقت ہو رہی تھی جب مہاراجہ ہری سنگھ دستاویز الحاق اور فوجی امداد کی درخواست سے کوسوں دور تھا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ مہاراجہ کی طرف سے فوجی امداد کی جس درخواست پر عمل درآمد کی یہ ساری کاروائی ۲۵ر اکتوبر کو جاری تھی وہ درخواست ابھی دی ہی نہیں گئی تھی مہاراجہ نے فوجی امداد کی پہلی درخواست ۲۶ر اکتوبر کو دی۔ پی۔ مینن کے ہاتھ الحاق کی دستاویز کے ساتھ روانہ کی جبکہ کاروائی ۲۵ر اکتوبر کو ہی شروع کی گئی، اس کی تصدیق حکومت ہند کی شائع کردہ کتاب DEFFNDING KASHMIR سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ لارڈ مونٹ بیٹن کے اس خط جس میں فوجی کاروائی کا ذکر ہے۔ اس پر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کی تاریخ اور صبح نو بجے کا وقت درج ہے حالانکہ صبح چھ بجے بھارتی فوج سرینگر کے ہوائی اڈے پر اتر چکی تھی۔

اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مہاراجہ ہری سنگھ دستاویز الحاق پر دستخط کرتے یا نہ کرتے وہ فوجی امداد کی درخواست دیتے یا نہ دیتے بھارتی رہنما کشمیر میں فوجی کاروائی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اگر مہاراجہ اس کاروائی میں کسی قسم کی رکاوٹ بنتے تو پھر ان سے بھی نپٹ لیا جاتا۔ یہاں پریم ناتھ بزاز اور رام چند کاک کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر قائد اعظم نے حکم دیا کہ مختلف چھاؤنیوں سے فوج بلائی جائے اور اسے سیالکوٹ کی طرف آگے بڑھا کر جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دی جائے مگر اس حکم پر بھی بعض دشواریاں حائل ہوگئیں، یہاں پر پاکستان کو گرداسپور کی تقسیم کا احساس ہوا اور اسے یہ جاننے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ جموں کے راستے سے کشمیر جانے کا راستہ تو ہم نے خود ہی مسدود کر دیا ہے۔

چنانچہ جلد بازی میں خان عبدالقیوم خاں کی ہدایت پر کرنل خورشید انور کی سرکردگی میں پانچ ہزار قبائلی پٹھانوں کو کشمیر کی مہم پر روانہ کیا گیا۔

قبائلی جتھوں میں جو لوگ شامل تھے ان میں وزیری، مسعودی، آفریدی، شنواری، مہمد، بھٹی، اور خٹک وغیرہ قابلِ ذکر تھے۔ ۱۹ اکتوبر کو ایک بڑی لشکر ٹانک سے روانہ ہوئی جس نے ۲۱ اکتوبر کی رات مظفر آباد کے راستے ریاست کی طرف پیش قدمی کی مظفر آباد سے ان کے ساتھ میجر اسلم خاں بھی شامل ہوئے۔

اسی دوران مسلم لیگ کی طرف سے ایک ایکشن کمیٹی بنائی گئی اور اس کے صدر ریٹائرڈ آرمی آفیسر پیر محمد خان (ایئر مارشل اصغر خاں کے ماموں) بنائے گئے۔

قبائلی پٹھانوں کو مختلف گروپوں میں بانٹا گیا۔ دو ہزار افراد پر مشتمل ایک پلٹن ۲۱ اور ۲۲ اکتوبر کی درمیانی رات کو گڑھی حبیب اللہ کے راستے مظفر آباد پر حملہ آور ہوئی دو میل کے پاس کرنل نرائن سنگھ کی سرکردگی میں ڈوگرہ آرمی کی فورتھ جموں و کشمیر انفنٹری تعینات تھی اس میں سے نصف سے کم مسلمان تھے۔ کرنل نرائن سنگھ نے انہیں دومیل پل کو تباہ کرنے کو کہا تو بٹالین کے مسلمان آفیسروں اور جوانوں جن کی قیادت کیپٹن محمد اعظم خاں کر رہے تھے۔ بغاوت کر کے ان کی پل اڑانے کی کوشش ناکام بنا دی، اس حرکت کی پاداش میں مسلمانوں کی یہ ساری نفری ماری گئی لیکن کرنل نرائن سنگھ بھی ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے۔ اس لڑائی میں مظفر آباد کے ڈپٹی کمشنر مسٹر مہتہ بھی مارے گئے۔

ڈوگرہ آرمی کے چیف آف آرمی سٹاف برگیڈیر راجندر سنگھ مظفر آباد آئے تو اس وقت قبائلیوں نے مظفر آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے واپس بھاگتے ہوئے اوڑی کے پاس پل کو تباہ کر کے دو روز تک قبائلیوں کو روکے رکھا۔

اوڑی کی مقامی آبادی نے دو روز تک رات دن محنت کر کے دوبارہ اس پر پل کو چلنے

کے قابل بنا دیا۔ اوڑی سے نکل کر قبائلی جتھوں نے مہورہ پاور ہاؤس کو اڑا کر سرینگر شہر کو اندھیرے میں ڈبو دیا۔

مظفر آباد سے بارہمولہ تک قبائلیوں نے چیف آف آرمی سٹاف برگیڈیر راجندر سنگھ کے ساتھ ڈوگرہ فوج کا خاتمہ کر دیا تو مہاراجہ حواس باختہ ہو گئے۔

ڈوگرہ فوج کی ۱۰ ہزار نفری پر مشتمل اور آزمودہ کار اور منظم آرمی کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور باقی تتر بتر ہو کر رہ گئی۔

آرمی میں شامل مسلمان سپاہیوں اور آفیسروں نے بغاوت کر کے مجاہدین کا ساتھ دیا جبکہ نو سو جوان اور آفیسر بادامی باغ چھاؤنی میں روپوش رہے۔

بھارتی جنرل ایل۔ پی۔ سین "سلنڈر وار تھرڈ" میں ان مسلمان آفیسروں اور جوانوں کی بغاوت اور پوشیدہ رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قبائلی بارہمولہ میں داخل ہوئے اور اسی روز بھارتی فوج صبح چھ بج کر دس منٹ پر سرینگر کے ایئرپورٹ پر اترنی شروع ہو گئی۔

بھارتی فوج کی پہلی بٹالین لفٹننٹ کرنل رائے کی سرکردگی میں بارہمولہ پہنچی تو قبائلیوں نے صرف چند گھنٹوں میں اس بٹالین معہ اس کے کمانڈر کا صفایا کر دیا۔

کرنل خورشید انور اس فتح سے پھولے نہیں سمائے انہوں نے کشمیر کو فتح کرنا آسان سمجھا اور وہ اس فتح کے نشے میں کشمیر کا حکمران بننے کا خواب دیکھنے لگا۔ بجائے اس کے کہ وہ سرینگر کی طرف پیش قدمی کرتا انہوں نے کشمیر کو فتح کرنے کی صورت میں یہاں کا حکمران بننے کا فیصلہ کرنے کیلئے پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور وہاں سے جواب کے انتظار میں دو دنوں تک انہوں نے قبائلیوں کو روکے رکھا جب انہیں کوئی جواب نہیں ملا تو انہوں نے سرینگر کی طرف پیش قدمی کر دی اسی دوران محمد مقبول شیروانی نے انہیں راستہ کا دھوکہ دے کر ان کے پورے سولہ گھنٹے ضائع کر دئے جس کی پاداش میں شیروانی کو سولی پر چڑھا کر بڑی بے دردی سے مارا گیا۔ حالانکہ کرنل خورشید انور پاکستانیوں کی نظروں میں پھانسی کا مستحق تھا جنہوں نے سلطانِ کشمیر بننے کے لیے قبائلیوں کو دو دنوں تک بارہمولہ میں روکے رکھا۔

۲۹ اکتوبر کو قبائلی شالٹینگ پہنچے تو یہاں اِن کے مقابلے میں بھارتی فوج مورچہ بند تھی۔ یہاں بھارتی فوج کے ساتھ قبائلیوں کی دو بدو لڑائی ہوئی۔ بھارت کی طرف

سے توپ خانہ اور ایئر فورس کا استعمال ہوا تو ان قبائلیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ چنانچہ وہ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے بھاگنے لگے۔

قبائلیوں کا ایک جتھہ جس کی قیادت میجر شیر علی کر رہے تھے۔ بڈگام سے ہوائی اڈے کی طرف پیش قدمی کی اس جتھے کو ہندوستان آرمی نے روک دیا۔ ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر کو اس جتھے نے ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لڑائی کے دوران ہندوستان کمپنی کا کمانڈر میجر شرما کے ساتھ کئی سپاہی جاں بحق ہوئے۔ پاکستانی سپاہی جو لڑائی میں بچ گئے بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

۸ نومبر کو قبائلی بارہمولہ کو بھی خالی کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔ اسی روز جنرل طارق نے اوڑی کے محاذ پر آزاد فوج کی کمان سنبھالی، انہوں نے کئی پُل تباہ کرا دئے چکوٹھی کے پاس ہندوستانی فوج کی پیش قدمی روک دی گئی اس کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے مداخلت کرکے پنڈت نہرو کے ذریعے جنرل ہیرالال اٹل سے ہندوستانی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

شیخ محمد عبداللہ مظفرآباد کے مسلمانوں کو وادی کے ساتھ ملانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے پنڈت نہرو کو بتایا اگر اُدھر کے لوگ اِدھر کے لوگوں کے ساتھ مل گئے تو وہ میری حکومت کو پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لیے ایک مسئلہ بن جائیں گے۔ وہ لوگ بہادر اور زیرک ہیں لہٰذا وہ اِدھر کے لوگوں کو اکسائیں گے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ان کو الگ ہی چھوڑ دیا جائے۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کا مشورہ قبول کرکے فوج کو آگے جانے سے روک دیا۔

اس طرح یک طرفہ جنگ بندی کے بعد نیشنل کانفرنس کی والنٹیر فورس نے اوڑی سے بارہمولہ تک نظر گذر رکھنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اس کام کی نگرانی مولانا محمد سعید مسعودی اور صوفی محمد اکبر کے ذمہ رکھی گئی۔ فورس کی کمان عبدالسلام ہمدانی کامریڈ غلام محمد آف بڈگام، محمد اسماعیل بٹ، محمد جمال آخون، عبدالرحمان گلکار، غلام محمد نجار، محمد صدیق پرے اور محمد مقبول کے سپرد کی گئی۔

اوڑی سے بارہمولہ تک ہندوستانی فوج کا مکمل قبضہ ہوا تو یہ بات آشکار ہوئی کہ قبائلی حملہ آوروں نے چن چن کر یہاں کے سکھوں سے جموں کے مسلمانوں کا بدلہ لیا ہے۔

انہیں "بال والا کافر" کہہ کر قتل کیا گیا ہے۔

۱۰ نومبر کو نیشنل کانفرنس کے بعض لیڈر اپنے رضا کاروں کے ہمراہ ۲۵ لاریوں میں سوار ہو کر سرینگر سے بارہمولہ کی طرف روانہ ہوئے یہ قافلہ بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی اور صوفی محمد اکبر کی قیادت میں مسلح افواج کی نگرانی میں اقلیت کا اعتماد بحال کرنے کے لیے بارہمولہ پہنچا۔ یہاں پر ان لیڈروں نے پبلک جلسہ کیا اس جلسہ میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے ساتھ بھارتی آرمی کے میجر کلونت سنگھ، برگیڈیر سین اور کرنل پریتم سنگھ نے بھی شمولیت کی، جلسہ کے بعد یہ لوگ جلوس کی صورت میں جامع مسجد گئے جہاں محمد مقبول شیروانی کی لاش دفنائی گئی تھی۔ مولانا مسعودی نے یہاں فاتحہ پڑھی، بخشی غلام محمد نے شیروانی کو خراج عقیدت پیش کیا، صوفی محمد اکبر نے ان کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کیا۔ اسی دوران بارہمولہ کے نیشنل کانفرنسی ورکروں نے چوہدری فیض اللہ، عمراؤ خان اور مہر علی کو پکڑ کر سامنے لایا اور ان پر قبائلیوں کی طرفداری کرنے کا الزام لگایا گیا۔

اگلے روز مولانا مسعودی اور صوفی محمد اکبر کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کا والنٹیر دستہ برگیڈیر سین کی نگرانی میں بارہمولہ سے اوڑی کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں قبائلی حملہ آوروں کی طرف سے کھڑی کی گئیں رکاوٹیں ہٹانے کے بعد جب یہ قافلہ اوڑی پہنچا تو کسی بھی جگہ قبائلیوں کی شکل وصورت انہیں نظر نہ آئی اوڑی سے سات میل آگے بھارتی فوج نے چوکی کھڑی کر دی تھی۔

قبائلیوں کے واپس بھاگنے کی کاروائی سے پاکستانی حکمران سخت بے دل ہوگئے۔ قبائلیوں کی ہزیمت کا جائزہ لیا گیا تو کرنل خورشید انور قصوروار گردانے گئے۔ جنہوں نے کشمیر کا حاکم بننے کے لیے دو دنوں تک بارہمولہ میں قبائلیوں کو روکے رکھا۔ انہیں نوکری سے برطرف کیا گیا اور نئی لشکر کو منظم کرکے برگیڈیر شیر خان کی کمان میں ریاستی حدود میں داخل کیا گیا۔

جنرل اکبر خان عرف جنرل طارق کو موجودہ افواج کا چیف آف اسٹاف مقرر کیا گیا۔ جنرل طارق نے منتشر ہوئے قبائلیوں اور سابقہ فوجیوں کو اکٹھا کرکے نئے محاذ کھولے اور وہ کئی دنوں تک بھارتی فوج کے ساتھ برسرپیکار رہے۔

جنوری ۱۹۴۸ء کو انہیں واپس ہیڈکوارٹر بھیجدیا گیا اور برگیڈیر حبیب الرحمان کو چیف

آف آرمی سٹاف بنایا گیا۔ جنرل محمد زمان کیانی اس ساری کمان کے آرگنائزر اور کمانڈر انچیف تھے۔ جنرل کیانی نے پاکستان کے وزیر دفاع کے حکم سے کرنل تجمل حسین، کرنل اشرف کرنل راجہ ارشد، کرنل کمال حسین، کرنل عنایت اللہ، کرنل عبید اللہ، کرنل برہان الدین کیپٹن خضر محمد، میجر اسلم اور کیپٹن محمد یوسف کی کمان میں کئی محاذوں پر زوردار حملے کرلئے۔

ریاست میں قبائلی حملے کے ساتھ ہی افراتفری، انتشار اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا، مختلف قسم کی پریشان کن افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے بھاگنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے تو انہوں نے وادی کے اطراف سے غیر مسلم پناہ گزینوں کو محفوظ مقام پر پہنچانے کا انتظام کیا، چنانچہ ان کے لیے ضلع اننت ناگ سے ۳۶ کوچ بانوں کی خدمت حاصل کر لی گئیں۔ ان کوچ بانوں نے غیر مسلموں کو اپنے مقام پر صحیح سلامت پہنچا تو دیا لیکن خود وہ زندہ بچنے سے قاصر رہے۔ صرف ایک کوچ بان زخمی حالت میں بچ سکا اور انہی سے باقی کوچ بانوں کے سفاکانہ قتل کی اطلاع اسلام آباد کے بعد سرینگر پہنچ گئی تو ایک گرم لہر سی دوڑ گئی۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی طرف سے ایک ہنگامی میٹنگ میں غیر مسلموں کو تحفظ دینے کا فیصلہ لیا گیا تاکہ کوچ بانوں کے سفاکانہ قتل سے پیدا شدہ صورت حال کا تدارک کیا جا سکے۔ بخشی غلام محمد کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں نے ہاتھ میں ڈنڈے لے کر حساس علاقوں میں گشت لگانا شروع کیا۔

شیخ عبداللہ نے نہایت ہی عجلت میں جگہ جگہ تقریریں کر کے فرقہ وارانہ اتحاد برقرار رکھنے پر زور دیا اس سلسلے میں امیرا کدل میں انہوں نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے تلقین کی کہ وہ ریاست میں ایک ایک غیر مسلم فرد کی مکمل حفاظت کریں۔ انہوں نے والنٹیر فورس قایم کرنے کا سجھاؤ دیا چنانچہ نوجوانوں نے دھڑا دھڑ اس فورس میں نام لکھوانا شروع کیا۔ اگلے چند روز میں اس والنٹیر فورس نے امیرا کدل میں پلیڈیم کے سامنے اپنا پہلا مظاہرہ کیا۔ اسی روز یہ فورس "پیس بریگیڈ" کہلایا۔ اشتراکی نظریات رکھنے والے جوانوں نے امیرا کدل کو لال چوک کے نام سے منسوب کیا، لال چوک کو روس کے ریڈ سکوائر کے نام پر لال چوک کا نام دیا گیا۔

پیس بریگیڈ کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اس میں کوئی ۵ ہزار کے قریب جوان درج ہوگئے بعد میں اس فورس نے نیشنل ملیشیا اور پھر کشمیر ملیشیا کی صورت اختیار کرلی۔
ملیشیا کے نگران خواجہ غلام محمد صادق مقرر ہوئے۔ اِدھر بخشی غلام محمد نے بیرونی

حملے کی روک تھام اور اندرونی امن و امان کی برقراری کے لیے ایک دفاعی کمیٹی تشکیل دی اور اس کی ہیت ترکیبی بھی خود کر دی۔

جنرل کوآرڈی نیشن اور جنرل ملیشیا۔ بخشی غلام محمد
پیس برگیڈ۔ غلام محی الدین ہمدانی زہرا۔
ہنگامی اقدامات۔ غلام محمد صادق۔
دفتری امورات۔ پنڈت شیام لال صراف
پناہ گزینوں کے معاملات۔ پنڈت کیشپ بندھو۔
صحت و صفائی۔ ڈاکٹر شمبھوناتھ پشن
مواصلات۔۔ بخشی عبدالمجید
خبررسانی و معلومات۔ احسن اللہ گنائی۔
تلاشی وضبطی۔ غلام حسن میر

یہ دفاعی ڈیفنس کمیٹی اکتوبر ۱۹۴۸ء کے اختتام تک بڑی شد و مد سے کام کرتی رہی شیام لال واٹھ نے پیس برگیڈ کے درجن بھر والنٹیروں کی مدد سے بادامی باغ چھاونی کے اسلحہ خانے پر دھاوا بول کر کئی بندوقیں اور گولہ بارود حاصل کر لیا۔ چنانچہ یہ سب مہاجر حکومت کے ان سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا جو مہاراجہ کے بھاگنے کے بعد ملیشیا میں شامل ہوئے تھے۔ ان بندوقوں کے دیکھا دیکھی پیس برگیڈ کے دوسرے جوانوں نے لکڑی کے بندوق بنوا کر انہیں اپنے کاندھوں پر لے کر ان کا مظاہرہ کیا، لکڑی کے بندوقوں کا چلن اتنا بڑھ گیا کہ نیشنل کانفرنس میں جو وومنز ڈیفنس کور کی ونگ بنائی گئی اس نے بھی لکڑی کے بندوق حاصل کر کے انہیں کندھوں پر رکھ کر مارچ پاسٹ میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا۔



رشید تاثیر نے "تحریک حریت کشمیر" جلد ۳ میں وومنز ڈیفنس کور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔
"پیس برگیڈ سے ہی کئی اور نیم عسکری تنظیمیں وجود میں آئیں جن میں ہوم گارڈ، کشمیر آرمڈ پولیس، سپیشل سٹاف، فیلڈ سروے

آرگنائیزیشن قابل ذکر ہے۔ حکومت نے مردوں کے دوش بدوش خواتین کو بھی فوجی ٹریننگ دینی لازمی سمجھا۔ چنانچہ ڈیفنس وومنز کور کے نام سے ایک جداگانہ تنظیم زینب بیگم (خواجہ غلام محمد صادق کی ہمشیرہ) کی سرکردگی میں قائم کی گئی۔ جس میں اِن کے علاوہ مس محمودہ ساجدہ ضمیر احمد، ہمدم جان، ترپتھ کور، مسز متھا سنگھ، سمترا لکھوارہ، کارگی، شیلا بھاٹیہ، اوشا ہنس، سعادت ہمدانی، سمترا کوہلی، بیگم کشفی، مسز بیدی، جانہ بیگم گونی کھن، فرزی وید نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کا ہیڈ کوارٹرز نانہ پارک (جہاں اب سیکرٹریٹ کی بلڈنگ ہے) میں قائم کیا گیا۔ تقریباً پانچ سو کشمیری خواتین نے یہاں تھری ناٹ تھری چلانے کی مکمل ٹریننگ حاصل کرلی۔ مختہ بٹالین کے نام سے کشمیری خواتین رضاکاروں کو سٹریٹ فائٹ ٹریننگ دی گئی۔"

مختہ بٹالین کے بغیر بھی ایک ونگ تھی جو پیس بریگیڈ کی طرز پر شہر میں اپنی سرگرمی جاری رکھی ہوئی تھی۔ اس بریگیڈ میں درج بالا خواتین کے علاوہ زونہ گوری بھائی، فاطمہ بانو، جان بی بی ناو پورہ، نفہ آپا دولت آباد، زون دیدی ٹنکی پورہ، مسز محمد رجب، مسز جلال الدین خاتی دیدی، فضی صوفی، خاطی صوفی اور دوسری خواتین شامل تھیں۔ تحریک حریت میں ان خواتین کا کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ محترمہ ناصرہ صدیقی کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرکے کارناموں کو ضرور اجاگر کیا گیا ہے۔



ساجدہ ضمیر احمد



مس محمودہ



زینب بیگم





اوپر:- ریاست پر قبائلی حملے کا ایک منظر
نیچے:- محمد مقبول شیروانی جنہیں قبائلیوں نے راستہ بھٹکانے کی پاداش میں گولیوں سے چھلنی کردیا۔



۱۹۴۷ء کے عوامی مقابلے کا ایک منظر

کوئی تو اپنے لہجے میں دکھ کی، سکھ کی لکھوائے گا
ہم بھی بیٹھے ہیں رستے میں کاغذ، قلم دوات لئے

قبائلی حملے کے بارے میں بھارت اور پاکستان کا ردعمل

قبائلیوں کے خلاف فوجی کارروائی کے دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان کے نام ایک ٹیلیگرام زیر نمبر ۲۲۵ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء بھیجی۔

"ہمارا یہ وعدہ کہ امن و امان قائم ہوتے ہی ہم اپنی فوجیں واپس بلا لیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام کی مرضی پر چھوڑ دیں گے صرف آپ ہی کے سامنے نہیں ہے بلکہ ریاست کے عوام اور پوری دنیا کے سامنے ہے۔"

بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو کی طرف سے یہ ایک ایسی یقین دہانی تھی جس پر اعتبار کر کے ان حالات کا انتظار کیا جا سکتا ہے جس کی ضرورت تھی لیکن پاکستان نے بھارتی وزیراعظم کی اس یقین دہانی پر جو خدشہ ظاہر کیا وہ اُس تار سے ظاہر ہے جو وزیراعظم پاکستان نے برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی کے نام ۲۴ نومبر کو روانہ کیا۔

"بھارتی حکومت اور پنڈت نہرو کشمیر میں رائے شماری کا جو بار بار وعدہ کر رہے ہیں وہ محض دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے وزیراعظم نے بھارت کے وزیراعظم کی یقین دہانی پر اعتبار کیوں نہیں کیا اور انہوں نے اس یقین دہانی کو دھوکہ سے تعبیر کیوں کیا؟ اس کی وجوہات غالباً یہ تھیں۔

بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو تابع رائے شماری رکھنے کے موقع پر شیخ عبداللہ نے اس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا جب الحاق ہو گیا تو رائے شماری کی کیا ضرورت ہے۔ اس موقع پر پنڈت نہرو نے شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا "یہ سب دکھاوا ہے"۔ اس بات چیت سے پریم ناتھ بزاز واقف تھے اور انہوں نے رائے شماری کے بارے میں پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیان بات چیت کے حقائق واضح کر دئے۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لارڈ مونٹ بیٹن سر آ کنلاک اور جنرل گریسی کے ساتھ مشورہ کے بعد لاہور میں دونوں وزیراعظموں کی ملاقات کا جو پروگرام طے ہوا تھا اس میں پنڈت نہرو بیماری کے کارن شریک نہیں ہو سکے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے میٹنگ میں پنڈت نہرو کی بیماری کی تصدیق کر دی لیکن لارڈ مونٹ بیٹن کے ساتھ جو انگریز آفیسر آیا ہوا تھا اس نے قائداعظم کو صاف صاف بتایا۔ میٹنگ میں شریک نہ ہونے کے لیے بیماری کا بہانا بنایا گیا۔

چنانچہ پنڈت نہرو کی غیر موجودگی میں میٹنگ میں جو تجویزیں محمد علی جناح نے پیش کیں وہ بقول لارڈ برڈوڈ۔

"یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ جناح کی تجاویزیں نہایت منصفانہ تھیں اور مسئلے کے موثر حل کی ایک دیانتدارانہ کوشش پر مبنی تھیں ان تجاویز کو مبہم قرار دینا حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔"

بھارت نے ایک عرصے تک ان تجاویز کا جواب دینا غیر ضروری سمجھا اور جب جواب دیا تو یہ استرداد کے مترادف تھا۔ نہرو کی جوابی تجویزیں یہ تھیں۔

۱۔ پاکستان "حملہ آوروں" کو ریاست سے نکالنے کی زیادہ سے زیادہ سعی کرنے کا پکا وعدہ کرے۔

۲۔ بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں موجود رہے گی جب تک کہ حملہ آور نکل نہیں جاتے۔

۳۔ رائے شماری اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہو۔

پاکستان نے پہلی دو شرطوں کو حیلوں اور بہانوں سے تعبیر کیا اور تیسری شرط کو

قبول کیا۔

پہلی دو شرطوں کے بارے میں پاکستان کا یہ خدشہ تھا کہ اس طرح بھارت ریاست جموں و کشمیر میں بھارتی فوج کے راستے میں مزاحم ہونے والی ہر چھوٹی بڑی قوت ہٹا رہا ہے۔ تاکہ اس کی فوجیں پوری ریاست پر آزاد علاقوں کے بشمول آسانی سے قبضہ کر سکیں اور ایک بار جب پورا قبضہ ہو جائے تو بھارت معاملے کو (FAIT ACCOMPLI) بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو جائے، پھر نہ اسے انجمن اقوام متحدہ استصواب عام کرنے پر مجبور کر سکے گی اور نہ ہی پاکستان۔

بالفاظ دیگر پنڈت نہرو کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے پوری ریاست پر ہمارا قبضہ ہونے دیجئے پھر بھارتی فوج کی موجودگی اور شیخ عبداللہ کی حکومت کی نگرانی میں استصواب بھی کرائیں گے۔

اسی خدشہ کے کارن انہوں نے بھارت کے وزیراعظم کی یقین دہانیوں پر اعتبار نہیں کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت وزیراعظم آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کو قوم کے نام خطاب کرتے ہوئے قبائلی حملے کے بارے میں فرمایا۔

"آپ نے سنا ہو گا کہ تقریباً ایک ہفتہ قبل انڈیا کی فوجیں کشمیر بھیجی گئی ہیں اس طرح سے افواج کا بھیجا جانا ایک عجیب بات تھی آپ نے اس وقت سمجھا ہو گا کہ کوئی بڑا خطرہ پیش ہے جس کے لیے تیزی سے انتظامات ہو رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک بڑا خطرہ در پیش آ گیا نہ صرف کشمیر کے لیے بلکہ تمام ہندوستان کے لیے اور ہمیں نہایت ہی پیچیدہ اور اہم فیصلہ بڑی تیزی سے کرتے پڑے ہیں۔

ہمارے کچھ بھائی جو پاکستان میں رہتے ہیں انہوں نے حکومت ہند پر الزام لگایا ہے کہ ہماری حکومت نے تشدد سے کام لیا ہے اور دھوکہ دیا ہے پاکستان کی حکومت نے یہ الزام لگاتے ہوئے جو زبان استعمال کی ہے وہ کسی ذمہ دار کی زبان نہیں ہو سکتی اور ضروری نہیں کہ میں بھی اسی زبان میں جواب دوں کیونکہ میں ایک ذمہ دار حکومت اور عوام کی طرف سے بول رہا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ دھوکہ ہوا اور تشدد کیا گیا، میں کہتا ہوں یہ دونوں باتیں ہوئیں مگر کس کی طرف سے ہوئیں؟ اور اس کا ذمہ دار

کون ہے؟ کشمیر میں یکایک فوجیں بھیجی گئیں، لوگوں کا قتل و غارت ہوا، لوٹ مار کیا گیا اور قصبات جلا کر برباد کیے گئے پہلے یہ سلسلہ جموں کی طرف سے جاری ہوا اس کے بعد یہ پھیلتا گیا — اگر ہم ذرا بھی دیر سے کام لیتے تو اتحاد اور بھروسہ کی سرحدوں کو دغا دینے کا الزام ہم پر عاید ہوتا اور یہ بزدلی کے ساتھ تلوار، لوٹ مار قتل و غارت اور عصمت دری کے سامنے سر جھکانے کے مترادف ہوتا۔ جس کی ذمہ داری کشمیر کی جانب سے بلکہ سارے ملک کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی — کچھ دنوں سے کشمیر گورنمنٹ ہم سے ہتھیار اور فوجی امداد کا مطالبہ کر رہی تھی ہم نے اس پر کافی سوچ بچار کیا اور ۲۴ اکتوبر کو معلوم ہوا ۲۲ اکتوبر کو ہتھیار بند لوگ کشمیر کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں — اسی رات کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ کشمیر ہند یونین کے ساتھ الحاق کے خواہشمند ہیں — اور ہمارے پاس نہ صرف مہاراجہ کشمیر بلکہ کشمیر کے عوامی نمائندہ جماعت نیشنل کانفرنس اور اس کے عظیم الشان لیڈر شیخ محمد عبداللہ کی جانب سے بھی مطالبہ ہوا کہ کشمیر میں فوجی امداد بھیجی جائے جسے ہم نے منظور کیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ طے پایا کہ الحاق کا فیصلہ آخری ہونا چاہیے۔ آخری فیصلہ وہی ہو سکتا ہے جو ریاست میں امن و امان قائم ہونے کے بعد وہاں کے لوگ آزادانہ رائے سے کریں گے۔

ہم نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ جہاں کسی ریاست کے الحاق پر کوئی تنازعہ ہو وہاں اس مسئلے کو رائے عامہ پر چھوڑ دیا جائے اور جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے میں کہنا چاہتا ہوں کہ امن و امان جوں ہی قائم ہو جائے گا کشمیر کی نسبت مسئلہ الحاق کو ایک بین الاقوامی ادارے کی نگرانی میں رائے عامہ سے طے کیا جائے گا اور اسی نگرانی میں یہاں کے لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ لوگوں کا جو فیصلہ ہو گا وہ ہم کو منظور ہو گا۔

۲۶ اکتوبر کو یہ فیصلہ کیا کہ ۲۷ اکتوبر کو کشمیر میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجیں بھیج دیں، ان فوجوں نے آج تک کافی بہادری اور شجاعت دکھائی، نیشنل کانفرنس کے رضا کاروں اور لوگوں نے ان دنوں جو کام کیا ان کی میں تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتا سرینگر کا بچایا جانا ایک معجزہ سے کم نہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں حب الوطنی کا جذبہ کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ میں اس موقعہ پر مہاراجہ کشمیر کو مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں جنہوں نے نظام حکومت کی باگ ڈور عوامی زعماء اور رائے عامہ کے ترجمان شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ میں دوسری ریاستوں کو اس کی تقلید کرنے کی دعوت

دیتا ہوں۔

حکومت ہند کو پاکستان سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ ان حملہ آوروں کو کشمیر کے اندر آنے کی اجازت کیسے دی گئی انہیں کس نے مسلح کیا اور انہیں کہاں سے امداد ملتی ہے؟ اگر یہ لوگ حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر وہاں گئے تو کیا ہم مان لیں کہ پاکستان اتنا کمزور ہے کہ وہ ان حملہ آوروں کو اپنی سرزمین سے گزرنے سے نہیں روک سکتا اور اگر اجازت دی ہے تو کیا یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ہم نے پاکستان والوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان حملہ آوروں کو اپنے علاقوں سے باہر نکالیں اور کشمیر سے واپس بلالیں، انڈین یونین کشمیر میں اپنی فوجیں مقیم نہیں رکھنا چاہتا امن قائم ہوتے ہی وہ واپس بلالی جائیں گی۔ لیکن جب تک حملہ آوروں کا سلسلہ جاری رہے گا تب تک ہم نے کشمیر کی حفاظت کے لیے حکومت کشمیر کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ ان کے ساتھ اقرار و عدہ پر ہم پوری پابندی کے ساتھ قایم رہیں گے۔"

وزیر اعظم ہند کے اس نشری تقریر کا جواب پاکستان کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان نے دو دن بعد یعنی ۴ نومبر کو ان الفاظ میں دیا۔

"کشمیر سے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے کشمیر کی موجودہ بغاوت اس کی اہم کڑی ہے۔ کشمیری باشندوں کی اس جدوجہد میں صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں رہنے والے ان عزیز و اقربا اپنے بے کس و بے بس بھائیوں کی مدد کے لیے دوڑ پڑے جنہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ زندہ جلایا گیا — عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور قتل و غارت گری کا بدترین مظاہرہ کیا گیا۔ کشمیر کے غلام باشندوں کی اس بغاوت کو بیرونی حملے کا نام دینا ناانصافی اور حقائق سے آنکھیں موند لینے کے مترادف ہے۔ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق ایک دھوکہ ہے جو پاکستان کے لیے حفاظتی خطرہ ہے پاکستان اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ ہمارے دل ان لوگوں کی جدوجہد کے ساتھ ہیں جن کی یہ خواہش ہے کہ وہ آزادی کے لیے زندہ رہ جائیں یا مر جائیں آج اگر ان کے دشمنوں کے منصوبے کامیاب ہو گئے تو وہاں کے مسلمان بھی اسی طرح ملیامیٹ ہو جائیں گے جس طرح ہندوستان کے دیگر صوبوں میں ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ کو بھارت

آج اپنے حق میں استعمال کر رہی ہے جبکہ وہ ان کا ایک زرخرید غلام ہے۔"

نواب زادہ لیاقت علی خاں کے اس ریڈیائی تقریر کو حکومت ہند نے لغو کہہ کر مسترد کیا اور اپنی دلیل میں وزیراعظم پاکستان کے نام ۷ر نومبر کو ایک تار روانہ کیا جس کا حاصل مضمون یہ تھا۔

"وزیراعظم پاکستان کی ۴ نومبر کی نشری تقریر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لارڈ مونٹ بیٹن کو محمد علی جناح کی پیش کردہ تجاویز دہرائیں اور سرحدی جھڑپوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ یہ جھڑپیں سٹیٹ پولیس اور ملیشیا کے درمیان ہو رہی ہیں اس میں کسی تیسری پارٹی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔"

اس تار کے جواب میں پاکستان نے فوری طور پر تار کے ذریعے ہی حکومت ہند کے سامنے اپنے موقف کی دلیل میں کپور تھلہ، بھرت پور، پٹیالہ اور فرید کوٹ میں مسلمانوں کے قتل عام کو ہندوستان کی سازش قرار دیا اور مسئلہ کشمیر پر ہندوستان کی گرفت سراسر ناجائز اور اخلاق سے بعید قرار دیا۔

۸ر نومبر کو لارڈ مونٹ بیٹن نے دہلی میں ہند اور پاکستان کے چوٹی کے نمائندوں کی ایک میٹنگ رکھی، پاکستان کی طرف سے نہ گورنر جنرل محمد علی جناح اور نہ ہی وزیراعظم لیاقت علی خاں، دہلی آئے بلکہ ان کی طرف سے چوہدری محمد علی اور عبدالرحیم نشتر نے میٹنگ میں شرکت کی، اس میٹنگ میں مندرجہ ذیل تجاویز حکومت ہند کی طرف سے پیش کی گئیں۔

۱۔ حکومت پاکستان عوامی سطح پر قبائلیوں کو مجبور کریں کہ وہ کشمیر سے واپس نکل جائیں۔

۲۔ حکومت ہند اسی صورت میں اپنی فوج کو واپس بلائے گی جب قبائلی واپس چلے جائیں گے اور حالات معمول پر آئیں گے۔

۳۔ حکومت ہند اور حکومت پاکستان مشترکہ طور پر اقوام متحدہ سے رجوع کرے گی کہ وہ کشمیر میں فوری طور پر رائے شماری کا اہتمام کرے، کیونکہ ہندوستان کی یہ خواہش ہے کہ کشمیر کے لوگوں سے اس مسئلے میں رائے دریافت کی جائے۔

ابھی پاکستان ان تجاویز پر غور کر رہا ہی تھا کہ سردار پٹیل جموں کے دورے پر آئے۔ انہوں نے راج کوٹ کے مقام پر ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان نے ایک ہی بیان میں کشمیر پر ہندوستان

کے قبضہ کو منصوبہ بند سکیم کہہ کر اسے آئینی و اخلاقی ناانصافی پر مبنی سامراجی نظریہ قرار دیا، لیاقت علی خاں نے شیخ محمد عبداللہ پر نامعقول اور رکیک حملے کرتے ہوئے اسے ہندوستان کا آلہ کار اور زرخرید غلام کے نام سے پکارا اور شیخ محمد عبداللہ نے لیاقت علی خاں کو ٹھیک ٹھیک جواب دیا ہے۔"

کشمیر لیاقت علی خاں کے باپ دادا کی جائداد نہیں، کشمیر، کشمیریوں کا ہے اور وہی اس کے حقیقی مالک ہیں۔"

۱۰ر نومبر کو شیخ عبداللہ نے حضرت بل میں پاکستان کے خلاف جو تقریر کی تھی سردار پٹیل نے عوام کے اجتماع میں اسی کا ذکر کیا۔ ۱۲ر نومبر کو وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو، رفیع احمد قدوائی اور مسز اندرا گاندھی نے شیخ محمد عبداللہ کی معیت میں بارہمولہ کا دورہ کیا اسی روز واپسی پر پنڈت جواہر لال نہرو نے لال چوک سرینگر میں ہوٹل کارونیشن کے سامنے ایک عوامی اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے اعلان کیا کہ جونہی ریاست میں حالات پُرامن ہوں گے اور حملہ آوروں کا مکمل انخلاء ہوگا۔ ریاست کے لوگوں سے استصواب رائے کے ذریعے الحاق کے بارے میں دریافت کیا جائے گا اس عمل میں اگر ریاست کے باشندوں نے ہند کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کیا اس صورت میں بھی ان کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔

اس تاریخی جلسے میں وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کی اس صاف گوئی اور حقیقت افروز بیان پر لوگوں نے تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا۔ شیخ عبداللہ نے کھڑے ہو کر پنڈت جی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر حضرت امیر خسروؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ شعر اصل میں حضرت امیر خسروؒ نے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی نذر کیا تھا جو یہاں شیخ عبداللہ نے پنڈت جی کی خدمت میں پیش کیا۔

پنڈت نہرو کے کشمیر کے دورے کی واپسی پر پاکستان نے اپنے وہ مطالبے پھر دہرائے جو انہوں نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں پیش کیے تھے۔

۱۔ بھارت اور پاکستان اپنی فوجیں ریاست سے نکال دے اور ان کی جگہ اقوام متحدہ کی فوج متعین کی جائے۔

۲۔ ریاست میں انجمن اقوام متحدہ کی نگرانی حکومت قائم کی جائے جب تک کہ وہاں استصواب کیا جاسکے۔

۳۔ ریاست میں صاف ستھرے انتخابات عمل میں لانے کے لیے متبادل حکومت اور متبادل فوج کا ہونا ضروری ہے۔

۲۱ر نومبر کو پنڈت جواہر لال نہرو نے پاکستانی تجاویز کا جواب میں کہا۔

۱۔ "چونکہ اقوام متحدہ کے پاس کوئی فاصل فوج نہیں ہے اس لیے وہ ہماری اس فوج کی جگہ نہیں لے سکتی جو اس وقت ریاست کو قبائلیوں سے صاف کر رہی ہے۔

۲۔ کشمیر کی حکومت کوئی جائداد نہیں بلکہ وہ صحیح معنوں میں عوامی حکومت ہے اس لیے اقوام متحدہ کے لیے متوازی حکومت بنانے کی تجویز کی کوئی جوازیت نہیں ہے۔

۳۔ ہم نے کشمیر کے لوگوں کو وعدہ دیا ہے کہ وہ بے آسرا نہیں چھوڑے جائیں گے اور جب تک کشمیر کی سرحدوں سے حملہ آوروں کو دھکیل نہ دیا جائے گا لوگوں کی رائے دریافت نہیں کی جاسکتی، اگر پاکستانیوں کو قبائلیوں پر دسترس حاصل نہیں ہے اور ہم بھی اگر انہیں روک کر باہر نکال نہ سکے تو ہمیں حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اس طرح لٹیروں کا جو راج ہوگا ہماری حکومت زیادہ دیر تک اس پوزیشن کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرے گی۔"

حکومت پاکستان نے بھارتی حکومت کی ان تجاویز کے جواب میں ۲۵ر نومبر کو انہیں مطلع کیا "ہندوستان ٹال مٹول کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے اور وہ صریحاً چشم پوشی سے کام لے رہا ہے وزیر اعظم ہند شیخ عبداللہ کی اس لیے پشت پناہی کر رہا ہے جبکہ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ شیخ عبداللہ بھارت کا آلہ کار اور پیڈ ایجنٹ ہے جو مسلمانوں کے حصے بخرے کر رہا ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ کے پیڈ ایجنٹ ہونے کے بارے میں ان کی یہ دلیل تھی کہ جب شیخ عبداللہ دہلی میں پنڈت نہرو کی کوٹھی پر ان کے خاص مہمان کی حیثیت میں براجمان تھے تو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے انہیں روپیوں کی ایک تھیلی پیش کی گئی تھی۔ اس میں پورے تین لاکھ روپے تھے۔ یہ وہی تین لاکھ روپے تھے جن کے بارے میں کبھی مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر چوہدری حمیداللہ خاں نے ان سے کہا تھا "آپ نے کانگریس کے ساتھ تین لاکھ میں سودا کیا ہے لیکن آپ کو یہ ملنے والے نہیں کیونکہ انہوں نے ایسا ہی وعدہ غفار خاں سے بھی کیا تھا۔"



نومبر ۱۹۴۷ء: سرینگر کے لال چوک میں۔ جواہر لال نہرو کے ساتھ ایک تاریخی تصویر





ناراضگی دور ہونے پر پنڈت نہرو کا استقبال

عمل مفقود ہو اور کام چلتا ہو سہاروں سے
بشر تب پوچھتا ہے حال مستقبل ستاروں سے

قبائلیوں کے بارے میں اندرونی اور بیرونی مفکّروں کے تاثرات

کشمیر میں قبائلی پٹھانوں کی جنگی کاروائی کے خلاف یا ان کے حق میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ اور ہندوستان کے حکمرانوں کے علاوہ اپوزیشن نے بھی قبائلی حملہ آوروں کے ذریعے کشمیر پر پاکستانی حملے کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اس کے خلاف کی گئی ہر کاروائی کو درست ثابت کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے قبائلی حملہ آوروں کے دلدوز واقعات اُن کے جور و ظلم کے ساتھ اُن کا تشدد، لوٹ مار اور اغوا کے ساتھ زنا بالجبر کے ایسے واقعات سُننے کو ملے جن سے یقیناً ایک ذی ہوش کے رونگھٹے کھڑے ہو سکتے ہیں۔

قبائلی حملہ آوروں کی لوٹ مار، عورتوں کے ساتھ اُن کی بے حرمتی کے واقعات بچے بوڑھوں اور جوانوں کو تہہ تیغ کرنے کی داستانیں اتنی عبرتناک ہیں کہ ان کو انسان سمجھنا انسانیت کی سراسر توہین ہے۔

قبائلی حملہ آوروں کی طرف سے گھروں میں گھس کر نہتے گھر والوں کے ساتھ ان کا بُرا برتاؤ اُن کی نامناسب حرکات اور گھر کا اثاثہ لوٹنے کے واقعات یقیناً دل کو ہلا دیتے ہیں۔

قبائلی حملہ آوروں کو بیک وقت لٹیرے، غاصب، ظالم، جابر، قاتل اور خونی کہا گیا۔ ان پر جتنے بھی الزامات لگے اس کی وجہ سے عام لوگوں کو ان کی شکل و صورت سے نفرت ہوگئی۔ چھوٹے بچوں کو ڈرانے کے لیے قبائلی کا نام ہی کافی بن گیا۔ اگر یہ

کہا جائے کہ قبائلی اور نفرت لازم و ملزوم بن گیا تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ سب قبائلی حملہ آوروں کے بارے میں ایک طرف کی رائے تھی جو عام لوگوں تک عوامی حکومت اور نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کے ذریعے پہنچی اس پر مہر تصدیق ثبت کر کے اُن کے بارے میں ہر رائے پر آمنا و صدقنا کیا گیا۔

البتہ جب حالات نارمل ہو گئے اور قبائلی حملے کے بارے میں مختلف اداروں سے تفصیلات ملنے لگیں تو قبائلیوں کے بارے میں قائم کردہ رائے کسی حد تک بدلنی پڑی۔

قبائلی حملے کے بارے میں ہندوستان، پاکستان اور بیرون ممالک کے کئی مصنفین نے جو کچھ بھی لکھا وہ درجنوں کتابوں، سینکڑوں رسالوں اور اخباروں میں درج ہے البتہ ان میں جو چند ایک کتابیں مستند مانی جاتی ہیں اور جنہوں نے اس حملے پہ بے لاگ تبصرہ کیا ہے ان میں "دو قومیں اور کشمیر" اور "ہارنڈ مون" قابل ذکر ہیں۔ "دو قومیں اور کشمیر" کے مصنف لارڈ برڈ ووڈ نے لکھا ہے۔

"قبائلیوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ حکومت پاکستان جو بھی رویہ اختیار کرے وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد سے باز نہیں آئیں گے۔ کشمیریوں اور قبائلیوں کے درمیان ابتدائی رابطہ تو اگست میں قائم ہو چکا تھا۔ جبکہ مغربی پونچھ کے سابق فوجیوں نے سرحدی صوبے کے قبائلی علاقے کی فیکٹریوں سے ہتھیار اور گولہ بارود خریدنے کے لیے رقوم جمع کرنا شروع کی تھی . . . ."

ڈاکٹر جوزف کاربل نے "ڈینجر ان کشمیر"، الیسٹر لیمب نے "کرائسیس ان کشمیر" پروفیسر رشبروک ولیمز نے "دی اسٹیٹ آف پاکستان" اور آین سٹیفن نے "ہارنڈ مون" میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ قبائلی مداخلت دراصل ہندوؤں، سکھوں اور ڈوگروں کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے خلاف ایک فطری ردِ عمل کا نتیجہ تھی اور حکومت پاکستان اگر قبائلیوں کو روکنے کی کوشش کرتی تو قبائلی خود حکومت پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ لاکھوں مسلمانوں کے قتل عام سینکڑوں مسلمانوں کو زندہ جلانے اور بے شمار مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کے بعد ان کو قابو میں رکھنا دشوار تھا۔

ریاست میں قبائلیوں کے داخلے کے بارے میں ڈاکٹر جوزف کاربل نے اپنی کتاب "ڈینجر ان کشمیر" میں لکھا ہے۔

"پاکستانی مسلمانوں کا کشمیری مسلمانوں کے حالات میں دلچسپی لینے کا یہ پہلا موقعہ نہ تھا اس سے قبل ۱۹۳۱ء میں جب کشمیری مسلمانوں نے مہاراجہ کے خلاف بغاوت کی اور کئی شہروں میں مارشل لاء لگا کر مہاراجہ نے ان پر ظلم و تشدد کیا تو پنجاب کے مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں کشمیر میں داخل ہونے کے لیے ریاست کی سرحدوں کا رخ کیا۔"

انہوں نے آگے جا کر اور لکھا ہے۔

"جوں جوں بغاوت کی آگ بھڑکتی اور تیز ہوتی گئی پنجاب کے مسلمان جموں میں اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے داخل ہونے لگے اُدھر دوسری طرف سکھ اور ہندو تشدد پسندوں نے بھی مہاراجہ کی فوجوں کو تقویت پہنچانے کے لیے ریاست میں داخل ہونا شروع کر دیا۔"

اشرف عطا کی کتاب "کچھ شکستہ داستانیں، کچھ پریشان تذکرے" میں مصنف لکھتے ہیں۔

"قبائلی مسلمانوں کے ریاست میں داخلے کو مہاراجہ اور بھارتی حکومت نے بعد میں ریاست پر حملے کی شکل میں پیش کیا، سوال یہ ہے کہ اگر کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی میں معاونت کے لیے قبائلی مجاہدین کا ریاست میں داخلہ "حملہ" تھا تو کشمیری ہندوؤں، سکھوں اور ڈوگروں کو تقویت پہنچانے کے لیے اور مسلمانوں کا قتل کرنے کے لیے جو آر۔ ایس۔ ایس کے رضا کار اور برصغیر کے مختلف شہروں سے ہزاروں کی تعداد میں ہندو اور سکھ ریاست میں داخل ہوئے کیا وہ حملہ آور نہیں تھے؟"

سلامتی کونسل میں پاکستانی مندوب نے شیخ محمد عبداللہ کے اس الزام کے جواب میں قبائلیوں نے کشمیر پہ حملہ کیا اور ان کی حیثیت ایک حملہ آور کی ہے۔ فرمایا۔

"پاکستان کے جو شہری یا پاکستانی فوج کے ملازمین یا قبائلی پٹھان اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے ریاست میں گئے انہیں بھارتی نقطہ نظر کے مطابق اپنے آپ سے یہ کہنا چاہیے تھا — ٹھیک ہے میرے بھائی ہلاک کیے جا رہے ہیں میرا باپ قتل کیا جا رہا ہے میری بیوی، بیٹی اور بہن کو اغوا کیا جا رہا ہے — یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں پاکستانی فوج کا ملازم ہوں میں قبائلی پٹھان ہوں

کوشش میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ میں اپنی جوان بیٹیوں سے جدا ہوگئی کئی دنوں کے بعد گڑھی دوپٹہ میں جب قبائلی کیمپ میں میری جوان بیٹیاں مل گئیں تو میری جان میں جان آگئی اور یہ جان کر تو مجھے خوشی کی انتہا نہ رہی جب اتنے دنوں تک قبائلی کیمپ میں میری بیٹیاں عزت و احترام کے ساتھ محفوظ رہیں ہمارے گھر کے اثاثہ کے ساتھ بھی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی تھی۔"

مسز مہتہ کی اس سرٹیفکیٹ کے باوجود وادی کشمیر میں قبائلی حملہ آوروں کے رول اور جنگ کے دوران کی نامناسب کاروائی کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، حالات کچھ بھی ہوں انہوں نے بعض ایسے کارنامے ضرور کیے جن سے ایک سنجیدہ آدمی کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ قبائلی حملہ آوروں کے کارنامے جن میں لوٹ مار اور غارت گری بھی شامل ہے۔ ناقابل معافی واقعات ہیں۔ لیکن بھارتی فوج جو بظاہر ہمیں قبائلی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے آئی تھی کچھ کم غارت گر ثابت نہ ہوئی۔

بقول پریم ناتھ بزاز، ہندوستانی فوج نے غارت گری اور عورتوں کی آبروریزی کچھ کم نہیں کی، اس کی تصدیق سردار بدھ سنگھ نے بھی کی ہے۔



سردار بدھ سنگھ

اُن کا کہنا ہے ـــ جب میں جموں کے فوجی کیمپوں میں چوہدری عباس خاں کی اغوا شدہ بیٹی کو ڈھونڈ رہا تھا تو جموں کے ایک کیمپ میں مجھے شیخ عبداللہ نے جانے سے منع کیا لیکن میں اُن کے منع کرنے کے باوجود بھی جب اس کیمپ کے اندر گیا تو وہاں میں نے درجنوں جوان لڑکیاں مادرزاد ننگی دیکھیں، مجھ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ میں فوراً واپس آیا اور یہ بھی بھول گیا کہ میں اندر کیا دیکھنے گیا تھا۔

ڈاکٹر کنزرو نے ہندوستان کی پارلیمنٹ میں اپنے ایک بیان میں ـــ بھارتی فوجوں کی طرف سے سول آبادی میں لوٹ مار اور زنا بالجبر کے واقعات سنا کر پارلیمنٹ کو دم بخود کر دیا۔

قبائلی حملہ آوروں کی کشمیر پر چڑھائی کے دوران انہوں نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا، کس کو مارا اور کس کو نہیں مارا، کیا کچھ لوٹا اور کیا نہیں لوٹا انہوں نے بزدلی سے کام لیا یا دلیری دکھائی؟ اس کو بھارت اور پاکستان اپنے اپنے نقطہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ البتہ یہ بات مسلم ہے کہ ان قبائلیوں کی آمد سے شیخ محمد عبداللہ کا ایک دیرینہ خواب نہ صرف تعبیر میں بدل گیا بلکہ ان کے طفیل سے بھارت کو کشمیر پر قبضہ کرنے کا آسان موقعہ ہاتھ آگیا۔ بھارت نے ریاست میں شیخ عبداللہ کے ہاتھوں برسوں پہلے الحاق کا جو بیج بویا وہ تناور درخت بن کر پھل دینے لگا۔

قبائلیوں کی آمد کی خبر سنتے ہی مہاراجہ ہری سنگھ بوریا بستر باندھنے لگا انہوں نے سونا، چاندی، جواہرات دولت اور قیمتی اثاثہ صندوقوں میں بند کرکے اسے کئی گاڑیوں میں لدوا دیا اور خود اسی قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے ۲۵ر اکتوبر کو سرینگر سے جموں کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کے ساتھ بیوی اور نزدیکی رشتے دار مصاحب، احباب اور عملے کے افراد بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ ادھمپور پہنچا تو مہارانی تارا دیوی ـ اپنے بال بکھیر کر ایک مورتی کو گلے لگا کر رونے چلانے لگی۔ کھلی کار میں مورتی کو گلے لگائے مہارانی کی حالت دیکھ کر مقامی ہندو آبادی مشتعل ہوگئی اور انہوں نے بدلے کی کاروائی میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی۔

قافلہ جموں پہنچا تو یہاں بھی غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

شیخ عبداللہ کے لیے ذاتی طور پر قبائلیوں کی آمد اگرچہ فائدہ مند ثابت ہوئی لیکن دُنیا کو دکھانے کے لیے انہوں نے ان کی یلغار ایک چیلنج کے طور پر قبول کرلی اور اس چیلنج کا انہوں نے دو طرح کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا۔



سانپ پہ تحریر ہے پاکستانی جاسوس

پہلا ہتھیا قبائلی حملہ آوروں کی شبیہہ مسخ کرکے ان کو بدنام کرنے کا ہتھیار تھا اور یہ ہتھیار ان کے خلاف ایسا کارگر ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے قبائلیوں کا کہیں چہرہ بھی نہیں دیکھا انہوں نے بھی چشم دید واقعات بیان

کرکے ان کے لوٹ مار اور زنا بالجبر کے قصے کچھ اس طرح سنائے کہ عام لوگوں کو ان لٹیروں کی سخت نفرت ہو گئی اور نیشنل کانفرنس کے حامی ورکر تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے لکڑی کے بندوق اٹھانے پر مجبور ہوئے ایسا کرنے میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی پیش پیش رہیں۔ دوسرا ہتھیار فوجی کاروائی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ بعض قبائلی بُری حرکات کے مرتکب ہوئے ہوں لیکن تمام کے تمام قبائلیوں کے بارے میں نیشنل کانفرنس کے حلقوں سے جو تفصیلات مشتہر کی گئیں اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ملا کہ شیخ عبداللہ کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے میں کسی بھی جانب انگلی نہیں اُٹھ سکی۔ کسی نے انگلی اُٹھانے کی جرأت کی تو اس کا ہاتھ ہی توڑ کر رکھ دیا گیا۔

مسلم لیگ نے اس بارے میں اپنے ایک بیان میں کہا۔

"کشمیر میں بھارت کی حامی نیشنل کانفرنس قبائلی مجاہدین کی کردارکشی کرتے ہوئے ان پر غیر مسلموں کے قتل عام اور غیر مسلم خواتین کی بے حرمتی کرنے کا الزام بھی لگایا یہ الزام مسلسل اور تواتر سے دہرائے جا رہے ہیں حتیٰ کہ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی غداری پر پردہ ڈالنے کے لیے ان پر کئی الزامات لگائے اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھارتی وفد کے ایک ممبر کی حیثیت میں اپنے بھارتی آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے قبائلی مجاہدین پر اس طرح کے الزامات لگائے تھے۔

کشمیر میں جنگی کاروائی کے دوران قبائلی مجاہدین کے کردار کے بارے میں نکتہ چینی کی گنجائش موجود ہے ہمیں اعتراف ہے کہ انہوں نے مظفر آباد اور بارہمولہ میں بعض سکھوں اور ہندوؤں کے ساتھ زیادتی کی اور کتنوں کو جان سے مارا مگر دیکھنا ہے کہ ان دنوں برصغیر کے اس خطے میں کیا حالات تھے پنجاب میں دونوں طرف فرقہ وارانہ فسادات تھا خود ریاست کے ایک علاقے پونچھ اور میرپور میں ڈوگرہ فوج کے تعاون سے غیر مسلموں نے بے شمار بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ ان حالات میں غیر منظم جنگجو قبائلی مجاہدین سے یہ توقع کرنا کہ وہ ایک منظم اور باقاعدہ آرمی کی طرح جنگی کاروائی کریں گے غلط ہوگا۔"

قبائلی حملہ آوروں کی اس ساری کاروائی کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ کے یہ بیانات قابلِ غور

ہیں۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے جموں میں تقریر کے دوران وہاں کے ڈوگروں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آپ لوگوں نے سارے علاقے کو مسلمانوں سے خالی کر کے رکھ دیا ہے۔"

جموں میں محکمہ جاسوسی کے ڈی۔آئی۔جی۔ مسٹر باتی نے پنڈت نہرو کو جو رپورٹ بھیجدی اس میں صاف طور پر لکھا گیا۔ "راج پوت سپاہی اور انڈین آرمی جموں میں قتل و غارت کے لیے اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح پاکستان سے آئے ہوئے حملہ آور، یہ لٹیروں کی طرح گاؤں جلاتے ہیں اور عورتوں کو اغوا کرتے ہیں۔"

۱۲ر جولائی ۵۳ء کو مزار شہداء پر تقریر کے دوران شیخ صاحب نے فرمایا۔

"...... قبائلیوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے جتنے بھی واقعات ہم اس سے قبل کہتے رہے ہیں ان کی تحقیقات پر معلوم ہوا وہ غیر مصدقہ اور مبالغہ بنز تھے۔"

اگرچہ نلیوں کے بارے میں اب اس کے بعد اور کچھ کہنے سُننے کی گنجائش نہیں رہی لیکن پوچھا جا ہے۔ انہوں نے انجمن اقوام متحدہ میں قبائلی حملہ آوروں کی جو تفاصیل بیان کی تھیں ا... یہ واضح کیا گیا تھا کہ یہ سب ان کے آنکھوں دیکھے حالات ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں جب آپ کا اقتدار جا رہا تھا تو آپ نے قبائلیوں کو بیگناہی کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔



ہائے اس زُود پشیمان کا پشیمان ہونا۔



طریقِ گمرہی کو رہ دند کر کیا مل گیا آخر
کوئی منزل نہ ہاتھ آئی گنہگارِ سفر ہو کر

الحاق، دستاویز الحاق اور رائے شماری کی حقیقت

پاکستانی لیڈروں کا بزور طاقت کشمیر کو حاصل کرنے کا یہ اقدام ایک غلط اقدام ضرور تھا لیکن شیخ محمد عبداللہ نے اس کے لیے جو حالات بنائے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کا وعدہ کر کے انہوں نے بھارت کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا، پاکستان کی دعوت ٹھکرا کر انہوں نے ہندوستان کی دعوت قبول کر لی۔ لاہور [آ]نے کے بجائے وہ دہلی گئے۔ ایک طرف شیخ عبداللہ ان حالات کا مرتکب ہو رہا تھا۔ [د]وسری طرف ہندوستان کشمیر پر حیدر آباد کے طرز کی فوجی کاروائی کرنے کے لیے [پ]ر تول رہا تھا۔ قبل اس کے کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں۔ پاکستانی لیڈروں نے ایک غلط اور نامناسب کاروائی کی پہل کی۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے پاکستان کے ساتھ جو کھیل کھیلا اور [پا]کستانی لیڈروں کے ساتھ جو سلوک کیا اگر یہی کچھ انہوں نے پاکستان جا کر ہندوستان کے ساتھ کیا ہوتا۔ تو ہندوستان بھی یہی کچھ کرتا جو اس موقع پر پاکستان نے کیا ہو سکتا ہے [ہن]دوستان اپنے طاقت کے بل پر اس سے بھی بڑی کاروائی کرتا۔

تمام حالات کا ذمہ دار شیخ محمد عبداللہ کو گردان کر بھی میں پاکستانی کاروائی کی حمایت [نہیں] کر سکتا، البتہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ پاکستانی لیڈر اس بات سے بالکل بے خبر تھے [ق]بائلیوں کی آمد پر کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ سے ان کی کردار کشی کی جائے گی۔ [او]ر دہلی میں لارڈ مونٹ بیٹن پنجاب رجمنٹ کو روکنے میں اہم رول ادا کریں گے۔ اگر انہیں

اس کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو وہ شاید ہی ایسی کارروائی کرتے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے لیے بیک وقت شیخ محمد عبداللہ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی دوستی ایسی فائدہ مند اور موثر ثابت ہوئی کہ انہوں نے پاکستان کا پلان ناکام بنا دیا۔

وادی میں قبائلی حملے کی اطلاع ملتے ہی سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو سرینگر روانہ کیا، یہاں آتے ہی ڈاکٹر صاحب نے شیخ عبداللہ سے تین گھنٹے تک چشمہ شاہی ریسٹ ہاؤس میں مشورہ کیا۔ شیخ عبداللہ کی مکمل رضامندی لے کر اگلے روز سیف الدین کچلو دہلی روانہ ہو گئے تو اسی روز کیبنٹ میٹنگ ہوئی، کشمیر کو بچانے کے لیے فوجی کارروائی زیر بحث آئی۔

اس موقع پر گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی شاطرانہ پالیسی بروئے کار لا کر بھارت اور کشمیر کو قانونی رشتے میں جوڑنے کا مشورہ دے گئے تا کہ ان پر غیر قانونی جرم کا الزام نہ لگ سکے۔

دراصل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس نازک وقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اسی لیے انہوں نے الحاق کی شرط لگا دی ورنہ پاکستان کی غیر قانونی حرکت کے لیے ہندوستان کی قانونی حرکت کا کیا جواز تھا۔ جب پاکستان نے قانون کا کوئی پاس نہیں کیا تو ہندوستان کے لیے اس کا احترام کیا ضروری تھا۔ جبکہ اس سے قبل بھارت بزور طاقت کشمیر پر قبضہ کرنے کا پلان بنا چکا تھا۔

مہرہ پاور ہاؤس کے اڑنے کے ساتھ ہی جب وادی اندھیرے میں ڈوب گئی تو مہاراجہ ہری سنگھ ششدر ہو کر رہ گئے۔ گھبراہٹ کے عالم میں ڈپٹی وزیر اعظم رام لال بترہ کو دہلی بھیجا تا کہ وہ اس نازک موقعہ پر ان کی مدد کر سکیں۔

ہندوستان ایک زمانہ سے مہاراجہ کی طرف سے یہی آس لگائے بیٹھا تھا۔ پنڈت نہرو فوراً مدد دینے کے لیے راضی ہوئے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی حاضر دماغی پنڈت نہرو کی غرض پر حاوی ہو گئی، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پنڈت نہرو کو صبر سے کام لینے کا مشورہ دیا تا کہ جو پھل وہ درخت سے توڑ کر کھانا چاہتے ہیں وہ خود بخود ان کی جھولی میں گر آئے۔ چنانچہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مشورہ پر ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اس میٹنگ کی سربراہی گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود کی، اس میں کیبنٹ منسٹروں کے ساتھ

فوجی اتاشی اور سول آفیسر بھی شامل ہوئے طے پایا کوئی فوری اقدام اٹھانے سے پہلے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے ایک ذمہ دار شخص کو سرینگر روانہ کیا جانا چاہیے۔

چنانچہ وی۔ پی مینن کرنل مانک شاہ چند فوجی آفیسر اور ڈی این کا چرو کو سرینگر روانہ کیا گیا۔ خصوصی طیارے میں سرینگر آتے ہی وی۔ پی مینن وزیر اعظم مہر چند مہاجن سے ملے اور انہیں پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کا پیام پہنچا دیا۔

مہاراجہ کے ڈپٹی وزیر اعظم رام لال بترہ کے دہلی جانے اور دہلی سے وی۔ پی۔ مینن کے آنے تک مہاراجہ ہری سنگھ نے جلد بازی میں کئی فیصلے کیے انہوں نے ریاست کو آزاد اور خود مختار رہنے کا فیصلہ بھی کیا اور پاکستانی حملہ آور فوج کے آگے ہتھیار ڈالنے کا بھی فیصلہ لیا۔ جب ان فیصلہ جات کے بارے میں مہر چند مہاجن نے وی۔ پی۔ مینن کو اطلاع بہم پہنچائی تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ مہاراجہ کی طرف سے کسی قسم کی گڑبڑ کی صورت میں انہیں پکڑ کر دہلی پہنچانے کے لیے فوجی ٹولی ایئر پورٹ پر جہاز میں اطلاع کے انتظار میں تھی البتہ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے مہاراجہ کو خوفزدہ کر کے کشمیر سے بھگانے کا پلان بنایا تا کہ کشمیر سے نکل کر وہ جہاں بھی رہیں ان پر کڑی نگاہ رکھی جا سکے۔

مینن اور مہاجن نے مہاراجہ کے دل میں پاکستانی حملہ کا ایسا خوف ڈال دیا کہ وہ اسی وقت بوریا بستر باندھنے کے لیے راضی ہو گیا۔

وی۔ پی۔ مینن اپنی کتاب "انٹرو گیشن آف انڈین سٹیٹس" میں رقمطراز ہیں۔

"مہاراجہ لاچار تھا اور اگر حکومت ہند یہ فیصلہ کر لیتی کہ وہ اس کی امداد نہیں کرے گی تو اس میں شک نہیں کہ اس کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا جاتا۔ یقینی تھا کہ قبائلی یہاں پہنچ کر محل کو لوٹتے اور قیمتی اشیاء لے جاتے۔"

مسٹر مینن کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے مہاراجہ کے دل میں کس قسم کا خوف و ہراس ڈال دیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے پاکستانی حملہ آوروں سے بچانے کی مدد مانگی تو ان سے کہا گیا اس کے لیے آپ کو باضابطہ طور پر امداد کی درخواست دینی ہو گی اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا پڑے گا۔ ورنہ امداد نہیں مل سکے گی۔

دستاویز الحاق جو مہاراجہ ہری سنگھ، وی۔ پی۔ مینن اور مہر چند مہاجن کے درمیان باہم صلح مشورہ سے مرتب کیا گیا حسب ذیل ہے۔

"میں شریمان اندر مہندر سپر سلطنت راج راجیشورا دھیرج جموں و کشمیر حکمران

جموں وکشمیر بہ استعمال اقتدار خود اپنی مذکورہ ریاست میں اس دستاویز الحاق کی تکمیل کرتا ہوں اور

(۱) یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں ڈومینن انڈیا کے ساتھ اس ارادے کے ساتھ الحاق کرتا ہوں کہ گورنر جنرل آف انڈیا ڈومینن کی مجلس ساز فیڈرل کورٹ اور دیگر اختیارات حاکم جو ڈومینن کے اغراض کے لیے مقرر کیا گیا ہو، میری اس دستاویز الحاق کی رو سے لیکن ہمیشہ تابع اس کے شرائط کے صرف اغراض ڈومینن کے لیے ریاست جموں وکشمیر کی نسبت ایسے اختیارات (جن کا بعد میں "اس ریاست" سے حوالہ دیا گیا ہے) استعمال کرے گا جو کہ اسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعے اس کے تحت اس سے حاصل ہوا جو کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہند کے ڈومینن میں نافذ العمل ہو، یہ ایکٹ نافذ العمل ہوگا "ایکٹ ہذا" کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔"

(۲) میں اس یقین دہی کا ذمہ لیتا ہوں کہ ایکٹ کے احکام کو ریاست ہذا کے اندر جہاں تک کہ وہ اس دستاویز الحاق کی رو سے قابل اطلاق ہوں مناسب طور پر موثر کیا جائے گا۔

(۳) میں ان تمام معاملات کو منظور کرتا ہوں جو کہ ضمیمہ مشمول میں درج ہیں یعنی ایسے معاملات جن کی نسبت ڈومینن کی مجلس قانون ساز قانون بنا سکتی ہے۔

(۴) میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان کی ڈومینن کے ساتھ بدین یقین الحاق کرتا ہوں کہ اگر گورنر جنرل اس ریاست کے حکمران کے مابین کوئی معاہدہ جس کی رو سے ڈومینن کی مجلس قانون ساز وضع کردہ کسی قانون کو روبہ عمل لاتا ہو تو اس کو حکمران ریاست استعمال کرے گا۔ یا کسی ایسے معاہدے کے متعلق یہ تصور کیا جائے گا کہ وہ اس دستاویز کا ایک جز ہے اور اس طرح سے اس کے معنی نکالے جائیں گے اور وہ اثر پذیر ہوگا۔

(۵) اس دستاویز الحاق کی شرائط ایکٹ ہذا میں آزادی ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء میں کسی ترمیم کے ذریعے سے کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی تاوقتیکہ ایسی ترمیم میں بذریعہ کسی ضمنی دستاویز کے منظور ہو۔

(۶) لازم ہے کہ کوئی امر اس دستاویز میں ڈومینن کی مجلس قانون سازیہ کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اس ریاست کے لیے کوئی ایسا قانون بنائے جس کے تحت کسی غرض کے لیے جبر سے زمین حاصل کی جائے گی لیکن میں اس امر کا ذمہ لیتا ہوں کہ اگر ڈومینن کے کسی قانون کے مقصد کے لیے جو اس ریاست پر حاوی ہے کسی زمین کا حاصل کرنا ضروری تصور کرے تو میں ان کی درخواست پر اور ان کے خرچ پر یہ زمین حاصل کروں گا اور اگر یہ زمین میری ملکیت ہو تو میں یہ انہیں ایسی شرائط پر منتقل کروں گا جن کا باہمی سمجھوتہ ہوا ہو، سمجھوتہ نہ ہونے کی صورت میں اس کا فیصلہ کوئی ایسا ثالث کرے گا جس کو چیف جسٹس آف انڈیا نے مقرر کیا ہو۔

(۷) اس دستاویز میں کسی امر سے کسی طریقے سے میری ذمہ متصور نہ ہوگی کہ میں نے ہندوستان کے کسی آئندہ آئین کو منظور کیا ہے یا میرے اختیار تمیزی پر پابندی لگ گئی ہے کہ میں گورنمنٹ آف انڈیا سے ایسے آئندہ آئین کے بعد کوئی معاہدہ کروں۔

(۸) دستاویز ہذا میں کوئی امر ریاست ہذا پر میرے اجزائے اقتدار اعلیٰ پر بجز جیسا کہ اس دستاویز میں انتظام کیا گیا ہے کسی اختیار و حکم، یا حقوق کے جو مجھے اس وقت بحیثیت حکمران ریاست حاصل ہیں کے استعمال پر اثر انداز ہوگا اور نہ ہی ریاست میں موجود الوقت نافذ قانون کی جوازیت پر اثر انداز ہوگا۔

(۹) میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اس دستاویز کو منجانب ریاست تکمیل کرتا ہوں اور کہ اس دستاویز میں کوئی حوالہ جو میری طرف ہو یا حکمران ریاست کی طرف ہو اس کے حوالے میں میرے وارث اور جانشین میں شامل سمجھے جائیں گے۔

آج بتاریخ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو میرے دستخط سے جاری ہوا۔

دستخط

ہری سنگھ مہاراج ادھیراج

میں اس مسودہ الحاق کو منظور کرتا ہوں

دستخط

ماؤنٹ بیٹن آف برما گورنر جنرل ہند، ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

وی۔ پی۔ مینن نے لکھا ہے جس وقت مہاراجہ ہری سنگھ نے دستاویز الحاق پر دستخط کیے تو اس وقت ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے بڑی لاچارگی سے کہا میں مجبوری کی حالت میں اس پر دستخط کر رہا ہوں۔ دستاویز الحاق کی منظوری لینے وی۔ پی مینن دہلی گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ نے سرینگر سے جموں کی طرف کوچ کر لیا۔

جموں میں مہاراجہ نے اپنے اے۔ ڈی۔ سی سے کہا اگر وی۔ پی۔ مینن فوری طور واپس آ گئے تو سمجھ لینا دستاویز الحاق منظور ہو گیا اگر ان کے آنے میں دیر ہو گئی تو مجھے نیند میں گولی مار دینا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے دستاویز الحاق کے ساتھ گورنر جنرل کے نام جو خط بھیجا حسب ذیل ہے۔

میرے پیارے لارڈ ماونٹ بیٹن

میں یوائیر ایکسی لینسی کو مطلع کرتا ہوں کہ میری ریاست کے اندر نہایت خطرناک حالات پیدا ہو گئے ہیں اس لیے فوری امداد کی درخواست کرتا ہوں جیسا کہ آنجناب کو معلوم ہے ریاست جموں و کشمیر نے ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ڈومینن میں شمولیت نہیں کی۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ڈومینن کے درمیان ہے دونوں کے ساتھ اس کے اقتصادی اور کلچر تعلقات بہت گہرے ہیں اور اس کے حدود روس اور چین کے ساتھ ملتی ہیں یہ ایک ایسی اہم بات ہے جسے پاکستان اور ہندوستان غیر ملکی معاملات کے پیش نظر درگزر نہیں کر سکتے۔ میں چاہتا تھا کہ غور و خوض کے لیے مجھے کچھ وقت مل جاتا تا کہ میں فیصلہ کر سکتا کہ کس یونین کے ساتھ ریاست کے الحاق کرنے میں بہتری ہے یا دونوں مملکتوں اور میری ریاست کی بھلائی اسی میں ہے کہ دونوں ڈومنین کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتے ہوئے خود مختار رہے۔

غرض میں نے دونوں مملکتوں کے ساتھ مل کر اپنی ریاست کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کے لیے بات چیت کی حکومت ہند نے میری حکومت کے حکام سے مزید گفت و شنید کرنا بہتر سمجھا لیکن بعد کے واقعات کی وجہ سے جس کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے ایسا نہ کر سکا حکومت پاکستان اس وقت تک

اسی جوں کا توں معاہدہ کی رو سے ریاست کے اندر ڈاک و تار کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ گو کہ ہماری حکومت اور حکومت پاکستان کے مابین STAND STILL AGREMENT ہو چکا تھا لیکن انہوں نے خوراک نمک پٹرول جیسی دوسری اشیاء کی سپلائی روک کر ہماری ریاست کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ پاکستان نے قبائلی حملہ آوروں کے ذریعے کشمیر پر چڑھائی کر کے یہاں کا امن درہم برہم کر دیا حتیٰ کہ پاکستان ریڈیو نے یہاں تک کہہ دیا کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی گئی ہے مجھے معلوم ہے کہ میری ہندو اور مسلم رعایا نے اس یورش میں بالکل کوئی حصہ نہیں لیا ان حالات کے پیش نظر جو کہ میری ریاست میں رونما ہوئے ہیں اور اس عظیم خطرے کے جو کہ سامنے آ رہا ہے اب ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے میرے پاس سوائے ہند یونین کی مدد حاصل کرنے کے سوا چارہ باقی نہیں رہا اور جب تک میری ریاست ہند یونین میں شامل نہ ہو اُسے اُس کی امداد نہیں مل سکتی اس لیے میں نے شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے اور دستاویز الحاق آپ کی حکومت کی منظوری کے لیے شامل ہے اس کی دوسری صورت صرف یہ ہے کہ ریاست کو لٹیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے ایسی حالت میں کوئی مہذب حکومت نہ تو قائم رہ سکتی ہے اور نہ قائم رکھی جا سکتی ہے۔ جب تک میرے اندر اپنی ریاست کی حفاظت کے لیے جان باقی ہے میں آخری نوعیت کی صورت پیدا نہ ہونے دوں گا۔

میں آنجناب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہے کہ فوراً ہی عبوری حکومت قائم کر دوں اور شیخ عبداللہ کو دعوت دوں کہ میرے وزیر اعظم سے مل کر اس خطرے کے وقت میں ذمہ داریوں کو سنبھالیں اگر میری ریاست کی حفاظت اور بچاؤ مطلوب ہے تو سرینگر میں فوراً امداد پہنچنی چاہیے۔ مسٹر مینن حالات کی سنجیدگی سے بخوبی واقف ہیں اور مزید جو دریافت کرنا چاہیں آپ ان سے کر سکتے ہیں۔ بہترین خواہشوں اور دعاؤں کے ساتھ۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

آپ کا مخلص
ہری سنگھ

دہلی پہنچ کر دی۔ پی۔ مینن نے ڈیفنس کمیٹی کے سامنے مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیراعظم مہر چند مہاجن کے ساتھ ہوئی بات چیت کی تفاصیل بتا دیں اور اس خواہش کا اعادہ کیا کہ اس وقت کشمیر فوری طور پر فوجی امداد بھیجی جانی چاہیے جس کے لیے مہاراجہ بڑے بے تاب ہیں۔ اس موقعہ پر گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے فرمایا۔

"فوجی امداد بھیج کر کشمیر ہندوستان کا حصہ بن جائے گا، البتہ وہاں کی مقامی آبادی اور محل وقوع کو زیر نظر رکھ کر الحاق مشروط ہونا چاہیے۔ قبائلیوں کو باہر نکال کر جونہی امن وامان قائم ہوگا وہاں کے لوگوں کی رائے استصواب کے ذریعے معلوم کی جانی چاہیئے۔"

گورنر جنرل کے ان خیالات کی تائید پنڈت نہرو اور دوسرے اراکین ڈیفنس کمیٹی نے کی وی۔ پی۔ مینن نے دستاویز الحاق اور مہاراجہ بہادر کا خط کمیٹی کے سامنے پیش کیا جس میں مہاراجہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ فوری طور پر ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لانا چاہتے ہیں تاکہ شیخ عبداللہ وزیراعظم مہر چند مہاجن کے ساتھ عبوری ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔

اس کے جواب میں ڈیفنس کمیٹی کی منظوری کے بعد گورنر جنرل نے مہاراجہ کو جو خط بھیجا حسب ذیل ہے۔

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی
۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

میرے پیارے مہاراجہ صاحب!

آنجناب کا مراسلہ ۲۶ر اکتوبر بدست مسٹر وی۔ پی مینن نظر نواز ہوا ان حالات میں جن کا آنجناب نے تذکرہ کیا ہے ریاست جموں و کشمیر کا ہند یونین سے الحاق میری حکومت نے منظور کر لیا ہے۔ میری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ جہاں کسی ریاست کا کسی ڈومینین میں شامل ہونا باعث تنازعہ ہو اس کا فیصلہ وہاں کی رعایا کی مرضی کے مطابق ہو، اس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میری حکومت کی خواہش ہے کہ جونہی کشمیر میں امن قائم ہو جائے اور اس کی سرزمین حملہ آوروں سے خالی ہو جاتی ہے ریاست کا کسی مملکت میں شامل ہونے کا مسئلہ ریاست

کے باشندوں کے استصواب رائے سے حل کر لیا جائے۔

سردست آنجناب کی فوجی امداد حاصل کرنے کی اپیل کی تعمیل میں احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ فوراً ہندوستانی افواج کو کشمیر بھیجا جائے تاکہ وہ آپ کی فوجوں کو حملہ آوروں سے ملک کو بچانے اور رعایا کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنے میں امداد دیں۔ میں اور میری حکومت یہ معلوم کر کے مطمئن ہوئے ہیں کہ آنجناب نے شیخ محمد عبداللہ کو آپ کے وزیراعظم کی مدد سے حکومت کی تشکیل دینے کی دعوت دی ہے۔

نیک خواہشات کے ساتھ۔

آپ کا مخلص
ماؤنٹ بیٹن

الحاق کو تابع رائے شماری رکھنے پر شیخ محمد عبداللہ نے اعتراض کیا، اُن کی دلیل یہ تھی کہ جب الحاق ہو گیا تو رائے شماری کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر پنڈت نہرو اور لارڈ مونٹ بیٹن کی طرف سے انہیں کہہ دیا گیا کہ یہ محض پاکستان اور بیرونی دنیا کا منہ بند کرنے کے لیے ہے۔ اور بس!

شیخ محمد عبداللہ کو اعتماد میں لے کر پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیراعظم برطانیہ کلیمنٹ ایٹلی کے نام ایک تار روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔

"میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان ہنگامی حالات میں کشمیر کی مدد کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے ہو، ہمارا نظریہ جسے ہم عوام کے سامنے دہرا چکے ہیں یہ ہے کہ متنازعہ علاقہ یا ریاست کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہونا چاہیے اور ہم اس نظریئے پر قائم ہیں۔"

برطانوی وزیراعظم کے بعد پنڈت نہرو نے پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علیخاں کو ایک خط روانہ کیا۔

"......ہم نے اس الحاق کو قبول کرنے اور وہاں اپنی فوجیں بھیجنے کا فیصلہ تو کر لیا لیکن ہم نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ آخر کار جب امن و امان اور

قانونی نظام بحال ہوجائے گا تو کشمیری عوام کو مکمل اور بھرپور موقعہ دیئے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہ کرنے پر قائم ہیں۔ کیونکہ آخر کار یہ معاملہ اہلِ کشمیر کو ہی طے کرنا ہے اور میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس تمام مدت میں یہ ہماری پالیسی رہی ہے کہ جہاں کہیں ایک یا دوسرے مملکت کے ساتھ کسی ریاست کے الحاق کا تنازعہ ہو وہاں کا فیصلہ اُس ریاست کے عوام ہی کو کرلینا چاہیے اس پالیسی کے مطابق دستاویز الحاق میں ایک دفعہ PRO VES OL کا اضافہ کرلیا گیا ہے۔"

اسی دوران دہلی ریڈیو اسٹیشن سے پنڈت نہرو نے ایک براڈکاسٹ کے ذریعے فرمایا۔

"ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ آخر کار کشمیری عوام کو ہی کرنا ہے ہم نے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے اور مہاراجہ نے اس کی تائید کرلی ہے۔ نہ صرف کشمیر عوام بلکہ ساری دُنیا کے سامنے ہم اس وعدے سے نہ منہ موڑ سکتے ہیں اور نہ کبھی منہ موڑیں گے۔ کشمیر میں امن وامان اور قانونی نظام بحال ہوجانے کے بعد ہم انجمن اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی ادارے کی بین الاقوامی نگرانی میں کشمیر میں رائے شماری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم ایک صاف اور منصفانہ فیصلہ کے حق میں ہیں۔ ہم عوام کا فیصلہ منظور کریں گے۔"

رائے شماری کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو کے مقرر وعدے اور ایفائے عہد کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما تھا کہ اس طرح وقتی طور دوسروں کا منہ بند کیا جا سکے جو ہندوستان پر بزور طاقت کشمیر ہڑپ کرنے کا الزام لگائیں یا لگا سکتے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ رائے شماری کے بارے میں ان کی جو رازداری تھی اس کو مدنظر رکھ کر رائے شماری کے بارے میں ان کی یقین دہانیاں مشکوک تھیں۔

رائے شماری کے بارے میں شیخ عبداللہ کے ساتھ ان کی رازداری کا پنڈت جی نے برسوں بعد ہی سہی خود ہی اس وقت پردہ ہٹادیا ہے جب ۱۹۶۰ء میں جواہر ٹنل کو قوم کے نام وقف کردیا۔ اس موقع پر منعقدہ تقریب میں پنڈت نہرو نے فرمایا۔

"...... کچھ لوگ یہاں رائے شماری کا چرچا کرتے ہیں۔ رائے شماری کی باتیں کرتے ہیں جو لوگ رائے شماری کے بارے میں دوسروں کو اُکساتے ہیں وہ رائے شماری کے بارے میں سب جانتے ہیں۔"

شیخ صاحب رائے شماری کے بارے میں خود "آتش چنار" میں لکھتے ہیں۔

"ڈوگرہ شاہی کے خاتمہ کے بعد جب میں ریاست کا حاکم اعلیٰ بن گیا تو میں چوہدری غلام عباس خان سے جیل میں ملنے گیا اور میں نے انہیں صاف صاف بتایا۔

"ریاست میں رائے شماری ممکن العمل نہیں ہے۔"

رائے شماری کے اس خفیہ معاہدے سے پریم ناتھ بزاز واقف تھے کیوں کہ ان ایام میں بزاز صاحب دہلی میں مقیم تھے اور وہ اکثر پنڈت نہرو کی کوٹھی پر ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "کشمیر میں آزادی کی جدوجہد" میں شیخ عبداللہ سے مخاطب ہوکر کہا ہے۔

"شیخ عبداللہ نے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشمیر کے تمام عوام کا نمائندہ ہے۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ جس کی نمائندگی وزیراعظم مہر چند مہاجن کر رہا تھا مشترکہ طور پر انڈین یونین کے ساتھ الحاق کے دستاویز پر رائے شماری کی شرط کے ساتھ دستخط کرلیے۔ جیسا کہ صاف ظاہر ہے آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری کی شرط کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی موقعہ پر لانے کے لیے نہیں تھی......"

یہ تو محض ایک دھوکہ تھا اور اس دھوکہ کے بارے میں بزاز صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"بیعنامہ امرتسر جو مارچ ۱۸۴۶ء میں پنجاب میں سکھ سلطنت کے سقوط پر پیش قدمی کرنے والے برطانوی سامراج نے مبہوت کشمیریوں کو ایک غیر ملکی ڈوگرہ خاندان کے رحم وکرم پر چھوڑا لیکن اُس غیر طے شدہ اور پسماندہ دور میں جب ملک میں سیاسی مہم بازوں کی کوئی کمی نہ تھی کشمیری سیاستدانوں میں ایک بھی ایسا خود غرض بددیانت اور دھوکہ باز نظر نہ آیا جس نے معاہدہ امرتسر پر دستخط کردئے ہوں۔ مگر اس واقعہ کے ایک سو سال بعد جب نیم براعظم ہندوستان پر انگریزی سامراج کو ختم کردیا گیا۔ جب کشمیر سیاسی طور پر بیدار ہوا تھا اور بغاوت پر تھا اور عوام نے ڈوگرہ حکمرانوں کو کشمیر سے نکال دیا تھا ہندوستانی سامراج اُن پر دوبارہ مسلط ہوگیا۔ اس بار کشمیریوں کی ایک مٹھی بھر تعداد جو "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کی محرک اور خود کو وطن پرست اور انقلابی قرار دے رہی تھی نہ صرف دستاویز میں فریق و شریک بن گئی بلکہ

اُس نے اس دستاویز کو میگنا کارٹا قرار دیا۔"

پریم ناتھ بزاز جو ۱۹۳۸ء سے کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے میں شیخ عبداللہ کے ساتھ سازش میں برابر کا شریک تھا۔ اُس کے ضمیر نے کسی بھی مرحلے پر صحیح اس سازش اور سودا بازی کے خلاف احتجاج کیا۔ اور سودا بازی کرنے والے حکمران کو خبردار کیا کہ وہ اپنے جاہ و حشمت کے لیے ریاستی عوام کو ہندوستان کا غلام بنا رہا ہے۔ لیکن اس احتجاج سے حکمران کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

دستاویز الحاق منظور ہوتے ہی بھارتی فوج کشمیر بھیجنے کی کارروائی ہونے لگی تو مہاتما گاندھی نے فوجی کارروائی کو نامنظور کر کے ایک قسم کا رخنہ ڈال دیا۔ ڈیفنس کمیٹی پریشان ہو گئی۔ اب کیا کیا جائے۔؟

چنانچہ نہرو کی ہدایت پر شیخ عبداللہ کو مہاتما گاندھی منانے کے لیے بھیجدیا گیا۔ شیخ صاحب نے مہاتما گاندھی کو بتایا۔

"چونکہ میں ہندوستانی رہنماؤں سے امداد طلب کرنے کے لیے آیا ہوں لہٰذا میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کشمیر کی لڑائی زمین کے لیے نہیں بلکہ اپنے آدرشوں کو بچانے کے لیے ہے جن کی علمبرداری اور ترجمانی آپ کرتے ہیں اور جن کا پرچار آپ نے عمر بھر کیا ہے لہٰذا ہندوستان کو اس وقت کشمیری عوام کی امداد سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیئے جبکہ کشمیری عوام حملہ آوروں کے ظلم و جبر کے خلاف بے جگری سے لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ہندوستان نے امداد نہ دی تو ایسا کرنا کشمیر کے لوگوں سے زیادہ اُن آدرشوں سے بے انصافی ہو گی جو ہمیں مشترکہ طور پر عزیز ہیں۔"

بقول شیخ عبداللہ، گاندھی جی نے ازراہ شفقت میری اس استدعا کو منظور کر لیا اور فوج روانہ کرنے کی اجازت دیدی۔

گاندھی جی سے اذن لے کر شیخ عبداللہ، جواہرلال نہرو کی کوٹھی ۱۷۔ یارک روڈ پہنچے تو اس وقت کمرے میں جواہرلال نہرو اور سردار پٹیل اس نازک موقعہ پر مہاتما گاندھی کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے پر سخت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

شیخ صاحب پنڈت نہرو کو جلدی جلدی یہ خوشخبری سُنانا چاہتے تھے۔ لیکن

اس وقت کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ شیخ صاحب اپنے آپ کو نہرو کا قریبی دوست اور ساتھی سمجھ رہے تھے لہٰذا وہ ملازم کے منع کرنے کے باوجود بھی اندر داخل ہوئے سردار پٹیل اور نہرو چونک گئے اور اُن کے چہرہ سے صاف عیاں تھا۔ انہیں اس وقت اُن کا اندر آنا سخت ناگوار گزرا۔ شیخ صاحب نے اُن کی بے رخی درگزر کر کے پنڈت نہرو کو مہاتما گاندھی کی فوجی کارروائی کی اجازت کی خبر سنائی لیکن انہوں نے سرد مہری سے کام لے کر انہیں تھوڑی دیر کے لیے دوسرے کمرے میں بیٹھنے کو کہا۔

شیخ صاحب واپس نکل کر دوسرے کمرے میں انتظار کرنے لگے۔

اس دوران مہرچند مہاجن بھی آگئے۔ شیخ صاحب نے انہیں بتا دیا اندر جانے کی ابھی اجازت نہیں ہے۔ وہاں کوئی خاص بات چیت ہو رہی ہے۔

مہرچند مہاجن شیخ صاحب کے ساتھ انتظار میں بیٹھ گئے، تو شیخ عبداللہ نے موقع غنیمت جان کر مہاجن سے استدعا کی کہ وہ پنڈت نہرو کو فوجی امداد کے لیے منائیں اور اس بات کی بھی کوشش کریں کہ پنڈت جی اور پٹیل جی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے نیشنل کانفرنس کو دعوت دیں۔

پنڈت نہرو کی دوستی کی خاطر شیخ عبداللہ نے کیا کچھ نہ کیا تھا۔ اس کے باوجود ایک ایک بات منوانے کے لیے شیخ صاحب کو مہاجن جیسے لوگوں کی سفارش کا دستِ نگر بننا پڑ رہا تھا۔

مہرچند مہاجن اس بارے میں اپنی کتاب "انٹروگیشن آف اسٹیٹس" اوڈ لوکنگ بیک"، میں لکھتے ہیں۔

"میں وزیر اعظم کی کوٹھی پر آیا یہاں سردار پٹیل بھی تھا۔ اس بات کے پیش نظر کہ حملہ آور بارہمولہ اور سرینگر کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں میں نے التجا کی کہ سرینگر شہر کو کسی بھی قیمت پر لوٹ اور تباہی سے بچانا لازمی ہے۔ دوران گفتگو وزیر اعظم نے بتایا۔

اگر قبائلی حملہ آور شہر سرینگر پر قبضہ بھی کر لیں تو ہندوستان کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ اسے پھر واپس لے سکیں گے۔ میں نے پھر زور دے کر مگر مودبانہ انداز میں کہا۔ ہمیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔

اس پر انہوں نے کہا۔ فوری طور پر فوجی امداد بھیجنی ممکن نہیں کیونکہ اس مہم کے لیے کافی تیاریاں اور انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے اور صرف تمہارا مطالبہ کرنے سے فوج نہیں بھیجی جا سکتی۔"

ظاہر ہے کہ تمام طرح کی تیاریاں مکمل کرنے حتیٰ کہ فوج کے تینوں سربراہوں کو سرینگر روانہ کرنے مہاراجہ ہری سنگھ سے دستاویز الحاق حاصل کرنے شیخ عبداللہ کا اس پر دستخط کرنے کے باوجود فوجی کارروائی میں تاخیر ایک خاص مقصد کی نشاندہی کر رہی تھی۔ دراصل یہ اصحاب شیخ عبداللہ سے کوئی گارنٹی چاہتے تھے۔ اسی لیے ان کو علیٰحدہ کمرے میں رکھ کر اُن کی انا کا امتحان لے رہے تھے۔

مہر چند مہاجن نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کی سرد مہری دیکھ کر زور زور سے کہا۔

"ہمیں فوجی امداد درکار ہے۔ وہ دے دیجئے، آپ کشمیر کا الحاق قبول کر لیں اور جو اقتدار آپ عوامی پارٹی (نیشنل کانفرنس) کو دینا چاہیں دے دیں ورنہ میں لاہور جا کر مسٹر جناح سے شرائط طے کر دوں گا۔"

مہر چند مہاجن کی اس بات پر یہ دونوں لیڈر پریشان ہو گئے۔ پنڈت نہرو نے غصے ہو کر کہا۔

"مہاجن — ! چلے جاؤ، جو کچھ کرنا ہے کرو!"

مہاجن باہر نکلے تو سردار پٹیل نے انہیں روکا — اس گرم گفتار کو سن کر شیخ عبداللہ سے رہا نہیں گیا۔

اور وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔

پنڈت نہرو دراصل مہر چند مہاجن کی آڑ میں کسی بات پر ناراض ہو کر شیخ عبداللہ کو جھاڑ پلا رہے تھے۔ وہ یہ جھاڑ سن کر سخت مایوس ہو گئے اور کھیل کو بگڑتے دیکھ کر اجازت کی پرواہ کیے بغیر اندر آئے اور پنڈت جی سے ہزیمت خوردہ شکاری بن کر انکساری سے بولے۔

"پنڈت جی —! یہ وقت خفا ہونے کا نہیں، غصہ ٹھنڈا کیجئے اور فوری طور پر کشمیر کو بچانے کا اقدام کیجئے ورنہ اگر تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو سانپ نکل جائے گا اور ہم لکیر پیٹتے رہیں گے۔"

سردار پٹیل نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے شیخ صاحب سے کہا۔

"بس! یہی باتیں آپ لکھ کر دیجئے — معاملہ ختم!"

شاید پنڈت نہرو کو شیخ صاحب کی طرف سے اسی تحریری استدعا کا انتظار تھا چنانچہ وہ غصہ پی کر فوج کشی کے لیے راضی ہو گئے۔

یاد رہے کہ جس وقت ان لیڈروں نے فوجی کارروائی کی شیخ عبداللہ اور مہر چند مہاجن کو اطلاع دی اس وقت کشمیر میں کب کی فوجی کارروائی ہو چکی تھی۔

فوجی کارروائی صبح سویرے چھ بجے شروع ہو گئی تھی اور صبح دس سے گیارہ بجے کے درمیان وزیر اعظم کی کوٹھی پر یہ ڈرامہ رچایا جا رہا تھا۔

پچھلے کئی برسوں کے حالات اور واقعات — لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا جون ۱۹۴۷ء میں کشمیر آنا اس کے بعد اگست کے پہلے ہفتے میں مہاتما گاندھی کو کشمیر بھیجنا، مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ریاست کے الحاق کی بات چیت کرنا، شیخ عبداللہ کی سزا معاف کر کے انہیں چند ساتھیوں کے ساتھ وزارتی کونسل میں لینے کی سفارش کرنا۔

پنڈت نہرو کو مہاتما گاندھی کا اپنے مشن میں کامیاب ہونے کی اطلاع بھیج دینا پنڈت نہرو کی طرف سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پنجاب کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین اور پریم ناتھ بزاز کو درمیانہ داری سے بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق طے کرنا، الحاق کو تابع رائے شماری رکھ کر پاکستان اور انجمن اقوام متحدہ کا منہ بند رکھنے کا پلان بنانا۔

شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے مہاتما گاندھی کو فوج کشی کے لیے راضی کر لینا اور اُن کی طرف سے پنڈت جی کے پاس مہر چند مہاجن کی فوجی امداد کے ساتھ نیشنل کانفرنس کو اختیارات تفویض کرانا، پنڈت نہرو کا تکیہ کو پیٹ کر شیخ عبداللہ پر رعب جماتا اور بدلے میں ان کی فوجی امداد کی سلپ حاصل کرنا — سب ایک ڈرامہ سا لگتا ہے۔ جس کی آج یہاں آخری ریہرسل ہو رہی تھی۔

اس ڈرامہ کی مکمل ریہرسل کر کے جب شیخ صاحب دہلی سے سرینگر آ گئے تو ان کا پیچھا پنڈت نہرو کا ایک خط کر رہا تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اور باتوں کے علاوہ لکھ دیا تھا۔

"....... ہم نے ایک مشکل کام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ جس میں ہم کامیاب ہو رہے

ہیں مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے مقصد[1] میں کامیاب ہو کر پار اُتر جائیں گے۔ جب سے میں نے سُنا ہے ہماری فوج سرینگر میں آ تر گئی ہے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اب ہماری دوستی اور ہمارے مستقبل کا امتحان ہوگا۔"

سرینگر پہنچتے ہی شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا اور قبائلی لیڈروں کے خلاف رائے عامہ منظم کرنے کی ہدایت دے گیا۔



شیخ محمد عبداللہ　　　جواہر لال نہرو

---

[1] برصغیر کی تقسیم سے بہت پہلے الحاق کے بارے میں ایک مشکل کام ہاتھ میں لیا تھا۔
[2] رائے شماری کا اعلان کر کے دنیا کا منہ بند کرنے کا مقصد حاصل کرنے کی چاہت کا اظہار۔

میں دھوپ اوڑھ کے گھر سے سفر پہ نکلا تھا
وہ بن کے کالی گھٹا تھی میرے تعاقب میں

چھ برقعہ پوشوں کی کہانی

قبائلی حملے کے دوران شیخ محمد عبداللہ دہلی گئے ہوئے تھے۔ جب وہ دہلی سے واپس سرینگر [آئے] تو انہیں قبائلی حملہ آوروں کے کارِ نمایاں سُنائے گئے۔ جب انہیں مظفرآباد کے ڈپٹی [کمشنر] دونی چند مہتہ کے قتل اور اُن کی بیوی معہ دو جوان لڑکیوں کے اغوا کی اطلاع [د]ی گئی تو وہ سخت اضطراب محسوس کرنے لگے اور انہیں فوری طور پر اپنی اور اپنی بیوی [بچو]ں کی فکر لاحق ہو گئی۔

اپنی فکر اور پریشانی کے بارے میں انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو مطلع کیا تو [پنڈ]ت نہرو نے شیخ صاحب سے پوچھا۔ "آپ چاہتے کیا ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"اگر قبائلی حملہ آور آگے بڑھ کر سرینگر میں داخل ہو گئے تو وہ مجھے اور میرے عیال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے میں چاہتا ہوں کہ میری فیملی محفوظ مقام پر پہنچ جائے اور اگر ضرورت پڑے تو میں بھی یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔"

[پنڈ]ت نہرو نے شیخ صاحب کو مطلع کر دیا تم اپنی فیملی کو میرے پاس دلی بھیجدو مگر خود سرینگر [میں ا]ب تک ڈٹے رہو جب تک حالات قابو سے باہر نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس وقت آپ کا [فرار] بھارت کی ناکامی کا اعلان ہو گا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے لفٹننٹ جنرل ہیرا لال اٹل کو ٹیلی گرام بھیجدیا۔ ہیرا لال اٹل [آ]پریشن کے انچارج تھے جو بھارتی فوج قبائلیوں کو باہر نکالنے کے لیے کشمیر میں کر رہا تھ

اگرچہ بھارتی فوج سرینگر آکر مضافات کے لیے روانہ کر دی گئی تھی لیکن حالات کچھ ایسے تھے کہ کوئی بھی حتمی طور پر کہہ نہیں سکتا تھا کہ قبائلی پسپا ہوں گے یا بھارتی فوج۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی فوج سامان جنگ سے لیس تھی اور اُن کی مدد بمبار جہاز کر رہے تھے جبکہ قبائلیوں کے پاس صرف روائتی ہتھیار تھے۔ مگر اس وقت یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا قبائلی پیچھے ہٹ جائیں گے یا آگے لفٹنٹ جنرل اٹل تمام حالات کا بذات خود مشاہدہ کر رہے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو ان کے ساتھ برابر رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ پنڈت نہرو قبائلیوں کی پسپائی کی خبر سُننے کے لیے سخت فکر مند تھے لیکن اٹل صاحب کی تشویش برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے اصرار کے بعد لفٹنٹ جنرل ہیرا لال اٹل نے انہیں اطلاع دی کہ اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو میں آپ کو کوڈ ورڈ "شیر" سے اطلاع دوں گا اگر ہم ناکام ہو گئے تو میرا کوڈ ورڈ "جیکب" ہو گا۔

اس بات چیت کے دوران پنڈت نہرو نے انہیں اطلاع دی کہ آپ ہوائی اڈے پر ایک جہاز کو تیار رکھیں آپ کے پاس چھ برقعہ پوش آئیں گے ان کو آپ فوراً جہاز میں دہلی روانہ کریں۔

ادھر ہیرا لال اٹل قبائلیوں کو پیچھے دھکیلنے کی حکمت عملی میں مصروف تھے اور اُدھر شیخ عبداللہ قبائلیوں کے بڑھتے قدم روکنے کے لیے رضا کاروں کی تنظیمیں بنانے لگے۔ شیخ عبداللہ کی اس تجویز پر وادی بھر میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی رضاکار تنظیمیں بن گئیں، مردوں کی دیکھا دیکھی خواتین بھی میدان جہاد میں کود آئیں۔

شیخ عبداللہ کی پکار پر نہ صرف جوان مرد بلکہ بوڑھے اور بچوں کے ساتھ مائیں اور بہو بیٹیاں بھی سر پر کفن باندھ کر نکل آئیں اور لکڑی کے لٹھے اور نقلی بندوقیں کندھوں پر اُٹھا کر۔

قدم قدم بڑھیں گے ہم   محاذ پر لڑیں گے ہم
حملہ آور خبردار   ہم کشمیری ہیں تیار

کے نعرے لگا رہی تھیں۔ ٹھیک اس وقت جبکہ شرم دار خواتین اور بہو بیٹیاں برقعے پھینک کر پردے سے باہر آ رہی تھیں اور میدان کارزار میں نکل رہی تھیں۔ بیگم شیخ محمد عبداللہ ٹرنک میں برقعہ جمع کر رہی تھیں تا کہ ان برقعوں میں چھپ چھپا کر وہ اپنے عیال کو محفوظ مقام پر

جا سکے۔

ادھر بیگم عبداللہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے لیے برقعے جمع کر رہی تھیں تو اُدھر شیخ محمد عبداللہ ...بنڈ ذبنک میں سے ساری دولت نکال کر اپنا اکاونٹ کلوز کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ...تی کھلتے اکونٹ نمبر ر/342 سے ووچر نمبر 1839 مورخہ 47-10-30 کے تحت ...ساری رقم دہلی برانچ کو ٹرانسفر کرنے کی درخواست دی۔ جو ۱۲ لاکھ روپے پر مشتمل تھی۔

سرینگر کے ہوائی اڈے پر ہیرا لال اٹل نے ایک جہاز کو دن کے ایک بجے تیار رکھا ...م کے چھ بجے کے قریب شیخ صاحب ایک گاڑی میں برقعوں میں ملبوس اپنے عیال کو ...کر آ گئے۔ ان میں دو بچے ایسے تھے جو گود میں اُٹھانے کے قابل تھے۔ بقول لفٹنٹ ...ل ہیرا لال اٹل میں نے اس موقعہ پر شیخ صاحب سے کہہ دیا آپ اور آپ کی فیملی کے ...سے یہاں سراسیمگی پھیل جائے گی اور حالات کو قابو میں کرنے کے لیے ہم جو کوششیں ...رہے ہیں آپ کے افراد خانہ کے فرار سے ان کوششوں پر پانی پھر جائے گا۔ لیکن ...ا حیرانگی کی کوئی حد نہیں رہی جب شیخ صاحب نے مجھ سے کہا۔

"میری فیملی کو دہلی پہنچانے کا آپ کو فوری طور پر بندوبست کرنا چاہیئے۔"

...نچہ پورے چھ بج کر پچیس منٹ پر ان کے افراد خانہ کو قیمتی سامان کے ساتھ جہاز میں ...ار کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا۔

شیخ عبداللہ جہاز کی روانگی کے بعد جب واپس جانے لگے تو انہوں نے اپنے لیے ...یہاں ایک جہاز تیار رکھنے کی ہدایت دی۔

...دہلی میں جب شیخ محمد عبداللہ کی فیملی پنڈت نہرو کی کوٹھی میں داخل ہوتی تو انہوں ...ان کی آمد کی اطلاع شیخ صاحب کو بھیجدی۔ بقول شاعر ؎

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

...عبداللہ نے اپنی فیملی کے محفوظ جگہ پہنچنے پر اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اسی وقت خانقاہ ...گئے وہاں شکرانے کی نماز ادا کی ـــــ یہاں اُن کی آمد پر ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔ ...صاحب نے ایک مختصر تقریر میں لوگوں کے سامنے فرمایا۔

"...... اس وقت حوصلہ رکھنے کی ضرورت ہے آپ لوگوں کے سامنے

پاکستان کے کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ قبائلی لٹیروں نے یہاں جو تباہی مچادی اور لوٹ مار کے ساتھ عورتوں کی بے حرمتی کی اس سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بھارتی فوج انہیں پیچھے دھکیل رہی ہے آپ لوگوں کو اپنے وطن کی حفاظت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے اگر مجھے اپنی اور اپنے عیال کی قربانی دینا پڑے میں گریز نہیں کروں گا۔۔۔۔"

قبائلیوں کی پسپائی کے بعد جب ہیرالال اٹل نے کورڈورڈ "شیر" دہلی روانہ کیا تو وہاں شادیانے منائے جانے لگے۔ کچھ دنوں بعد جب لفٹننٹ جنرل ہیرالال اٹل کو دہلی جانا پڑا تو پنڈت نہرو کی کوٹھی پر بیگم عبداللہ نے اس بات پر ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے نازک موقعہ پر انہیں یہاں دہلی بھیج کر ہم پر ایک احسان کیا۔ بیگم عبداللہ پورے ۱۲ دنوں تک نہرو کی کوٹھی پر اُن کی ذاتی مہمان بن کر رہیں۔

وادی میں قبائلیوں کی شورش دب جانے کے بعد شیخ عبداللہ اپنی فیملی لانے دہلی گئے تو پنڈت نہرو نے ان کی فیملی کو اور کچھ دنوں تک مہمان بنائے رکھنے کی خواہش ظاہر کر کے شیخ صاحب کو خالی ہاتھ واپس کر دیا۔

دہلی سے سرینگر آنے پر نیشنل کانفرنس نے شیخ صاحب کا ہوائی اڈے سے امیراکدل تک استقبال کرنے کا پروگرام بنایا۔ لوگ بسوں اور ٹرکوں میں سوار ہو کر ایر پورٹ روانہ ہو گئے۔ واپسی پر ایک ٹرک جس میں اتفاق سے صرف خواتین سوار تھیں اور جن کی سرکردگی زینب بیگم (خواجہ غلام محمد صادق کی ہمشیرہ) کر رہی تھیں باغات برزلہ کے پاس ایک توت کے درخت کے ساتھ ٹکرائی، سات عورتیں شدید زخمی ہو گئیں جن کو زینب بیگم نے نیشنل ہسپتال پہنچا کر بھرتی کرایا۔

پنڈت نہرو نے جب اس حادثہ کی خبر سنی تو انہوں نے وزیراعظم کے ریلیف فنڈ سے ان زخمی خواتین کے لیے ایک ایک ہزار کے حساب سے سات ہزار روپے امداد کے طور پر روانہ کیے۔

شیخ عبداللہ نے یہ سات ہزار روپے زخمی خواتین کو دینے کے بجائے اپنے پاس

رکھ دیے۔ دراصل شیخ صاحب کو معلوم نہ تھا کہ وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو نے ان سات ہزار روپے کی روانگی کی اطلاع زینب بیگم کو بھیجدی ہے۔ جب زینب بیگم نے شیخ صاحب سے ان روپیوں کا تقاضا کیا تو پہلے انہوں نے یہ روپے پنڈت نہرو سے لینے سے انکار کیا، پھر آج کل کر کے اس رقم کو ہڑپ ہی کر گیا۔

پنڈت نہرو نے جب یہ ماجرا سنا تو انہوں نے بہت بُرا منایا اور زینب بیگم کو یقین دلایا میں اُن زخمی خواتین کی ضرور مدد کروں گا۔

چنانچہ انہوں نے شیخ عبداللہ کو اطلاع دیئے بغیر ان خواتین کو معاوضہ کی رقم لوٹا دی۔

اس دوران نیشنل کانفرنس کے والنٹیر اہم ناکوں پلوں اور سرکاری دفاتر کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔ شالی سٹور سے کیشئر کاشی ناتھ رازداں ڈیڑھ لاکھ روپے لیکر جب سرکاری خزانہ میں بھرنے گیا تو نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں نے انہیں دبوچ لیا اور خیال کیا یہ سرکاری روپے لے کر فرار ہو رہا تھا۔ چنانچہ اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے انہیں شیخ صاحب کے پاس پیش کیا گیا۔ رازداں نے شیخ صاحب کو ڈیڑھ لاکھ روپے کا چالان دکھا کر کہا یہ رقم میں حسب معمول خزانے میں جمع کرنے جا رہا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا میرے گواہ وہ دو سپاہی ہیں جو میرے ساتھ خزانہ پر آ رہے تھے۔

شیخ صاحب نے ڈیڑھ لاکھ روپے اور چالان بک لے کر رازداں کو جانے دیا۔ رازداں نے اسی وقت ڈائریکٹر کے پاس رپورٹ درج کی تو انہیں نوکری سے معطل کیا گیا۔ چنانچہ محکمہ کی طرف سے شیخ صاحب سے اس رقم کا تقاضا کیا گیا۔ انہوں نے آج اور کل کر کے ٹال دیا آخر پر یہ فیصلہ سنا دیا یہ ساری رقم تنظیم کے کام کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ اس طرح ریاست کا ایڈمنسٹریٹر بنتے ہی شیخ صاحب کے نام پورے ڈیڑھ لاکھ کی لاٹری نکل آئی۔ انہوں نے "آتش چنار" میں اس رقم کے بارے میں بتایا "یہ ہنگامی ضرورتوں کے کام آئی۔"

("کشمیر کا سیاسی انقلاب" جلد تین کا مطالعہ کرنا نہ بھولیے۔
اس میں ایسے بے شمار انکشافات ہیں جس سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔)

اُردو کتابیں، رسائل اور اخبارات جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تاریخ احمدیہ مکمل	ادارہ اشاعتِ انجمن احمدیہ
۲	تاریخ احرار	افضل حق
۳	تاریخ کشمیر	محمد دین فوق
۴	تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق
۵	کشمیر	چراغ حسن حسرت
۶	آزادیٔ برصغیر	جانباز مرزا
۷	کشمیر گاندھی	پریم ناتھ بزاز
۸	مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج	ملک فضل حسین
۹	کشمیر ہمارا ہے	غلام احمد کشفی
۱۰	مسئلۂ کشمیر	غلام احمد کشفی
۱۱	گلدستۂ کشمیر	پنڈت ہرگوپال خستہ
۱۲	فغانِ کشمیر	رحمت اللہ خان
۱۳	احرار اور تاریخ کشمیر	تاج الدین انصاری
۱۴	کشمیر کی کہانی	ظہور احمد
۱۵	شیرِ کشمیر	کلیم اختر
۱۶	تاریخ کشمیر	محمد آزاد
۱۷	تاریخ آئینہ دکھاتی ہے	کریم نواز
۱۸	انقلابِ کشمیر	فضل الدین بھٹی
۱۹	تاریخ آزادیٔ کشمیر	میر عالم خان
۲۰	مجاہدینِ کشمیر	محمد یوسف
۲۰۸	معمارِ آزادیٔ کشمیر	محمد اسد اللہ قریشی

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۲۱	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	مرزا شفیق حسین
۲۲	مسئلۂ کشمیر	ممتاز احمد
۲۳	آبِ کوثر	شیخ محمد اکرم
۲۴	تاریخ تحریک آزادی	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۲۵	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں
۲۶	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	(ترجمہ) یونس احمد
۲۷	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	(") رئیس احمد جعفری
۲۸	قائد اعظم کے آخری ایام	کرنل الٰہی بخش
۲۹	شیخ محمد عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی
۳۰	کشمیر چھوڑ دو	چوہدری عبدالواحد
۳۱	لیک سکسیس سے تاشقند تک	پی این کول بامزئی
۳۲	سرینگر ۱۹۷۵ء میں	شمس کشمیری
۳۳	مارشل لاء سے مارشل لاء تک	سید نور احمد
۳۴	کشمیر ساگا	سردار محمد ابراہیم خان
۳۵	تحدیثِ نعمت	سر ظفر اللہ خاں
۳۶	کشمیر کی نزاع	بلراج پوری
۳۷	یادِ ایام	میاں امیر الدین
۳۸	کشمکش	چودھری غلام عباس خان
۳۹	یادِ رفتہ	کرشن دیو سیٹھی
۴۰	آتشِ چنار	شیخ محمد عبداللہ
۴۱	داستانِ حیات	سید میر قاسم
۴۲	تحریک حریت کشمیر جلد ۱-۲-۳	رشید تاثیر
۴۲	پریم کھلاڑی	سردار بدھ سنگھ

اُردو کتابیں، رسائل اور اخبارات جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تاریخ احمدیہ مکمل	ادارہ اشاعتِ انجمن احمدیہ
۲	تاریخ احرار	افضل حق
۳	تاریخ کشمیر	محمد دین فوق
۴	تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق
۵	کشمیر	چراغ حسن حسرت
۶	آزادیٔ برصغیر	جانباز مرزا
۷	کشمیر گاندھی	پریم ناتھ بزاز
۸	مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج	ملک فضل حسین
۹	کشمیر ہمارا ہے	غلام احمد کشفی
۱۰	مسئلۂ کشمیر	غلام احمد کشفی
۱۱	گلدستۂ کشمیر	پنڈت ہرگوپال خستہ
۱۲	فغانِ کشمیر	رحمت اللہ خان
۱۳	احرار اور تاریخ کشمیر	تاج الدین انصاری
۱۴	کشمیر کی کہانی	ظہور احمد
۱۵	شیرِ کشمیر	کلیم اختر
۱۶	تاریخ کشمیر	محمد آزاد
۱۷	تاریخ آئینہ دکھاتی ہے	کریم نواز
۱۸	انقلابِ کشمیر	فضل الدین بھٹی
۱۹	تاریخ آزادیٔ کشمیر	میر عالم خان
۲۰	مجاہدینِ کشمیر	محمد یوسف
۲۰A	معمارِ آزادیٔ کشمیر	محمد اسد اللہ قریشی

۲۱	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	مرزا شفیق حسین
۲۲	مسئلۂ کشمیر	ممتاز احمد
۲۳	آبِ کوثر	شیخ محمد اکرم
۲۴	تاریخ تحریکِ آزادی	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۲۵	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں
۲۶	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	(ترجمہ) یونس احمد
۲۷	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	(") رئیس احمد جعفری
۲۸	قائد اعظم کے آخری ایام	کرنل الٰہی بخش
۲۹	شیخ محمد عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی
۳۰	کشمیر چھوڑ دو	چوہدری عبدالواحد
۳۱	لیک سکیس سے تاشقند تک	پی این کول بامزئی
۳۲	سرینگر ۱۹۷۵ء میں	شمس کشمیری
۳۳	مارشل لاء سے مارشل لاء تک	سید نور احمد
۳۴	کشمیر ساگا	سردار محمد ابراہیم خان
۳۵	تحدیثِ نعمت	سر ظفر اللہ خاں
۳۶	کشمیر کی نزاع	بلراج پوری
۳۷	یادِ ایّام	میاں امیر الدین
۳۸	کشمکش	چودھری غلام عباس خان
۳۹	یادِ رفتہ	کرشن دیو سیٹھی
۴۰	آتشِ چنار	شیخ محمد عبداللہ
۴۱	داستانِ حیات	سید میر قاسم
۴۲	تحریکِ حریتِ کشمیر جلد ۱-۲-۳	رشید تاثیر
۴۲A	پریم کھلاڑی	سردار بدھ سنگھ

۴۳	کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے	اشرف عطا
۴۴	کشمیر جل رہا ہے	کرشنا مہتہ
۴۵	آزادی کی تلاش	محمد فاروق رحمانی
۴۶	شیخ عبداللہ کے نقوش	محمد فاروق رحمانی
۴۷	تاریخ تحریکِ اسلامی جموں و کشمیر	عاشق کشمیری
۴۸	یادوں کے آنسو	غلام محمد طاؤس
۴۹	منیر رپورٹ	جسٹس منیر احمد
۵۰	سرگزشت	عبدالمجید سالک
۵۱	شیخ عبداللہ کا بدلتا چہرہ	عبدالعزیز
۵۲	کشمیر کمیٹی کی کہانی	ڈاکٹر مائل
۵۳	فرقہ پرستی کا گڑھ	دیس راج گوئل
۵۴	کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک	خواجہ ثناء اللہ بٹ
۵۵	کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء	صوفی محی الدین
۵۶	تاریخ جنگ آزادی	منشی تصیر الدین
۵۷	پونچھ تاریخ و صحافت کے آئینے میں	خوش دیو مینی
۵۸	معمارِ کشمیر	بنسی نردوش
۵۹	کشمیر چھوڑ دو	غلام محمد صادق
۶۰	عہد و پیمان حضرت بل	غلام احمد مہجور
۶۱	شبستان (ڈائجسٹ	ادارہ شمع دہلی
۶۲	جموں و کشمیر تاریخی دستاویزات	خواجہ عبدالصمد وانی
۶۳	رسالہ "شیرازہ" (شیر کشمیر نمبر)	کلچرل اکیڈیمی ۔ سرینگر
۶۴	غور و فکر	صادق

۶۵	پیغام اور پروگرام	شیخ محمد عبداللہ
۶۶	کشمیر ۔ مسلم نقطۂ نظر سے	مولانا مسعودی
۶۷	کل ہند مسلم کنونشن	چودھری محمد شفیع
۶۸	جولائی ۱۹۳۱ء شہادت تحریر	کمیشن رپورٹ
۶۹	شیخ محمد عبداللہ کی وزارت کے زوال کے اسباب ۔ ایک رپورٹ	
۷۰	مجلس آئین ساز میں تقاریر	شیخ محمد عبداللہ
۷۱	گجندر گڈکر کمیشن رپورٹ	ٹھاکر اننت سنگھ
۷۲	کاروائی لوک سبھا ۱۹۴۸ء ۔ ۱۹۵۳ء	رپورٹ
۷۳	جس کشمیر کو خون سے سینچا	کشمیر اسٹوڈنٹس اینڈ یوتھ لیگ
۷۴	خطبۂ صدارت مسلم کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۵	خطبۂ صدارت نیشنل کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۶	سیاسی ڈائری	نور محمد بک سیلرز
۷۷	کشمیر کی سیاسی تحریک	(قلمی) بخشی غلام محمد
۷۸	پولٹیکل ڈائری	(قلمی) مرزا محمد افضل بیگ
۷۹	تحریکِ حرّیت	(قلمی) پیر افضل مخدومی
۸۰	کشمیر کے سیاسی واقعات	(قلمی) شیخ عبدالحمید
۸۱	نئی سحر	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۲	شیخ عبداللہ کی زندگی ایک کھلی کتاب	عابد حسین خان
۸۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۴	جب الحاق ہوا تھا	محمد شفیع قریشی
۸۵	مسلمانوں کو آخری وارننگ	مسلم یوتھ فیڈریشن
۸۶	جہاد اور فساد میں فرق	〃 〃 〃

۸۷	کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ	محاذ رائے شماری
۸۸	کشمیر اور ہمارا موقف	مولوی محمد فاروق
۸۹	کاروائی مقدمہ بغاوت ۱۹۵۸ء	ایک رپورٹ
۹۰	شیخ محمد عبداللہ کی تقاریر	نیشنل کانفرنس مجاہد منزل سرینگر
۹۱	سیاسی کنونشن جولائی ۱۹۶۸ء	محاذ رائے شماری مجاہد منزل
۹۲	خطبۂ استقبالیہ خان عبدالغفار خاں ۔ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس	
۹۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ اور شیخ عبداللہ کا رول ۔ پردیش کانگریس کمیٹی	
۹۴	آرکائیوز ڈیپارٹمنٹ کی ریکارڈ فائلیں ۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۷ء	

(۱) فائل اخبار "الفضل" ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء (۲) فائل اخبار "چٹان" لاہور ۔ مرتب شورش کاشمیری
(۳) " " صداقت ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۸ء (۴) " ہفتہ وار "ہمدرد" سرینگر " پریم ناتھ بزاز
(۵) " " نامکمل ہفتہ وار "پاسبان" جموں سرینگر (۶) فائل نامکمل ہفتہ وار "صداقت" سرینگر
(۷) روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۹۳۱-۳۲ء (۸) " روزنامہ "آفتاب" سرینگر
(۹) " رسالہ "مخزن" لاہور (۱۰) " روزنامہ "ہمدرد" سرینگر کشمیر
(۱۱) اخبار "زمیندار" لاہور (۱۲) " نامکمل ہفتہ وار "خالد" سرینگر "
(۱۳) " اخبار "ملاپ" ۱۹۳۱ء دہلی (۱۴) " " " "چاند" جموں "
(۱۵) " اخبار "پرتاپ" ۱۹۳۲ء دہلی (۱۶) " " " "انصاف" راولپنڈی
(۱۷) " اخبار ویکلی "محاذ" سرینگر (۱۸) " ہفتہ وار "ملت" سرینگر
(۱۹) " اخبار "حریت" سرینگر (۲۰) " ہفتہ وار "محافظ" سرینگر
(۲۱) " اخبار "کشمیر" راولپنڈی (۲۲) " روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۱۹۶۲ء
(۲۳) " ویکلی "روشنی" سرینگر (۲۴) " "جنگ" روزنامہ کراچی ۱۹۶۶-۶۷ء
(۲۵) " ویکلی "آئینہ" سرینگر (۲۶) " روزنامہ "مشرق" ۱۹۶۷ء
(۲۷) " روزنامہ "خدمت" سرینگر
(۲۸) " روزنامہ "سرینگر ٹائمز" سرینگر

BIBLIOGRAPHY

S.No.	Name of the books.	Authors.
1.	Horned moon	Lan Stephens.
2.	Kashmir	M.P.Ferguson.
3.	Capitive Kashmir	Aziz Beig.
4.	Emergency of Kashmir	Chowdari Mohd Ali.
5.	Things seen in Kashmir	Earnest F.Neva.
6.	Crises in Kashmir	Alastar Lamb.
7.	Memorandum of Kashmir	Chalis Girdleslone.
8.	Pakistan meets Indian Challenge.	Brigadiar Gulzar.
9.	Jammu & Kashmir Terribories	Drew.
10.	struggle for freedom in Kashmir.	Prem Nath Bazaz.
11.	India Kashmir	Prem Nath Bazaz.
12.	Kashmir in crvcible.	Prem Nath Bazaz.
13.	Azad Kashmir	Prem Nath Bazaz.
14.	Selender War the thread	General Sen.
15.	Peeps at many lands Kashmir	Hen.Mrs.C.S.Brvce.
16.	Danger in Kashmir	Gosef Korbel.
17.	Pakistan and the U.N.	K.Sarwar Hussain.
18.	Two Nations and Kashmir	Lord Bird-Wood.
19.	This is Kashmir	Pearcy Gervis.
20.	A History of Kashmir.	P.M.K.Bamzai.
21.	Kashmir in Sunlight and Shade.	Tyndle Bisco.
22.	Travels in Kahmir	Vigne.
23.	My Years with Nehru "Kashmir"	B.N.Malik.
24.	The partian of India	C.M.Philips Mary Dorsen
25.	Muslim Seperatism in India	Abdul Hamid.
26.	The land of our dreams	Begam Birjees Ganie.
27.	Mission with Mount Batten	Cambell Jhonson.
28.	From Memory	Feroz Khan Noon.
29.	India's war on Kashmir	Imrany.
30.	The Road to Kashmir.	James. Milne.

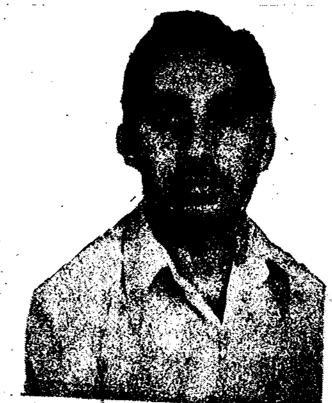
...

31.	The Foundation of Kashmir State.	K M.Panikhar.
32.	An introduction to Kashmir	Manek B.Pithawalla.
33.	Raiders in Kashmir.	Major Gen.Akbar Khan.
34.	Kashmir.	Mannan.
35.	Kashmir and the U.N.	Ramath Ullah Khan.
36.	The Valley of Kashmir.	Sir Walter Lawrence.
37.	The testment of Shaikh-Abdullah.	Petit and petit.
38.	Kashmir a Awakes	Sharma.
39.	Sheikh Abdullah.	Vashishat.
40.	Profiles of Shaikh Abdullah	Faiz Ahmad Aba.
41.	Mahatam Gandhi's last phase part 1 and 2.	Piraylal.
42.	Kashmir Papers.	S.N.Gurto.
43.	Transfer of power Part 9,10,11,and 12.	Lord Mount Battan
44.	Kashmir	Publication Division Government of India.
45.	India and Kashmir Constitutional Aspects.	Ministry of Information & Broadcasting.
46.	Kashmir Before accession.	A report Kashmir issue.
47.	Conspircy in Kashmir.	G.M.Mir.Monohernath.
48.	Accession of Kashmir to India.	M.C.Mahajan.
49.	Half way to freedom.	Bargrate Srouk while.
50.	Shaikh Mohd Abdullah Political Phonix.	P.N.Koul
51.	The story of Pakistan Army.	Major Gen.Faiz Muqeem
52.	Sardar Petal's Correspondance (1945-1950)	Durga Dass.
53.	Freedom at midnight	Larry Collins and Dominique Lapieree.
54.	Freedom movement in Kashmir Part 1 and 2.	Mohd Yousuf Saraf.
55.	Mr.Dexans's report 1950 on kashmir Issue.	Dexin.
56.	Dr.Frenk Grahams report on Kashmir Issue 1950	Dr.Frenk Graham.

57.	Memories of Richard Nixon President of U.S.A.	Nixon.
58.	Immorable trafic in Women.	Sheikh Ab.Karim.
59.	Kashmir Sold & Canchese.	M.L.Kapoor.
60.	White paper on Jammu and Kashmir.	Pakistan Government.
61.	Nehru's Emissary to Kashmir 1947	Hiralal Atal.
62.	India from Kerzon to Nehru and after.	Durga Dass.
63.	Onwards Kashmir.	A Report on Kashmir.
64.	Kashmir on open bobk.	A file.
65.	Personal file of Prime Minister of R.C.Kak.	R.C.Kak.
66.	Relief and rehablitation	A confidential file.
67.	Archieves record files. from 1924-1947.	
68.	Kashmir papers.	M.K.Tang.
69.	Muslim Kashmir Conference	
70.	Newyork times.	April 1,1964
71.	Newyork times.	August 15,1965
	"	October 16,1965
	"	October 25,1965
	"	June,3,1966
71.	Washington Star.	September 11,1965
	"	October 16,1965
72.	London Times.	May,7, 1957
	"	June 11,1966
73.	Daily Telegraph London	Jan.13,1948
	"	March 17,1957
	"	Feb. 9 1963
74.	Sunday Observer London	Jan. 7,1964
75	Economist London	Feb.13,1950
76.	The Times London.	October 10,1947
	"	October 25,1947
	"	February 18 ,1950

77.	Sunday Express London	Dec.3,1952.
	"	Dec.2,1962.
78.	Washington post	Dec.21,1962
	"	June 12,1962.
79.	Sunday Calcutta	Dec.19,1982.
	"	Dec.25,1982
	"	June 5,1983
	"	June 11,1983
79.	StatesMan Delhi	March 1,1949
	"	Oct.21,1957
80.	The Statesman Culcutta	Feb.4,1948
	"	Aug.15,1948
81.	The Hindustan Times Delhi	Aug.7,1948
	"	April,27,1964
82.	News Week	Sept.20,1965
83.	Pakistan Times Lahore	Dec.24,1965
84.	Stateman Delhi	Feb.14,1964
	"	April,15,1964
85.	Times of India Bombay	March 2 ,1952
	"	June 7,1962
	"	March 12,1957
86.	The Free Thinker Delhi	June 7,1956
	"	July 21,1956
87.	Dawn Karachi.	Oct.22,1947
	"	Nov.16,1947
	"	Nov.30,1947

.....



شبنم قیودر